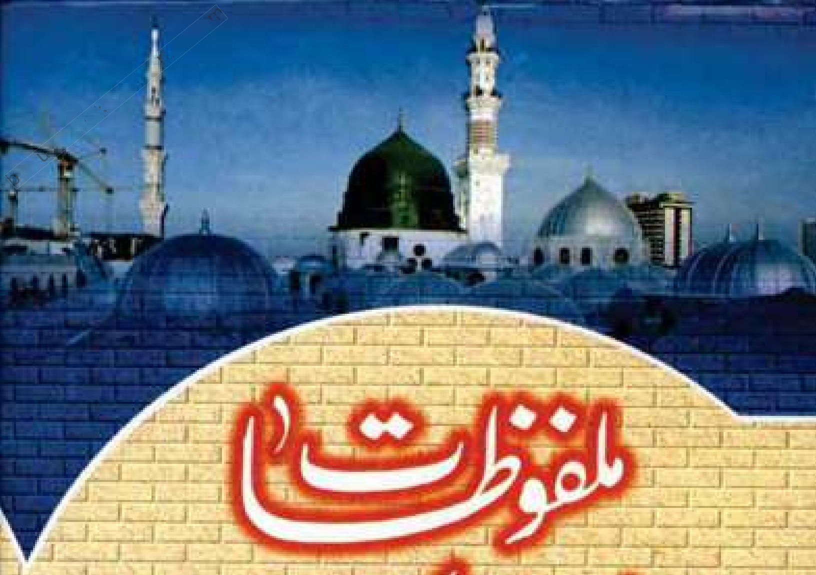

ملفوظات

محدثِ کشمیری رحمہ اللہ

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

کے گرانقدر ملفوظات کا نادر خزانہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ
☎061-540513-519240

ملفوظات محدث کشمیری رحمہ اللہ

(جدید ایڈیشن مع عنوانات)

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ
کے گرانقدر ملفوظات کا نادر خزانہ

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون۔ 4511790، 4519240، 4540513

ملفوظات
محدث کشمیری

تاریخ اشاعت.................. ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
ناشر.................. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.................. سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر
قیصر احمد خان
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے
ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ چوک فوارہ۔ ملتان
ادارہ اسلامیات۔ انارکلی۔ لاہور دارالاشاعت۔ اردو بازار۔ کراچی
مکتبہ سید احمد شہید۔ اردو بازار۔ لاہور ادارۃ الانور۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی
مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار۔ لاہور مکتبہ دارالاخلاص۔ قصہ خوانی بازار۔ پشاور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121 HALLIWELL ROAD
ISLAMIC BOOKS CENTRE BOLTON BL1 3NE (U.K.)

کلام شورش کشمیری

در مدح

علامہ کشمیری رحمہ اللہ

حاشیہ بردار دربار رسول اللہ کا
ماضیٔ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا
آدمی کے روپ میں قدرت کا روشن معجزہ
علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا
سادگی میں عہد اوّلیں کے صحابہ کی مثال
سیرت پیغمبر کو یوں سمجھاتا رہا

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

شورش کشمیری ۔ مدیر چٹان لاہور

فہرست مضامین

علمی خصوصیات

جامعیت علوم وفنون	۳۹
مقدمہ بہاولپور	۴۳
سب لزومی......سب تعریضی	۴۴
حضرت شیخ الہندؒ کے ایک شعر پر قادیانیوں کے وکیل کا اعتراض..........سب صریحی	۴۵
ختم نبوت کا عقیدہ.......آیات قرآنی کا تواتر	۴۷
مرزا نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے	۴۸
مدحیہ اشعار کا غیر تحقیقی ہونا.......انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت	۴۹

تعریفات

مرزا صاحب کے عقائد	۵۲
مرزا کے ایک قول کا رد.......مرزا کی کتابوں میں تکرار و تضاد	۵۳
قادیانی وکیل کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۵۵
حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے قادیانی وکیل کا استدلال اور حضرت شاہ صاحب کی طرف سے جواب	۵۹
بالذات.......خاتمیت زمانی	۶۰
حضرت امام مالکؒ کی طرف غلط نسبت.......بریلوی علماء کا فتویٰ تکفیر	۶۱
حدیث بنی الاسلام سے غلط استدلال.......تارک صلوٰۃ کا حکم	۶۲
اجماع نزول مسیح پر ہے یا حیات پر؟	۶۲
ذکر اللہ	۶۳
اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں.......ذکر اللہ جنت میں بھی ہوگا	۶۳
مومن عورتوں کو دیدار خداوندی	۶۳
سورۃ فاتحہ کی فضیلت.......تشریحات از مرتب	۶۵
نماز.......کیفیات نماز کا ذکر	۶۷
عامہ نمازوں کیلئے.......نماز و حج سے زیادہ جامع عبادت نہیں	۷۲

خفی نماز میں اتباعِ سنت.........نماز میں تقسیم	۷۳
خروج بصنع المصلی	۷۴
صحابہ اور رفع یدین	۷۵
فتح الباری کی غلطی	۷۶
مالکیہ کا ارسالِ یدین.........قرأت	۷۷
ہدیہ صلوٰۃ اور صفت.........تذکرۂ آخرت	۷۸
تحقیق سمٰوات اور علاقۂ جہنم و جنات.........ذکر اعمال	۷۹
علاقۂ آخرت	۸۰
ذکر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ و حجۃ الاسلام.........اسلام اور جدید سائنس	۸۱
فلسفۂ قدیم و جدید	۸۳
حضرت نانوتوی رحمہ اللہ	۸۴
تحقیقات سائنس جدید و ہیئت جدیدہ.........ستارہ و سیارہ.........کہکشاں.........عدسہ	۸۵
نوری سال.........نظام شمسی.........زمین	۸۶
چاند.........سورج	۸۷
ایک غیر مخفی حقیقت	۸۸
ذی حیات مخلوق سیاروں میں	۸۹
تائیدی اشارات.........فلک کی تفسیر	۹۳
علاقۂ جہنم	۹۶
علاقۂ جنت.........لا تفتح لھم ابواب السماء کی تفسیر	۹۸
روح کی گرفتاری اور صورت رہائی.........حضرت مجدد کے ارشادات	۹۹
روح کی پرواز وغیرہ	۱۰۰
جزاء و سزاء عین اعمال ہے	۱۰۲
حیات انبیاء علیہم السلام	۱۰۵
سماع موتیٰ و بقیہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام	۱۱۰
فرق حیات نبوی و حیات مومنین	۱۱۵

ایک سوال اور جواب	۱۱٦
مستلذیات میں وجہ تردد	۱۱۸
امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ	۱۱۹
ائمہ حنفیہ اور محدثین	۱۲۳
امام اعظمؒ مرجئی نہیں تھے	۱۲۸
امام اعظمؒ کی عقل کامل تھی	۱۳۲
امام اعظمؒ اور مسئلہ خلق قرآن	۱۳۳
دار الحرب میں جواز عقود فاسدہ باطلہ	۱۳۵
اسیر معاہد نہیں ہے...... ہندوستان انگریزی دور میں	۱۳٦
دار الاسلام و دار الحرب کا شرعی فرق...... عصمت کی دو قسمیں	۱۳۷
تنقیح مذاہب	۱۳۸
مولانا گیلانی کا مضمون...... مولانا مودودی کا مضمون	۱۳۹
فقہاء کے یہاں دار الحرب و دار الکفر کی تفریق نہیں ہے ... طرفین و امام مالک کے مذہب کا فرق	۱۴۱
دار الحرب کے کفار مباح الدم نہیں ہیں	۱۴۲
دار الحرب میں مسلمانوں کی سکونت...... دار الحرب کی بسنے والی قوموں کا باہمی معاہدہ ضروری ہے	۱۴۳
دفاع وطن میں مسلمانوں کا حصہ	۱۴۴
مسلمانوں کے متحدہ مخلصانہ معاہدہ کی ضرورت...... دار الحرب و دار الاسلام کی تشریح	۱۴۵
دار الامان و دار الخوف کی تشریح	۱۴٦
مستضعفین کیلئے عتاب الحربی کا فرق...... بحالت موجودہ دار الحرب کے مسلمانوں کیلئے جواز سود	۱۴۷
مزید افادہ اور ضروری تشریح	۱۴۸
حضرت تھانویؒ کی رائے اور ارشادات	۱۴۹
ارشاد حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری	۱۵۰
خلافت حضرت آدم علیہ السلام بوجہ فضیلت عبودیت	۱۵۱
علم و عبادت	۱۵۲
عبدیت سب سے اونچا مقام ہے ۔ عبدیت و مسئلہ تقدیر ۔ علم وسیلہ ہے ..... تعریف علم	۱۵۳

مطالعہ کتب کی اہمیت.....حدیث ان تعبد اللہ کی حقیقت.....حدیث کنت بصرہ کی حقیقت	۱۵۴
امکنۂ مقدسہ کا تقدس	۱۵۵
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قطع شجرہ کا سبب	۱۵۶
مولد نبوی کا تقدس مثل مولد مسیح.......حدیث نسائی سے ناواقفیت	۱۵۷
حدیث طواف زاد المعاد کا ثبوت	۱۵۸
فتح الباری اور فتح الملہم کی مسامحت.......حدیث حضرت عتبان سے استدلال	۱۵۹
مآثر امکنۂ مقدسہ مکہ معظمہ سے غفلت.......سجدہ عبادت وسجدہ تعظیمی کا فرق	۱۶۰
غار حراء.......غار ثور	۱۶۲
مولد النبی علیہ السلام.......مسکن حضرت خدیجہؓ	۱۶۳
ذکر دار ارقم ودیگر مآثر واماکن مکہ معظمہ	۱۶۴
آخری سطور	۱۶۵
عاجزانہ گزارش	۱۶۶
حکومت سعودیہ کی تائید ونصرت.......مولد نبوی کا واجب الاحترام ہونا	۱۶۷
شب معراج میں بیت لحم کی نماز ونزول گیارہ کتب حدیث میں ہے	۱۶۷
لفظ سیدنا کیلئے نجدی علماء کا تشدد	۱۶۸
امکنۂ مقدسہ میں انجذاب قلوب اہل اللہ.......اہل نجد کے قبضہ حرمین سے متعلق تاریخی واقعات	۱۶۹
علامہ کشمیری کے فیصلوں کی قدر وقیمت	۱۷۰
مآثر وامکنۂ مقدسہ نبویہ کی نشان دہی وحفاظت ضروری ہے	۱۷۱
حضرت شاہ عبد العزیز کی طرف سے شیخ محمد بن عبد الوہاب کا دفاع	۱۷۱
کلام باری وصوت وحرف.......صوت باری اور امام بخاری کا تفرد	۱۷۳
علامہ ابن تیمیہ قیام حوادث باللہ کے قائل تھے.......حضرۃ علامہ کشمیری کے ضرب اتم کا ذکر	۱۷۴
فتح الباری میں علامہ ابن تیمیہ کے قول حوادث لا اول لہا کا رد	۱۷۵
حضور علیہ السلام کی نبوت زمانہ بعثت سے پہلے تھی	۱۷۶
حافظ ابن تیمیہ عرش کو قدیم مانتے تھے	۱۷۷

علامہ ابن تیمیہ نے بعض صحیح احادیث کو گرادیا ہے....... تقویۃ الایمان کا ذکر	۱۷۷
رائے گرامی حضرت مدنی رحمہ اللہ	۱۷۸
حضرت شیخ الحدیث اور بذل المجہود	۱۷۹
علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کا داری کی کتاب النقض کو مستدل بنانا	۱۷۹
حدیثی فائدہ....... اول الخلق	۱۸۱
اشکال وجواب....... افضل الخلق	۱۸۲
حدیث لولاک	۱۸۳
رد ابن تیمیہ و افادہ سبکی....... حضور علیہ السلام یکتا و بے مثال ہیں	۱۸۵
حضور علیہ السلام کے کمالات نبویہ....... حضرت تھانوی کا افادہ	۱۸۶
انبیاء علیہم السلام کی سواریاں....... اذان بلال بروز حشر	۱۸۷
رویت باری تعالیٰ جل مجدہ....... تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت حاصل تھی	۱۸۷
خصائص وفضائل امت محمدیہ	۱۸۷
نزول وحی ۲۴ ہزار مرتبہ....... کلام و دیدار خداوندی	۱۸۸
حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی افادات....... دارالکفر کے ساکن مسلمانوں کی امداد	۱۸۹
کتب تفسیر کی کثرت اور معیار تحقیق	۱۹۰
علامہ فراہی شیخ محمد عبدہ و مولانا آزاد وغیرہ پر نقد....... دور حاضر کے مفسرین کی بے ضاعتی	۱۹۱
حدوث عالم اور وجود صانع کی تحقیق	۱۹۲
نظریہ ارتقاء کا ابطال....... حق العبد	۱۹۳
حلف مع المصحف....... مسائل کی ترجیح ذریعہ احادیث صحیحہ	۱۹۵
فقہاء کے مراتب....... تقلید شخصی ضروری ہے	۱۹۵
علامہ ابن تیمیہ کا تشدد	۱۹۶
دوسرے مذاہب فقہیہ پر فتوے....... مسجد نبوی کا احترام اور دوسرے امکنہ کا تقدس و تبرک	۱۹۷
شیخ محمد عبدالوہاب کا ذکر....... ایک اہم سوال	۱۹۸
ابن مسعود وغیرہ کی مخالفت حنفیہ....... حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ کا سبب..... جماعت ثانیہ	۱۹۹

کوفہ میں صحابہ کی تعداد	۲۰۰
دعا بعد الاذان میں وسیلہ کیا ہے؟...... مقام محمود کیا ہے؟	۲۰۱
دلائل الخیرات کا ذکر...... موتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ کے فیصلے ناقص تھے	۲۰۲
ملک فہد دام ظلہ پر اعتماد...... امام طحاوی کی منقبت...... امام شافعی کی منقبت	۲۰۳
قلوب میں خدا کی وقعت...... شہید آخرت کون ہیں	۲۰۳
صحیح ابن خزیمہ...... ترک جماعت کا عذر...... جمعہ اور تبرک بالامکنہ	۲۰۴
ایک اہم توقع	۲۰۵
امام وظیفہ کا قریشی ہونا...... حضرت معاذ بن جبل کی دو نمازیں	۲۰۶
تعارض کے وقت ترجیح حدیث کا طریقہ	۲۰۶
نجوم کا استقلال و حرکت...... شمس و قمر جہنم میں...... روح کب پیدا ہوئی؟...... فرق روح و نسمہ	۲۰۷
افعال برزخ...... قدم عالم کا رد	۲۰۸
زندقہ کیا ہے؟	۲۰۹
نماز کا سلام...... نماز غائب...... تحریک اصلاح دار العلوم دیوبند	۲۱۰
زمانہ قیام و درس دار العلوم کے خاص حالات...... فقہاء کی فروگذاشتیں	۲۱۱
حضرت شاہ صاحب کے خاندانی حالات	۲۱۲
سنت ولیمہ...... تکفیر کا اصول	۲۱۳
اشعری کی تنزیہ اور ابن تیمیہ کی تشبیہ	۲۱۳
برزخی زندگی میں ارواح مومنین کا تمتع باللذات...... بدن مثالی کیا ہے...... حیات شہداء	۲۱۳
جنت میں رضاعت بھی ہے...... علاقہ جنت و جہنم موجود ہے...... جنت میں دو دو بیویاں	۲۱۵
ذکر صدر شیرازی...... دنیا میں جنت کے نمونے زیادہ ہیں	۲۱۶
جنتی ملوک ہوں گے...... جنوں کو بھی ثواب و عقاب ہوگا	۲۱۶
مکھی کا ڈبونا اور رشید رضا مصری وغیرہ...... توسل قولی کا ثبوت	۲۱۷
بخاری میں روایت فہیم سے...... کافر کے لئے تخفیف عذاب...... حضور علیہ السلام کا سایہ	۲۱۸
معروف و منکر کیا ہیں...... فقہ سب سے زیادہ مشکل فن ہے...... مسائل وقف میں موافقت بخاری	۲۱۹
وقف نقد صحیح ہے...... وصیت مستحب ہے محروم الارث کیلئے...... قاعدہ بابۃ شہادت	۲۲۰

آج کل وقف سے بہتر صدقہ ہے...... شہادت باللہ یا بالطلاق...... حضرت مولانا عبدالحی کا ذکر	۲۲۰
دیارِ کفر میں سکونت یا ہجرت؟......... قرآن مجید اور احادیث کے طریقوں میں فرق	۲۲۱
فائدہ: دیارِ کفر کے احکام	۲۲۲
ہندوستان کے حالات و احکام......... حضرت تھانوی کے افادات	۲۲۳
ضروری تنبیہ......... فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کی کثرت	۲۲۳
مقبور کیلئے عذاب قبر پر اعتراض و جواب	۲۲۵
تقدیر نہایت بدیہی مسئلہ ہے......... "الاسلام یعلو ولا یعلیٰ"	۲۲۶
فوٹو اور تصویر میں فرق...... واجب کا درجہ...... احتساب و نیت میں فرق...... کفار مخاطب بالفروع ہیں	۲۲۷
متشابہات سے مراد کیا ہے؟...... متشابہات قرآن مجید کا اعلیٰ حصہ ہیں...... داڑھی کی مقدار؟ اور علمی فائدہ	۲۲۸
مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حقوق ہیں...... حضرت شاہ صاحبؒ کے ذاتی حالات 'خود ان کی زبانی	۲۲۹
تائید مذہب حنفی کیلئے سعی مشکور......... فقہ حنفی اور حدیث......... علم کی خامی و پختگی	۲۳۰
حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر اور وسعت مطالعہ......... حافظ کے حوالوں میں غلطیاں	۲۳۰
رواۃ بخاری کی غلطیاں......... مساجد رسول اللہ بطور یادگار......... صلوٰۃ علیٰ غیر النبی کا جواز	۲۳۱
اظہار الحق کی وجاہت...... وقف و ارصاد میں فرق...... سامان جہاد تیار کرنا...... زیادہ اور کم خوراکی	۲۳۲
اداءِ زکوٰۃ کی قیود......... امام اعظمؒ سے روایت مرجوحہ	۲۳۳
سنن بیہقی قلمی زیادہ صحیح ہے......... عورت کا کشف وجہ وغیرہ	۲۳۳
حجۃ الوداع میں تعدادِ صحابہؓ...... اناج پر بیٹھنا جائز ہے...... واجب کا درجہ سب کے یہاں ہے	۲۳۳
بعض الناس سے مراد......... حضور علیہ السلام نے قران کیا ہے	۲۳۵
تلبیہ و طواف کی اہمیت......... بہائم اور عظمت انبیاء علیہم السلام	۲۳۵
موت کے لئے پیر کا دن افضل ہے......... قبور روضہ نبویہ	۲۳۶
ذکر علامہ ابن تیمیہؒ......... عام خاص سے راجح ہے......... سید کیلئے زکوٰۃ	۲۳۶
رجوع فی الہبہ کی تحقیق......... قیام میلاد کے بارے میں تحقیق...... تفقہ کا فقدان	۲۳۷
زود نویسی کے شاہکار......... رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کیساتھ رفع یدین	۲۳۸
روضۂ اطہر عرش سے افضل ہے	۲۳۸
تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں......... بچوں کی نماز کا حکم	۲۳۹

نذر مشی الی بیت اللہ کا حکم .... خیر القرون سے مراد	۴۲۹
فضیلت و قرابت کا فیصلہ .... ترتیب خلافت کیلئے اہم تحقیق	۴۳۰
انوار انوری کا ابتدائیہ	۴۳۱
علامہ مفتی محمد کفایت اللہ کا قصیدہ مدحیہ	۴۳۲
مربع نعتیہ فارسی	۴۳۳
عالم کے تغیرات کسی قدرت قاہرہ کا پتہ دیتے ہیں	۴۳۶
عالم کبیر و عالم صغیر کی تشریح	۴۳۸
فریضہ تبلیغ اسلام	۴۳۹
خدائے قدوس کا ذکر ہر حال میں ضروری .... اکثر عقائد نصرانیت بت پرستوں سے ماخوذ ہیں	۴۵۰
قدیم بالذات تمام نقائص سے بری ہے	۴۵۱
بغیر مادہ کے عدم سے وجود اشیاء کی صورت	۴۵۳
سارا عالم فاعل حقیقی خدا کا فعل ہے .... مسئلہ ربط حادث بالقدیم کی تحقیق	۴۵۴
اشارہ کن سے سارے عالم پیدا ہوئے	۴۵۵
اصول تبلیغ	۴۵۶
مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ .... عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ کی تشریح	۴۵۷
دار الحرب میں غیر مسلموں سے معاہدہ .... حضرت شاہ صاحب کا بے نظیر حافظہ	۴۵۸
حضرۃ شاہ صاحب کے استحضار کے واقعات	۴۵۸
ابی کی شرح مسلم کا حوالہ .... سنن بیہقی کا حوالہ	۴۵۹
حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ بیعت .... ایک بزرگ عالم کا واقعہ .... مالیر کوٹلہ کے اجتماع کا واقعہ	۴۶۱
دو سال کی عمر کا واقعہ .... حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری میں حضرت تھانوی کی شرکت	۴۶۲
ترک موالاۃ کا فتویٰ سب سے پہلے شاہ صاحب نے دیا	۴۶۳
حضرت شیخ الہند کی غایت مسرت اس فتویٰ سے .... حضرت شاہ صاحب کا نعرہ جہاد	۴۶۳
حضرت کا اپنے اساتذہ کیلئے غایت ادب	۴۶۳
حضرت نے ایک پادری کو چالیس دلائل نبوت سنا کر اتمام حجت کی	۴۶۳
حضرت شاہ صاحب اپنے زمانہ کے بے نظیر عالم تھے	۴۶۳

حضرت شاہ صاحب سے متعلق علامہ کوثری مصری کے تاثرات...... علامہ سید سلیمان ندوی کا تاثر	۲۶۵
مکاتیب حرمین کا معاملہ	۲۶۷
آیت مسلک حق کی دلیل...... شرک اور کفر میں فرق..... حدیث اتقی المسلمان کی تشریح	۲۶۸
روافض کا انکار حدیث من قام لیلۃ القدر کی تشریح	۲۶۹
کفار کی طاعات وقربات نفع بخش ہیں	۲۷۰
حضرت کے دل میں مضامین عالیہ کا جوش مارنا...... مغنی ابن قدامہ کا صحیح نسخہ مکہ مکرمہ میں ہے	۲۷۱
غیر مقلد کی کتاب المستطاب پر نقد........	۲۷۲
اعتماد کی صورت میں بغیر سنے سند دینا..... ۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن کا ورود دارالعلوم	۲۷۲
حضرت شاہ صاحب کی عربی تقریر	۲۷۳
لما ظرفیہ کی تحقیق..... ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز ہے...... اجمع کا صلہ مع آتا ہے	۲۷۳
علم کو مضاف استعمال کرنا........ فلا تفعلوا الا بام القرآن کا مطلب	۲۷۵
علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا واقعہ........ انما الاعمال بالنیات کی تشریح	۲۷۷
لفظ مسیح کی تحقیق انیق..... سلطان عالمگیر کا زہد وتقویٰ..... عالم کی بقا یاد الٰہی پر منحصر ہے	۲۷۸
حدیث بخاری سبحان اللہ نصف المیزان	۲۸۰
ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق	۲۸۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے	۲۸۳
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا دائرۂ نبوت طے کیا ہے	۲۸۵
رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کی عملی شکل	۲۸۵
سفر معراج اور حضرت مسیح علیہ السلام کا عروج ونزول	۲۸۶
معانی آخرت میں متجسد ہو جائینگے...... بندوق کا شکار..... نماز کیلئے رغبت..... اختلاف میں اتحاد	۲۸۷
وحدت دعوت انبیاء	۲۸۹
تعظیم مفرط پر نکیر........ سجدہ تحیہ کا عدم جواز....... لفظ قدر کی تحقیق	۲۹۰
رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے....... رؤیا کی تحقیق........ قادیانی کا ایک اعتراض وجواب	۲۹۱
ایام قیام قبا کی تحقیق........ فضیلت حضرت ابوبکر قطعی ہے	۲۹۲
استماع قرأۃ خلف الامام........ توسل فعلی وقولی........ فقہاء سبعہ مدینہ	۲۹۳

لفظ دون کی ادبی تحقیق	۲۹۳
اعجاز قرآنی ...... مقصد قرآنی کی تشریح	۲۹۵
قرآنی حقائق ...... حضرتؒ کے ابتدائی دور کے حالات ...... حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ	۲۹۶
حسین الجسر طرابلسی ...... محدث علامہ نیموی کا ذکر ...... تقویٰ کے معانی	۲۹۷
قرآن کریم میں تنسیخ آیات	۲۹۸
حضرت شاہ صاحبؒ کا نعتیہ کلام	۳۰۰
ڈاکٹر اقبال مرحوم اور حضرتؒ سے استفادات ...... قصیدہ مصدع النقاب مع ترجمہ	۳۰۱
قرآن کی ۱۲ آیات کا جلنے سے محفوظ رہنا ...... آیات خلاص ...... عمل شفا	۳۰۳
حضرات صحابہؓ کرام کا تعلیم و تبلیغ کے لئے دنیا میں پھیل جانا	۳۰۳
علم نحو وغیرہ کی تدوین ...... حضور علیہ السلام کا پیٹھ پیچھے بھی دیکھنا بطور معجزہ تھا ...... فلسفہ جدیدہ	۳۰۳
نماز کا افتتاح ...... تعامل سلف ...... سورۂ مزمل میں نصف بدل ہے	۳۰۵
وتر کے بارے میں تحقیق ...... یاایہا المزمل الخ میں رات کے تین حصے کر دیئے	۳۰۶
حضرت شاہ صاحب کی دو پیشگوئیاں ...... حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کا واقعہ	۳۰۷
تعزیتی جلسہ اور حضرت شاہ صاحب کا عربی مرثیہ	۳۰۷
۱۹۲۹ء کا جلسۂ لاہور اور میر شریعت کا تقرر	۳۰۸
تفسیر بلیٰ من کسب سیئۃ الآیۃ	۳۰۹
واتبعوا ما تتلوا الشیاطین	۳۱۰
کان الناس امۃ واحدۃ ...... حضرتؒ کی تمنائے شفاعت نبویہ	۳۱۲
حضرت ابوسفیانؓ کا ایمان ...... توفی حیات کیساتھ جمع ہو سکتی ہے ...... عید مسلم کی حقیقت	۳۱۳
عید اضحی	۳۱۴
استویٰ علی العرش کی مقامی توجیہ ...... ایک حدیثی نکتہ	۳۱۵
یوم سبت کی تحقیق ...... غلطی ابن تیمیہ ...... عروبہ و عرفہ	۳۱۶
استحباب جمعہ کی حدیث مع توجیہات	۳۱۷
ایام ربانی کی تحدید	۳۱۸
یوم ربوبی ایک نکتۂ لطیف	۳۱۹

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء	۳۲۰
عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح	۳۲۱
عید رمضان	۳۲۲
اہتمام نعت اور قرآن عزیز...... مربعہ نعتیہ فارسی	۳۲۳
محدثانہ تحقیق بابتہ تراویح وتعامل سلف...... فتنہ کے معنی	۳۲۵
شہید...... رفع عمل صالح کے معنی...... اذا غلا واشتد...... بدیہی کے معنی...... حلول کے معنی	۳۲۶
جسم کے معنی...... علامہ ابن رشد کا علمی مرتبہ...... ضرب الخاتم اور علامہ اقبال	۳۲۷
شاہ صاحب کی تحقیقات علامہ اقبال کی زبانی	۳۲۷
الفاظ حدیث کی صحیح ترجمانی کا اہتمام	۳۲۸
حضرتؒ کی شہسواری اور شوق شکار...... حضرتؒ فلسفہ جدیدہ کے بھی عالم تھے	۳۲۹
حوالہائے کتب کا بے نظیر استحضار...... درس کے دوران ظرافت بھی	۳۲۹
مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرہ	۳۲۹
حضرت بلال اور حدیث زیارۃ نبویہ	۳۳۰
تقدیر خیر وشر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے...... قادیانی کا اعتراض وجواب	۳۳۱
حضرت شاہ صاحبؒ کا کمال تقویٰ	۳۳۱
تحقیق انور کہ روزوں کی بھی گنتی ہوگی...... ایک قادیانی کو برملا جواب	۳۳۲
مرزا قادیانی کو مسکت...... قصیدہ معراجیہ	۳۳۳
قصیدہ انوریہ مع تشریح مولانا محمد انوریؒ	۳۳۹
تقریر بابتہ برزخ	۳۴۱
دنیا کے بعد آخرت کا ہونا عقلی طور سے...... حضرتؒ کی وصیت اور اس کا پورا ہونا	۳۴۲
حضرت شاہ صاحب اور شعر...... حضرتؒ سے حضرت مفتی اعظم کا استفادہ	۳۴۳
حضرتؒ نے شاہ ولی اللہ کا مشہور واقعہ سنایا	۳۴۳
حضرتؒ نے ظفر بادشاہ کا مشہور شعر پسند فرمایا	۳۴۴
تسمیہ کی عظمت...... سورۂ فاتحہ	۳۴۵
الٓمٓ اور ذلک الکتاب کی تفسیر	۳۴۸

جزاء بمعنی اعمال ہے حضرت مہدیؑ کی تحقیق...... حضرت ہودؑ کی تحقیق	۳۵۱
ایمان کی حقیقت	۳۵۲
انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے تحت حقائق عالیہ ونفیسہ نافعہ	۳۵۳
ولقد آتینا موسی الکتاب کے تحت تحقیق عجیب	۳۵۳
انشورنس کے معنی اور تحقیق ..... حضرتؒ کی انگریزی سے واقفیت	۳۵۶
حضرتؒ کا تقویٰ...... معراج جسمانی کی تحقیق..... بخل کا اسراف	۳۵۷
علامہ عراقی کون تھے؟...... حافظ شیرازی بڑے مفسر تھے	۳۵۸
حضرتؒ کے ہاتھ پر غیر مسلموں کا ایمان لانا...... حضرتؒ کی سیرچشمی اور مال سے بے رغبتی	۳۵۹
مولانا احمد سعید صاحب کا حضرت سے استفادہ...... ڈابھیل میں حضرتؒ کا درس حدیث	۳۶۰
تفسیر سورۂ نجم...... قولہ تعالیٰ فتدلی کی تفسیر	۳۶۱
قولہ تعالیٰ ما کذب الفؤاد	۳۶۲
قولہ تعالیٰ افتمارونہ علی مایری	۳۶۳
رؤیت بصری حق تعالیٰ جل مجدہ...... مولانا شریف اللہ کابلی کے حالات	۳۶۴
من عرف نفسہ کا مطلب...... ڈاکٹر اقبال کے اشعار معرفت	۳۶۵
امیر خسرو کے اشعار پر رقت...... حضرت شاہ صاحبؒ پر حضور دائمی کا غلبہ	۳۶۶
حضرت شاہ صاحبؒ کا تعلق بالحدیث	۳۶۶
حمد کے ساتھ نعت وتکبیر بھی ہوسکتی ہے	۳۶۷
ذکر اللہ جہراً بھی ذکر حق ہے	۳۶۸
حافظ ابن تیمیہ کا رد...... انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش واجب الاحترام ہوتی ہے	۳۶۹
حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کا تفرد	۳۶۹
معوذات ما بین الفقہ وبین الحدیث کی حقیقت	۳۷۰
سفر حج فرض کیلئے کراہت بغیر محرم کی تحقیق	۳۷۱
"حج فرض کیلئے محرم کی شرط ضروری نہیں"...... [illegible]	۳۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلہا

قطع نظر شرعی اصطلاحات و مصطلحات متکلمین سے بخدا آنے والی بات ذہنی ارتداد کا مظہر نہیں بلکہ تمام ہی اجزائے شریعت و متکلمین اسلام کی کاوشوں و دیدہ ریزیوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ اس وقت کہا اور لکھا ہے وہ اس معذرت کے ساتھ

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

کیا ہے قرآن مجید سب کچھ تسلیم کرنے کے لیئے کے باوجود بہرحال خدا تعالیٰ کے ملفوظات و ارشادات عالیہ کا مجموعہ اور تئیس سالہ عہد نبوت کا سارا ذخیرہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیش بہا ملفوظات گرامی) قدسی صفات صحابہ کا مجمع لگا' حلقہ اندر حلقہ بیٹھتے اور قدسی الاصل صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا سلسلہ چلتا اب چاہے تو انہیں حدیث کہہ دیجئے دل چاہے تو کلام رسول اور اگر ہیچمداں کی تعبیر گوارا ہو تو ملفوظات النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم روحی فداہ و رسالت کا عہد میمون دھیرے دھیرے ختم ہوا اور ایک وجود قدسی صلے اللہ علیہ وسلم نے خاکدان ارضی کو چھوڑ چھاڑ کر دوسرے عالم کی رونقیں بڑھائیں تو اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم تابعین و تبع تابعین امت کی اصلاح کے ذمہ دار بن گئے یہ تنکا تنکا بن کر علم و آگہی کا آشیانہ بناتے مستفیدین قطار اندر قطار آتے اور النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات سے نہ صرف تیرہ باطنی کا علاج بلکہ تیرہ و تار ماحول کو انوار نبوت سے روشن و منور کرتے یہ قرن بھی نمٹ گیا تو علماء نے مسندیں سنبھالیں درس گاہوں سے علم کی تقسیم اور دانش کدوں سے دانشوروں کی فیاضی پورے عالم میں موجیں لینے لگی انوار نبوت حال سے دور ہو رہے تھے باطنی اپنی تمام برکات کے ساتھ دامن سمیٹ رہی تھی ظاہر تو ٹھیک ہو رہا تھا لیکن باطن کی کائنات اندھیریوں سے روابط و ضوابط بڑھا رہی تھی ٹھیک اس وقت میں صوفیہ صافیہ کھڑے ہوئے اور تباہ خانہ باطن کو صیقل کرنے کے لئے اذکار و اشغال کے کچھ مسنون اور کچھ طبع زاد

طور طریق سنبھال بیٹھے خانقاہیں ہو حق سے لبریز ہو گئیں۔ نالۂ سحرگاہی عرش تک جا پہنچا ارض دنیا کی مسافتیں سمٹ گئیں، بشاشت ایمان دلوں میں رچی، اعمال کی نورانیت سراپا پر کھلی غنچے دل چٹکے معرفت ربانی کے زمزمے بلند ہوئے اور اس طرح اسلام کی گاڑی جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لائن پر ڈالا تھا تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ گئی۔

موجودہ ریلوے نظام نے ریلوے سسٹم کو شہروں، قصبات اور دیہات تک پہنچا دیا بجلی کے قمقمے قریہ قریہ نظر افروز ہیں۔ کچہریاں گاؤں گاؤں کھل گئیں، مدارس و مکاتب کا جال ادھر سے ادھر تک پھیل گیا تو دین کی گاڑی بحوالۂ قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از خشکی تری شہر اور قریہ میں جو پہنچے تو استحالہ کیا ہے اور استعجاب کیوں؟

حضرات صوفیاء مجالس جمعہ میں ان کے ملفوظات دلوں کو گرماتے دماغ روشن ہو جاتے نہاں خانۂ باطن چمک اٹھتے نیکی سے قرب بدی سے بعد شر سے اجتناب خیر برائی سے بسمت بھلائی قافلے سرگرم سفر ہوتے یہ ملفوظات آج بھی امت کا اثاثہ ہیں۔ ان میں وہی سوز و گداز، دعوتی گرما گرمی، اعمال خیر کی جانب متوجہ کرنے کی وہی قوت، تحریکی و متقی بنانے کی وہی استعداد زندہ و تابندہ ہے۔

الشیخ عبدالقادر جیلانی المعروف "بغوث اعظم" کے ارشادات اب بھی لوہے کو پارس بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شیخ رفاعی کا کلام بدستور تیز و تند ہے۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے نعرے آج بھی جوش زن ہیں۔ ابن جوزی کا کلام آشنائے دستبرد وقت نہ ہوا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ نقشبند، داعی الی اللہ شیخ اجمیری کا سرمایہ بدستور باعث گرمی محفل ہے۔ محبوب الٰہی یعنی سلطان دہلی کے فوائد الفواد اور افضل الفوائد ہنوز دلوں کے تار چھیڑتے ہیں خواجہ باقی باللہ کے ارشادات قلب و دماغ تک اثر ڈالنے میں کسی سے کم نہیں، مجدد الف ثانی کے مکتوبات کساد بازاری کی زد میں نہیں اور نظر کر کیوں چھوڑ دیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں کا اور ان کے مسترشد مولانا غلام علی کا اور جہاں آباد کے شیخ کلیم اللہ کا اور کیا فراموش کر سکتے ہیں، ماضی قریب کی پرنور شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو کہ ان سب کے ملفوظات مختصرات بار دیا گنجینۂ یادآور ہیں۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ صوفیاء کے ملفوظات نے وہ کام کر دکھایا جو عصر حاضر کے قلم کاروں کے بھاری بھرکم لٹریچر سے ممکن نہ ہوا ہوگا! تھانوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہزارہا ہزار زندگیوں کو اسلام کی حقیقت سے آشنا، احسان کی گہرائیوں سے واقف، عرفان رب کے لطیف سبق اور صفاتی معاملات کے موثر درس دے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کا کلام اس کی افتاد طبع کا آئینہ دار اور اس کے مزاج کا ترجمان ہوتا ہے خدا تعالیٰ کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کاروان انسانیت کے سنگ میل ہیں۔ صوفیہ کا لٹریچر سب سے ٹوٹ کر خدائے واحد سے رشتے استوار کرنے کا مجموعہ وسیلہ ہے اور اہل علم کے ملفوظات میں علم و دانش کا تموج ملتا ہے آج بھی تجربہ کر لیجئے اہل باطن کی چیزیں پڑھ کر باطن کی کائنات آراستہ ہوگی اور زائغین کے لٹریچر کے مطالعہ سے قلوب تیرہ و تار ہوں گے۔

ہندوستان کے دور غلامی کی بارہویں صدی کا اختتام اور تیرہویں صدی کا آغاز انسانی زندگی کی فصل بہار ہے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے کارناموں سے اعلان کر دیا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

صحافت ہو کہ انشاء، نثر نگاری ہو کہ شاعری، سیاست ہو کہ قیادت، طباعت ہو کہ حذاقت، علم ہو کہ دانش، دانش ہو کہ بینش ہر گوشہ میں منفرد شخص ہوئے منقطع النظیر اور بے مثال، زمانہ قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ جدید علوم اپنے پھریرے اڑا رہے ہیں۔ نت نئے انکشافات اپنا لوہا منوا رہے ہیں اور انسان سمندروں کی گہرائی تک جا پہنچا۔ بادل پہ پرواز ہوا تو چاند پر جا اترا۔ مارکیٹ جدید کتابوں سے لبریز ہے۔ طباعت کے نئے طریقوں نے حیرت زدہ منظر دکھائے مگر بارہویں صدی کا خاتمہ اور تیرہویں صدی کا اوائل اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ لوٹ کر نہیں آسکتا۔

نکل گئی ہے وہ کوسوں دیار حرماں سے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمر کی کثرت اور کثرت تصانیف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے مگر خوب دیکھ لیا جائے کہ جامعیت و جزئیت، گہرائی و گیرائی کس

کے حصہ میں آئی کوئی حدیث میں یکتا تو فقہ سے نابلد کسی کے علوم بلند و بالا لیکن منطق میں کمزور بلکہ عربیت میں بھی خام فتویٰ نویسی میں حذاقت لیکن حدیث سے سراسر ناواقفیت خال خال ہی افراد پوری امت میں نظر آئیں گے جنہیں تبحر کے ساتھ تعمق، وسعت کے ساتھ ژرف نگاہی عبقریت کے پہلو بہ پہلو جامعیت کی بے نظیر انفرادیت دی گئی ہیں اور نہیں اپنے اسی ہندوستان میں دیکھئے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی ہیں اور ملا عبدالعلی بحرالعلوم بھی۔ دہلی کا مشہور علمی خاندان بھی ہے اور علماء فرنگی محل کا ممتاز خانوادہ بھی، مگر شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ سرخیل علماء ہیں لاریب کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے علوم میں وسعت جلوہ گر ہے لیکن خاکم بدہن جسے گہرائی کہئے تو اس کو تلاش کرتا ہوں۔

اور جب اکابر علم کا یہ حال ہے تو بدیگراں چہ رسد۔ میں جہاں تک جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں ہندوستانی علماء میں شاہ عبدالعزیز الدہلوی منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پورے خاندان میں تبحر، تعمق، وسعت و دقت نظری کی چند در چند خصوصیات سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ عوامی قبولیت معیار قبولیت نہیں البتہ اگر خواص کسی کے علم و فن سلوک و معرفت کو تسلیم کریں تو وہی معیاری قبولیت ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مشہور مورخ ابن خلدون نے لکھا کہ بخاری شریف کے حل کا حق امت ادا نہیں کر سکی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی طویل و عریض شرح عالم فتح الباری سامنے آئی تو ان کے ممتاز شاگرد سخاوی نے اعلان کیا کہ بخاری کا حق از جانب امت ہمارے شیخ نے ادا کر دیا۔ لاریب کہ ابن حجر کی حدیث میں دیدہ ریزی کے اعتراف کے باوصف فقہ میں وہ بلند و بالا رسائی نہیں رکھتے جو ان کے شایان شان تھی۔ حریف حنفیہ کو زک پہنچانے کی جد و جہد میں بعض چیزیں اپنے منصب سے فروتر بھی کر گئے تاہم ان کے کارنامہ کا اعتراف نہ کرنا خود اپنی جہالت و سفاہت کا اعلان ہے۔

بات دور جا پڑی کہنا تو یہ تھا کہ کلام اللہ پر لکھنے والوں نے ایک بڑا ذخیرہ تیار کر دیا اور غالباً کوئی گوشہ قرآنیات سے متعلق ایسا نہیں جس پر علمی دقائق و دستاویزات مہیا نہ ہوں مگر پھر بھی علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے (قرآن کے حل کرنے کا حق امت پر چڑھا ہوا ہے

کاش کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پوری ہو جاتی تو امت سے یہ حق ادا ہو جاتا)

مجھے خوب یاد ہے کہ کراچی میں ایک صبح ناشتہ کے دسترخوان پر مرحوم مولانا یوسف صاحب بنوری مجھ ہی سے فرما رہے تھے کہ ہندوستانی علماء میں شاہ عبدالعزیزؒ اس ممتاز حیثیت کے مالک ہیں کہ آنکھ بند کر کے اگر ان کی تقلید کی جائے تو آدمی مقصود تک پہنچ جائے گا۔ سطور بالا میں قبولیت کے معیار کی جس جانب اشارہ کر چکا ہوں اسے سامنے رکھ کر آپ سننے اور سمجھنے والے پر ہرگز یہ بدگمانی نہ کیجئے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی تعریف میں رطب اللسان یا قلم کی تیز گامیاں دکھا رہا ہے کھلی دعوت ہے کہ علوم انوری کا جتنا اور جس قدر ذخیرہ اس وقت فراہم ہے اسے دیکھ جائیے تو غلو و مبالغہ یا اطراء مادح کا شک و شبہ تک نہیں ہوگا۔ سینکڑوں طالب علموں کے مجمع میں اب بھی چند ایسے نکل آتے ہیں جو اپنے استاد کے علم کی گہرائی کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں۔ پھر آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ذی استعداد اور اہل سواد طلبہ درس گاہوں میں بکثرت پہنچ جاتے تھے۔ پنجاب اور پشاور سے آنے والے متون صرف و نحو کے حافظ فلسفہ و منطق میں حاذق اور مختلف و متنوع علوم کے حامل ہوتے تھے پھر ان میں ایک تعداد ان کی بھی ہوتی جو سالہا سال درس دے چکے ہوتے تھے۔ علمی غوامض پر ان کو اطلاع ہوتی اور ان کے دل و دماغ میں جو علمی اشکالات مسلسل چبھن کا باعث بن رہے تھے ان ہی کو حل کرنے کے لئے براہ راست علامہ کشمیری کی درسگاہ میں پہنچتے اس وقت دارالعلوم میں وہ اساتذہ بھی موجود تھے جن کی سحر بیانی کا ڈنکا ہندوستان کے اس کونے سے اس کونے تک تھا۔ یہ اپنی طلاقت سے معمولی بات کو رازی کا فلسفہ' غزالی کا نکتہ' ابن حجر کا دقیقہ' اور ابن ہمام کا شگوفہ بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے مگر خواص میں جس کے علم نے قبولیت کے تمغے حاصل کئے وہ صرف علامہ انور شاہ کشمیری تھے۔ حالانکہ کشمیر کا یہ فرد اردو کی نزاکت و لطافت سے ناواقف زبان و بیان میں رعنائی پیدا کرنے کے گر سے نا آشنا سحر البیانی کے کرشموں سے دور اور زبان زوری کے بوتے پر مخاطب کو مسحور کرنے کی شعبدہ بازی سے تہی تھا۔ پھر بھی نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا اس کا علم و فن روز بروز چمک رہا ہے۔ حالانکہ اس کے ساتھ غیروں نے نہیں اپنوں نے وہ معاملہ کیا کہ اس داستان کا ہر جزو تکلیف دہ و المناک ہے۔

اپنے اکابر سے مسلسل سنا ہے کہ دارالعلوم کے چند دور گزرے ہیں ایک وہ وقت تھا کہ در و دیوار سے ذکر کے انوار پھوٹ پڑتے تھے چپے چپے سے ہو حق کی صدائیں آتی تھیں اور تو اور یہاں کا دربان بھی اہل نسبت میں شمار ہوتا دوسرا وہ دور آیا کہ اس ازہر الہند کا حصار علمی چرچوں سے بھرپور تھا۔ طلبہ کی بے تکلف مجلس درحقیقت علمی مذاکرے ہوتے، محفلوں میں علمی دقائق حل کئے جاتے، تحقیقات علمی کی طلب کا ذوق ان کی غذا تھا۔ ابن تیمیہ، ابن حجر، عینی، ابن ہمام، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، ابن قیم، قاسم ابن قطلوبغا اور سینکڑوں علماء روزگار کے تذکرے نقل مجلس تھے۔

پھر انقلاب زمانہ یا بمطابق اصول ہر کمالے را زوالے، تیسرا دور آیا کہ اب دارالعلوم کے احاطے میں سیاسی ذہنیت کی پرورش، سیاسی جوڑ توڑ کی تعلیم اکھاڑ پچھاڑ کے درس اور انقلاب زندہ باد کے نعرے پوری قوت سے گونجنے لگے یہی زمانہ تھا کہ اکابر کی دستار فضیلت پر ہاتھ ڈالنے کا عمل شروع ہوا جس کا نقطۂ عروج مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صریح اہانت تھی اور اس "کار خیر" میں اسلام کے بڑے بڑے محسن بلکہ ایک بقلم خود عاجز لیکن قلب میں پچیس پہاڑ کی برابر کبر کی جہاد کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور بابا "فتح مکہ" کا عمل دہرا کر ہی دم لیا اور یہ سمجھا کر گتھی جب کھل جاتی ہے تو پھر اسے بند کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

وہ تو خدا کا شکر ہے کہ حضرت فخر الدین مراد آبادی کی وجہ دارالعلوم دیوبند میں آگئے اور اس شان سے آئے کہ ان کے درس میں علوم انوری کے سکے ڈھلتے، دل و دماغ حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیری کے علوم کا معدن تھے۔ انہوں نے دارالحدیث میں بیٹھ کر صور اسرافیل کے انداز میں علوم انوری کا چرچا کیا تو کشمیری کی یہ مظلوم شخصیت ایک معصوم آرٹ کی حیثیت سے صندوقوں کی متون ستی کے پیچھے سے نکل کر پھر منظر عام پر آئی۔ ادھر پاکستان وجود میں آیا تو مرحوم کے با اختصاص تلامذہ مدارس کھول کر بیٹھے۔ لاہور میں مولانا محمد حسن امرتسری و شارح مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالحق ملتانی وغیرہ وہ نمایاں شخصیتیں تھیں جنھوں نے پاکستان کے ذرہ ذرہ کو علوم انوری سے جگمگ کر دیا۔

بنگلہ دیش میں مولانا اطہر علی، مولانا مفتی فیض الفضل، برما میں مولانا عبدالوہاب، مولانا تاج الاسلام اور خدا جانے کتنے معروف و غیر معروف رجال علم نے کمالات انوری کو زندہ و پائندہ بنا دیا۔

یہ بھیانک ظلم جو کشمیر کے ایک نامور فرد کے ساتھ روا رکھا گیا باوجودیکہ تقریباً چالیس سال سے میرا سینہ اس ظلم وعدوان کی تفصیل کا سربستہ راز ہے اب کہ قلم مقدمہ ملفوظات انور کے لئے اٹھا تو بے اختیار خوں چکاں داستان کے کچھ اجزاء قلم پر آ گئے جو قارئین کے سامنے اس معذرت کے ساتھ پیش ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عرب وعجم جس نے ایک زبان ہو کر انور شاہ کی علمی رفعت وخصوصیت کو تسلیم کیا اسے علمی حلقہ بہت سی زبانوں اور بہت سے قلموں سے سن چکا اور خود یہ راقم الحروف بھی ”نقش دوام“ سوانح کشمیری میں جستہ جستہ پیش کر چکا۔

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کے ساتھ ہندوستان کے نامی گرامی اس بالغ النظر انشاپرداز کا شذرہ بھی شریک کر دوں جو اس نے علامہ کشمیری کی وفات پر قلم سے نہیں بلکہ چشم گریاں وقلب بریاں کے ساتھ لکھا تھا۔ یہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریر ہے جو انہوں نے علامہ کی وفات پر اپنے مشہور عالم جریدہ ”سچ“ میں شائع کی۔ نقش دوام کا ایک طویل پیراگراف مرحوم کشمیری کی سیاسی زندگی سے بھی متعلق تھا۔ مغربی اضلاع کا ایک ادارہ جسے دیوبند اور اکابر دیوبند سے خدا واسطے کا بیر ہے اس سے متعلق مبصر نے تبصرہ لکھتے ہوئے یہ بھی لکھ مارا کہ مؤلف اپنے باپ کو ہر ہی شعبہ میں با اختصاص دکھانے کی خبط میں کیوں مبتلا ہو گئے۔ بطور جواب آں غزل عرض ہے کہ پشاور کے خطبہ صدارت میں علامہ مرحوم نے جس سیاسی سوجھ بوجھ کی گل کاریاں کیں اس پر ایک طویل نوٹ خود ان ہی مولانا دریابادی کے قلم سے اسی ”سچ“ میں نکلا ہے جس میں انہوں نے اعتراف کیا کہ ایک بوریا نشیں عالم سے اس بلند و بالا سیاسی فراست کا گمان تک نہیں تھا یہ وثیقہ بھی میرے پاس موجود ہے مناسب وقت اس کی طباعت کے انتظار میں ہے اور یہ اس لئے کہ مذکورہ بالا ادارہ اور اس سے وابستہ حلقہ میں مولانا دریابادی کی بالغ النظری تقریباً تسلیم ہے۔ شاید اس کو دیکھ کر اور پڑھ کر وہ خود کو اعتراف پر مجبور پائیں۔

بہرحال بات لمبی ہوتی جاتی ہے کہنا یہ ہے کہ اس کا کون اور کب انکار کر سکتا ہے کہ علت و معلول سبب ومسبب کی اس لمبی چوڑی کائنات میں خود مسبب الاسباب نے ہر چیز کو وابستہ

اسباب کر دیا۔ مقبولیت، محبوبیت یا شہرت خدائے قادر و توانا کی جانب سے ہے مگر دنیا کے ظاہری اسباب بھی بہرحال ہوتے ہیں ہر صاحب فن کے ایک عروج و کمال کا دور ہوتا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کے ساتھ فن بھی زمین دوز ہو جاتا ہے۔ میری عمر ہی کیا ہے۔ سہل الحصول کا اتنا کوئی تجربہ نہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں عصر حاضر کو سامنے رکھ کر دیکھنے والوں نے بار بار دیکھا کہ نامور اساتذہ و مشائخ کے ساتھ ان کی مسندیں بھی الٹ گئیں اور ان کے حلقوں کی ایک ایک کڑی بکھر گئی مگر جسے علم و فن کہئے یا جامعیت و عبقریت نام رکھئے صدیوں کے الٹ پھیر کے باوجود وہ کہنگی سے؟ مثلاً جن حضرتوں کے سینوں میں مولانا تھانوی کے مٹانے کی آرزوئیں نہ صرف پرورش بلکہ عملی شکلیں اختیار کر رہی ہیں مگر آئے دن دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ اقطار ہند و پاک میں مرحوم کی تصانیف نئے انداز سے بھی آتی ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کام لے کر خریدنے والے، پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے پیدا کئے چلے جا رہا ہے۔ بات کو اگر سمیٹا جائے تو تصنیف و تالیف مآثر علمیہ ورثے ہوتے ہیں تلامذہ کا طویل سلسلہ بظاہر اپنے اساتذہ کی یاد اور ان کے فکر و نظر سے ماحول کو لبریز رکھتا ہے آج تو مدارس کا سب سے بڑا افتخار یہ ہے کہ شرکاء حدیث بلحاظ تعداد [illegible] ہیں ہر چھوٹی بڑی درسگاہ درس حدیث کا آغاز اپنے ہاں فخریہ کرواتی ہے لیکن کتنے انور شاہ، کتنے شبیر احمد عثمانی، کتنے حضرت مدنی، کتنے فخر الدین اور کتنے سید حسین تحدق پیدا ہو رہے ہیں۔

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہر کوئی دیکھتا رہ جائے گا اور چپ درست ہے۔ صرف یہی یاس کن جواب ممکن ہوگا۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

دار العلوم کا وہ عہد زریں جسے زریں بنانے والی شخصیتوں کو بطور خمول و گمنامی کے دشت بے کراں میں پھینک آنے کی سعی ہے۔ اس وقت علامہ کشمیری کے تحریری سرمایہ میں دروس حدیث میں خاتم سے مقرر سے مزید وہ تعداد نہیں تھی مگر اس دار الضرب سے تیار ہونے والا ہر سکہ رائج الوقت تھا نظر بانصاف شرط ہے۔ ہندوستان و پاکستان، بنگلہ دیش کے علمی حجروں کا اچھی بھلی تعداد بھی نظر نواز ہے جائزہ لیجئے تو تمام علمی مراتب تصنیفی ارتقاء کا دار و مدار حضرت

شاہکار اور فن کے شاہسوار مرحوم کشمیری ہی کے دامن علم و فضل سے وابستہ اشخاص و رجال نظر آئیں گے کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ آسمان کا تھوکا اپنے ہی منہ پر گرتا ہے۔

سطور بالا میں پیش کردہ حقیقت کے منکر اپنی ہی سفاہت کا اعلان کر رہے ہیں۔ چند سال سے مسلسل درس بخاری کی سعادت حاصل ہے۔ اس عظیم کتاب سے متعلق اردو عربی میں جو شروحات چلی آرہی ہیں وہ کشمیری کے اس دانشکدہ کا پس خوردہ ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ پاکستان سے ایک شرح بخاری دو جلدوں میں آئی۔ علامہ کشمیری کے علوم کو ان کا نام لئے بغیر بکثرت نقل کر دیا گیا۔

علامہ مرحوم کی تقریر ترمذی العرف الشذی حالانکہ ایک طالب علم کی ضبط کی ہوئی تھی۔ اسی کے مطالعہ سے نامی گرامی درس گاہوں کے محدثین ہنگامۂ درس و تدریس گرم کئے ہوئے تھے اور ساتھ ہی کشمیری کے نام و کام کو بے وقار بنانے کی مکروہ کوشش بھی جاری تھی۔ خود کشمیری اس صورت حال پر فرمایا کرتے تھے الشعیر یوکل ویذم۔

کہاں تک سنائیں ان مظالم کی آپ کو داستان بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا البتہ کبھی کبھی صبر و ضبط کی تمام کوششوں کے باوجود کچھ اشک خونیں قلم و قرطاس پر بے اختیار آ جاتے ہیں مخصوص تلامذہ کے بعد خود علامہ کے قلم سے نکلی ہوئی تصانیف اور آپ کی درسی تقریروں کے مجموعے آپ کے علم و فن کو پائندگی دے رہے ہیں اور ان ہی کو دیکھ کر آج کا علمی طبقہ علامہ مرحوم کی علمی غزارت کو تسلیم کر رہا ہے۔ عرب کے وہی معتاد اشخاص جو کسی عجمی کے کمالات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ انہوں نے پوری کشادہ دلی سے مرحوم کی انفرادیت کا اعتراف کیا قصہ تو طویل ہے لیکن ذرا اسے دیکھئے کہ تاثرات کی کڑیاں کس طرح ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی جو بذات خود دائرۃ المعارف تھے۔ فرماتے ہیں کہ آخری پانچ صدیوں کا تمام علم یکجا کر دیا جائے تو انور شاہ کے علم کی زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی۔ یہی بات ایک دوسرے اسلوب میں شہرۂ آفاق شخصیت علامہ کوثری کی زبان سے یوں ادا ہوئی (کہ حافظ ابن ہمام کے بعد ایسی دیدہ ور اور احادیث کے ذخیرہ سے نادر استنباط کرنے والی شخصیت پھر نہ آئی) حکیم مشرق شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال نے فرمایا کہ اسلام کی آخری پانچ صدیاں مولانا انور شاہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

اعتراف اور تسلیم کے اس حسین و دلکش ہار کو جسے قدیم و جدید دونوں حلقوں کے چابکدستوں نے تیار کیا۔ ذرا توجہ سے دیکھئے اور پڑھئے کہ اس طرح کی سعادت خال خال ہی کسی ہمہ دان روزگار و نابغۂ عالم کے حصہ میں آئی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مرحوم علامہ کشمیری اپنے بے پناہ علوم کے اعتبار سے آخری صدیوں میں آیتہ من آیات اللہ تھے۔ اسلامی علوم و فنون میں کوئی ایسا فن نہ تھا جس میں وہ اپنی ذاتی رائے نہ رکھتے ہوں خود فرماتے "میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں بجز فقہ کے کہ ابو حنیفہ کی تقلید محض کرتا ہوں۔

"قرآن، حدیث اور اسلامی علوم کا بالغ النظری سے انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔ قرآن کریم پر بھرپور نظر تھی۔ اعجاز قرآن کا مسئلہ جو آج تک زیر بحث چلا آ رہا ہے فرماتے کہ "یہ مسئلہ میرے لئے سورج کی طرح روشن و منور ہے" اور درس حدیث میں اس کا اہتمام کرتے کہ احادیث کا ماخذ قرآن کی آیات سے طلبہ کے سامنے کھول دیں۔ مختلف الاحادیث میں تطبیق کی ایسی دلآویز شکل پیدا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مطابقت لئے ہوئے دکھائی دیتے خاص ان کا دستور یہ تھا کہ قرآن و حدیث کے تمام بیانات کو سامنے رکھ کر پھر کسی مسئلہ کی تنقیح فرماتے۔ ان کے مآثر علمیہ میں سینکڑوں اس کے نظائر موجود ہیں کہ آئمہ اربعہ کے درمیان خلافیات میں مسئلہ کی وہ تقریر کی کہ چاروں فقہاء اپنے افکار و نظریات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب نظر آئے۔ فقہی اختلافات میں اختلاف فقہاء کی خلیج کو پاٹنے کی جدوجہد ہمیشہ سے تھی اس لئے ائمہ ثلثہ سے نظریاتی اختلاف ہوتا تو وہ حنفی مکتب فکر سے کسی ایسے حنفی عالم کی رائے لے لیتے جو باقی فقہاء کے اقوال سے اتحاد و اتفاق کی راہیں نکالتی۔

تیرہ سو صدی کے تمام محدثین و علماء کی خصوصیات پر ان کی نظر تھی۔ ہر دانشور کے حق تفوق کو تسلیم کرتے۔ ساتھ ہی اس کی خامی کی بھی نشاندہی کرتے۔ ابن تیمیہ کی ذکاوت و ذہانت، تبحر و تعمق کو تسلیم کرتے ہوئے عربیت میں ان کی خامی، منطق و معقول میں عدم حذاقت اور مزاجی بے اعتدالی کی نشاندہی فرماتے۔ محی الدین ابن عربی کو بے پناہ تسلیم کرنے کے ساتھ ان کے تفردات پر نکتہ چینی سے گریز نہ تھا۔ حنفیت میں استحکام کے باوجود دوسرے ائمہ

رجالِ علم کے کمالات کو تسلیم کرنے میں فراخ حوصلہ تھے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کو معمولاً رئیس الائمہ کہا فرماتے۔ داؤد ظاہری کو ائمہ امت میں بتاتے۔ ابن حجر عسقلانی کے لئے جبل العلم حافظ الدین والدنیا کا وقیع لقب ان ہی کی درس گاہ میں گونجا۔ ابن عبدالبر مالکی کے اعتدال کی تعریف ہوتی۔ ابن حزم اندلسی کی حدتِ مزاج و تیزیٔ قلم کا راز بتاتے۔ فخر المفسرین امام رازی باوجودیکہ شافعی المسلک ہیں مگر تفسیر ان کے قلم سے وہ نکلی کہ مولانا روم ایسی شخصیت کو بھی اقرار کرنا پڑا۔

گر بہ استدلال کار دیں بُدے   فخر رازی راز دار دیں بُدے

لیکن

پائے استدلالیاں چوبیں بود   پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

فخر رازی کے اسی جلیل و عظیم کارنامے پر کسی نے پھبتی کستے ہوئے کہا (کل شیء فیہ الا التفسیر) اس مقولہ کو درس گاہ میں نقل کرتے تو پوری تردید و دفاع فخر الرازی میں فرماتے کہ (یہ ان کا مقولہ ہے جو قرآن کے لطائف و لطافت سے واقف نہیں) ہاں ہندوستانی علماء میں پتے کی بات یہ ہے کہ مرحوم مجھے کسی سے متاثر نظر نہیں آتے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے بہت سے قلمی سہووں پر انہوں نے مطلع کیا۔ عبدالعلی بحر العلوم کی بعض تحقیقات سے اختلاف کیا۔ شاہ ولی اللہ کے اقوال سے حنفی کے دو چار مسئلوں میں تائید کی۔ ابن نجیم مصری کے بعد متاخرین میں حضرت گنگوہی کو فقیہ النفس فرماتے مگر ان کے علمی ذوق میں حضرت گنگوہی کی رائے بھی بحیثیت مؤید خال خال ہے۔ انہوں نے بعض وہ احادیث ذخیرۂ احادیث سے ڈھونڈ نکالیں جو بدر عینی ابن ہمام اور زیلعی کے ہاتھ نہیں لگی تھیں۔

قصہ مختصر آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، مجلس عام و خاص، درس و تدریس، وعظ و تقریر ہر ایک میں کتب خانۂ علم کھلتا۔ اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی علمی سوال نہ کرتا تو فرماتے "بھائی کچھ پوچھو کیا قبرستان میں بیٹھا ہوں"۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ دارالعلوم میں وہ انقلاب آیا جس کی تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں

مجموعۂ رجال کا، رجالِ علم کا قافلہ دیوبند سے ڈابھیل جا پہنچا۔ اس کاروانِ علم کے قافلہ سالار مولانا انور شاہ کشمیری تھے۔ اب ڈابھیل کی پرسکون فضا میں علمی مجلس آراستہ ہوئیں اسی زمانہ کے یہ ملفوظات نذرِ قارئین ہیں جن کی قدر و قیمت مطالعہ سے معلوم ہوگی۔

مرتب جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ہیں جو حضرت مرحوم کے داماد بھی ہیں۔ بجنور کے سادات خاندان میں مراد آباد سے منتقل ہو کر قدم رنجہ کرنے والا یہ ہونہار ضلع بجنور و مراد آباد کے بعض مدارس میں علم کی تلاش میں سرگردانی کے بعد دیوبند پہنچا۔ دارالعلوم کا یہ وہ دور تھا جس کے تاباں و تابناک ہونے پر خود چشمِ فلک بھی مبتلائے حیرت تھی۔ فنون میں اساسی شخصیتوں کے ساتھ اہلِ دل وارثِ اللہ کا اجتماع بھی تھا۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن "نقشبندیت" کا علم اٹھائے ہوئے اتباعِ سنت کا درس اور جلاءِ باطن کے سبق دے رہے تھے۔ یہ وہ بخت کہیے یا اس طالب علم کی طلب صادق کہ مفتی صاحب ایسے معصوم ولی اللہ کی معیت و رفاقت کی سعادت دامن میں آپڑی۔ اسی رفاقت نے فکر کو مستقیم عقائد کو استوار اور اعمال کی تطہیر، و درست زاویہ نظر کی دولت بخشی۔ یہی وقت تھا کہ علامہ عثمانی علیہ الرحمہ کی درس گاہ دانش و بینش کی تقسیم کر رہی تھی۔ مولانا رسول خاں صاحب مرحوم فلسفہ و منطق کے جھنڈے بلند کر رہے تھے۔ علامہ ابراہیم صاحب کلامیات میں نعرۂ انا ولا غیری لگاتے۔ حضرت مولانا اعزاز علی فقہ و ادب میں انفرادیت کا اعلان کرتے۔ مولانا مفتی محمد شفیع المغفور ریاضیات کے سربستہ راز کھولتے مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے درس میں کلام اللہ کے اسرار سے نقاب کشائی ہوتی اور علامہ کشمیری کا فیضانِ علم تموج پذیر تھا۔ مولانا سید احمد رضا صاحب کو علم و عمل کے ان سمندروں سے سیرابی کی سعادت میسر آئی۔ کسب و اکتساب اور اخذ و فیوض کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ دارالعلوم کے منارۂ فخر و امتیاز کا عکس ٹوٹ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی زینتوں کا باعث بن گیا۔ دارالعلوم کی اس محرومی اور جامعہ ڈابھیل کی خوش نصیبی پر دیدہ ور یہ کہتے۔

غمی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن　　کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

اس طرح مرتب ملفوظات کو علامہ کشمیری کا دارالعلوم اور علامہ کشمیری کے بعد کا دارالعلوم دونوں کو دیکھنے کا موقع ملا اور آج ان کا شمار ان مبصرین میں ہے۔ جو پوری بصیرت و

بصارت دیدہ وری و دیدہ ریزی کے ساتھ دارالعلوم کے ماضی وحال پر تلا تلا تبصرہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ فراغت کے بعد مطالعہ مذاہب اور علوم جدیدہ کا ذائقہ چکھنے کے لئے کرتال میں کچھ وقت گزرا اور پھر مولانا بشیر احمد بھٹہ مرحوم کی کوششوں سے ڈابھیل جا پہنچے اس طرح استفادہ کا وہ سلسلہ جو علامہ کشمیری سے ٹوٹ گیا تھا۔ قدرت کی چارہ سازیوں سے پھر استوار ہوگیا مرحوم کشمیری کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ ''ہمیں کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا'' مقدمہ بہاولپور سے جب وہ لوٹے تو قادنیت کے تابوت کو زیر زمیں کرنے سے زیادہ انہیں اس پر مسرت تھی کہ بہاولپور کی عدالت عالیہ کا جج میری بات سمجھتا ہے'' ایسی دیدہ ور شخصیت کی نظر میں کسی کی وقعت بڑی سند اور بڑا امتیاز ہے مولانا احمد رضا صاحب کی رفاقت پر علامہ فرماتے کہ ''یہ صاحب اگر پہلے سے ہم کو میسر آجاتے تو بڑا کام ہوجاتا'' شب و روز کی یکجائی چند ہی سال تھی مگر بعض روشن باطن مسترشدین نے مرشد کامل سے چند ساعتی صحبت میں تجلیہ باطن کی سند لے لی تو پھر اس میں استعجاب کیا کہ ایک طالب علم چند سالوں میں اپنے جیب و دامن کو ایک بحر العلوم کی صحبت سے علم کے زریں سکوں سے لبریز کرے۔

علامہ کشمیری کے مسودات کو پڑھنا اور ان کی تبییض' کار مشکل تھا اہل سواد اور ذی استعداد عالم و فاضل ہی اس مہم کو انجام دے سکتے تھے۔ ممدوح مرتب نے اس سنگلاخ کو اس خوبی سے طے کیا کہ بہت جلد علامہ کی نظر میں اعتماد حاصل کرلیا۔ جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے ساتھ ''مجلس علمی'' کا انصرام و انتظام مولانا احمد رضا صاحب سے ہی متعلق رہا۔ ان کی ہی جدوجہد سے اس ادارہ نے قلیل عرصہ میں ہندوستان کے علمی اداروں میں اپنا مقام بنالیا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور علامہ کشمیریؒ وغیرہ کی تالیفات و تصانیف منظر عام پر آئیں جناب مرتب ہی کی سعی وکاوش سے بخاری شریف کی املائی تقریر مولانا بدر عالم صاحب نے ترتیب دی مولانا محمد یوسف بنوری جیسا جوہر قابل اس دائرۃ المعارف سے وابستہ ہوا خود مولانا نے علامہ کشمیری مرحوم کی مشکلات قرآن کی تخریج کی اسی دور میں ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن پر علمی تعاقب کئے اور مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار میں جو جھول نظر آئے اس سے علمی حلقوں کو باخبر رکھا۔

مگر افسوس کہ مجلس علمی جیسا پر وقار ادارہ ناقدر شناس افراد کے ہاتھوں پہنچ کر اپنا امتیاز کھو

بیٹھا اور اب پاکستان میں ایک عجائب خانہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ڈابھیل سے اٹھے اور کچھ عرصے کے بعد دارالعلوم سے متعلق ہوئے یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے مآثر علمیہ کی تسہیل کا اہم کام شروع کیا۔ حفید نانوتوی مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے اس تسہیل کو دیکھ کر آپ کا فوراً تقرر کر لیا لیکن اب دارالعلوم ذی علم افراد کو قبول کرنے کے بجائے انہیں دور پھینکنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ اس افسوسناک صورت حال نے مولانا کو دل برداشتہ کر دیا اور "عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" کے اصول کے مطابق قدرت نے انہیں ایک اور اہم ترین علمی کام میں مشغول کر دیا یہ جلیل کارنامہ حضرت شاہ صاحب کی درس بخاری کی تقاریر ہیں جو مولانا ممدوح نے سالہا سال ان کی درسگاہ میں بیٹھ کر جمع کیں اب وہ ان ہی کو لباس اردو ترتیب دے رہے ہیں۔ شروحات بخاری کی کمی نہیں۔ عربی فارسی اردو ہر ایک زبان میں اس عظیم کتاب سے متعلق تشریح و تسہیل کا ذخیرہ موجود ہے لیکن "انوار الباری" منفرد حیثیت رکھتی ہے اس میں حدیث کی بھرپور تشریح کے ساتھ اکابر علم کے چھنے چھنائے اقوال کتاب کی زینت ہیں علامہ کشمیری کے بلند پایہ علوم سے یہ شرح مزین ہے اور بیشتر ان ہی کے لب و لہجہ میں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت حنفیت کی بنیادوں کا استحکام، دفاع عن ابی حنیفہ، رجال احناف پر روا مظالم کی تردید، امام بخاری علیہ الرحمہ کی حنفیہ سے بدگمانیوں کا ازالہ، حافظ ابن حجر کی زیادتیوں کا تعاقب، چاروں فقہوں میں حنفیت کی ترجیح، قدیم علوم کے دوش بدوش جدید معلومات کا اضافہ اور رائج الوقت غلط افکار و نظریات پر مستقل تبصرہ ہے۔ تقریباً بیس کے قریب اقساط منظر عام پر آکر قدر شناس علماء کی تحسین کا انبار اپنی پشت پر رکھتی ہیں بہت بڑا کام ہے جو مولانا انجام دے رہے ہیں دعا ہے کہ قادر و توانا اس عظیم شاہکار کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن علامہ مرحوم کا ابھی ایک اہم قرض ان کے تلامذہ پر باقی ہے وہ ہے "آثار السنن"

مولانا شوق نیموی کی اس معرکۃ الآراء تالیف پر علامہ نے مسلسل حاشیہ لکھا۔ یہ حواشی علوم انوری کا گنج گراں مایہ، سینکڑوں کتابوں کا عطر، بلند پایہ تحقیقات کا ذخیرہ اور حنفیت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے بے نظیر خزانہ ہے۔ غم خانہ انوری کے قرابہ کش ایک ایک

کرتے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہے ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ان مستیوں اور سرخوشیوں میں تشنگی کے چندے ساتھ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مقدمہ نگار بار بار ان سے اور دوسرے تلامذہ سے عرض کرتا رہا کہ امالی ترمذی کی اشاعت کی بھی فکر کریں لیکن

کس ندید آں روشنی آمد سواراں را چہ شد

ہمارے مولانا جہاں گشت بھی تھے، سعودی عرب، قاہرہ، استنبول، افریقہ، ہند و پاکستان کے اسفار برابر ہوتے رہے۔ ایک زمانہ میں ان کی صحت نوجوانوں کے لئے موجب رشک تھی مگر اب بھی پیرانہ سالی اور پیہم عوارض و غم کے باوجود ان کی چلت پھرت، کام کی دھن، مصروفیات کا تسلسل ہم ایسے ناتوانوں کے لئے مہمیز ہے۔ علامہ مرحوم کے ان ملفوظات کو ان سے ترتیب دلانے میں قسام ازل نے مجھے بھی حصہ دینا چاہا، سو الحمد للہ معارف انوری کا ایک اور رخ زیبا سامنے ہے، میں تو یقین رکھتا ہوں کہ یہ بلند پایہ ملفوظات اہل علم کے لئے فانوس اور دانشوروں کے لئے شمع فروزاں ثابت ہوں گے۔ والامر بید اللہ۔

نازیبا ہوگا کہ میں ان محسنین کا شکریہ ادا کرنے سے غفلت برتوں جنہوں نے اس تحفہ علم و فن کو منظر عام پر لانے میں مجھے وہ تعاون دیا جس پر وہ احسن الجزاء کے طالب ہیں اور جس میں بھی شہرت پسندی سے گریز کرنے والے ان مخلصین کی فہرست اپنے نہاں خانۂ دل کی امانت گردانتے ہوئے طول نگاری و قدرے بے نوائی کی مکرر معذرت کے ساتھ طالب رخصت ہوں۔

والاحقر الاواہ محمد انظر شاہ المسعودی
رکن ہیئت تدریس دارالعلوم وقف
یوم الاثنین ۲۳/۵/۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الحی القیوم، حمدا یبقی ببقائه ویدوم، من
ازل الازل الی ابد الابد، والصلوۃ والسلام والتحیات
المبارکة علی جملة رسله وانبیائه، وسیما خیر خلقه و
خیرۃ انبیائه محمد و آله و اصحابه بدون حد وعد،

اما بعد: ''میں اپنی زندگی کے ان گراں قدر لمحات پر جس قدر بھی فخر کروں بجا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گزرے اور ان میں حضرت سے اکثر اوقات استفادہ کے مواقع میسر آئے''۔

یوں تو دار العلوم دیوبند پہنچنے کے بعد ابتدا ہی سے حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کے تعلق کی بناء پر حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے آخری سال (جو اسٹرائک وہنگاموں کا سال تھا) چند ماہ درس حدیث میں بھی باقاعدہ شرکت کا شرف حاصل ہوا اور اب تک شرح صدر کی وہ کیفیت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں جو حضرتؒ نے ترمذی کے درس کے وقت مہمات مسائل پر اپنے کافی وشافی بیانات سے منتقل کی تھی۔ یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ چند بار دار الحدیث سے اپنے اوپر کے کمرے میں تشریف لے جاتے ہوئے حضرتؒ کے ہمراہ ہو گیا اور راستہ میں بھی کچھ پوچھتا گیا اور حضرتؒ نے شفقت سے جواب دے کر تشفی فرمائی۔

چند ماہ کے بعد حضرتؒ نے دار العلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ اور احقر نے اپنی چند مجبوریوں کے پیش نظر حضرت سے استصواب کے بعد دو سال دورۂ حدیث کا دیوبند رہ کر ہی پورا کیا۔ فراغت کے بعد احقر تبلیغ کالج کرنال جا کر تین سال سے کچھ زائد فن ادب مطالعہ دیگر مذاہب تبلیغی ضرورت کے لیے مشق تحریر وتقریر اور تحصیل زبان انگریزی میں مشغول رہا۔

اس عرصہ میں بھی حضرتؒ سے استفادہ کرتا رہا اور وہاں سے فراغت کے بعد مولانا

مشیت اللہ صاحب مرحوم اور مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم کے ایماء پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہنچا۔ وہاں محترم مولانا محمد میاں صاحب سملکی (افریقی) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں "مجلس علمی" قائم کی۔ جس سے اکابر امت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کے نادر علمی خزینوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس تقریب سے کئی سال تک حضرتؒ سے ہر وقت قرب، حضوری و استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ بخاری شریف کے درس میں دو سال حاضر رہ کر حضرتؒ کی ذاتی تحقیق درس کے قلمبند کرنے کا التزام کیا اور مجلس میں حاضری کے وقت آپ کے ملفوظات جو بڑی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ ہوتے تھے لکھ لیا کرتا تھا۔ کچھ مواعظ بھی قلمبند کئے۔ ملفوظات و مواعظ محفوظ کرنے کا مجھے اس زمانہ میں اتنا شغف تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ملفوظات و مواعظ بھی کچھ عرصہ تک لکھتا رہا اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات متعدد کتابوں اور رسالوں سے منتخب کر کے ایک الگ یادداشت بنائی تھی کہ کسی وقت ان ہر سہ اکابر کے مخصوص علمی ملفوظات مرتب کر کے یکجا شائع کئے جائیں۔

مجلس علمی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یہ بات خاص طور پر میں نے محسوس کی کہ اساتذہ جامعہ میں سے کم و کیف دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ علمی استفادہ حضرت شاہ صاحبؒ سے حضرت مولانا عثمانیؒ نے کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو رجال کی مدح و توصیف میں انتہائی محتاط تھے ایک بار مولانا مفتی محمد احمد صاحب نانوتوی دام ظلہ سے فرمایا۔

"تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ مولانا شبیر احمد صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہوگئی ہے۔"

اس مختصر جملہ سے اندازہ لگایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کا مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ حضرت مولانا عثمانیؒ جیسی جامع معقول و منقول شخصیت کے لئے یہ الفاظ فرمانا جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے اور کتاب الایمان کی درسی تقاریر میں تو ان کی غیر معمولی شہرت تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ ڈابھیل جا کر انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم کے دقائق و مشکلات میں رجوع فرما کر صحیح معنی میں اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اسی لئے حضرت عثمانیؒ کے علم و فضل میں

ڈابھیل جا کر بہ نسبت دیوبند کے زمین و آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔

اس حقیقت کا اعتراف خود حضرت عثمانیؒ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خبر وفات جب جامعۂ ڈابھیل میں پہنچی اور جلسۂ تعزیت دارالحدیث میں منعقد ہوا تو مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ طلبہ اساتذہ اور اہل قصبہ کا پورا مجمع حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر گریہ و بکا میں مصروف تھا اور خود حضرت عثمانیؒ نے جب تقریر شروع فرمائی تو وہ بھی تحمل نہ فرما سکے اور فرط گریہ سے تھوڑی دیر کے لئے رک کے تقریر بند کرنی پڑی۔ پھر انہوں نے طلبہ کو خطاب فرمایا کہ:

"حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے تم لوگ یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم جیسے پڑھانے والے یتیم ہو گئے ہیں کیونکہ تمہارے لئے تو خدا کے فضل سے ہم بھی کافی ہیں مگر جس سے ہم پڑھانے والے پڑھتے تھے وہ شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے"۔ پھر فرمایا کہ ہم لوگوں کی نظر بہت وسیع ہوگی تو صرف مسائل و جزئیات کا احاطہ کرے گی اور حضرت شاہ صاحبؒ مسائل کی ارواح و حقائق سے باخبر تھے۔ اس لئے ہم اتنی بڑی عظیم الشان نعمت سے محروم ہو گئے ہیں"۔ وغیرہ ذالک

نفحۃ العنبر اور حیات انور میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خصوصیات علم و فضل اور کمالات و مناقب پر اچھا خاصہ ذخیرہ پیش ہو چکا ہے۔ مگر جن آنکھوں نے ان کو قریب سے دیکھا وہ شاید حضرتؒ کے علم و عمل کا سراپا الفاظ کی شکل میں پیش کرنے سے عاجز رہیں گے۔ البتہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔

وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ڈابھیل تشریف لائے تو طلبہ نے ان سے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ مناقب بیان کیجئے تو بے ساختہ فرمایا کہ "بھائی میں تو اتنا جانتا ہوں کہ صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے۔"

شاہ صاحب کے اس جملہ کی داد دینا بہت دشوار ہے کہ اس مختصر جملہ میں انہوں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو بڑی بڑی تقریروں اور مضامین سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا "کان خلقہ القرآن"۔ اس سے بہتر اور مختصر جامع اور بلیغ جواب نہیں ہو سکتا۔

علمی خصوصیات

مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی خصوصیت کا ایک خاکہ جو میرے ذہن میں ہے اس کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ عربی زبان کی تمام مطبوعہ وقلمی کتابیں جو بھی مل سکیں ان کا ایک بار مطالعہ ضرور فرمالیتے تھے۔ ہندوستان کے کتب خانوں کے علاوہ زیارت حرمین کے موقع پر وہاں کے کتب خانوں سے پورا استفادہ کیا۔ اور اس قدر مطالعہ فرماچکے تھے کہ ایک بار زمانہ قیام ڈابھیل میں فرمایا کہ "جب کوئی نئی کتاب مصر سے چھپ کر آتی ہے تو اس کو میں بڑے اشتیاق سے از اول تا آخر دیکھتا ہوں اور بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی کئی جلدوں کی کتابوں میں بھی کوئی نئی بات (جو پہلے سے مطالعہ میں نہ آئی ہو) نہیں ملتی۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کسی کتاب کا مطالعہ بھی سرسری نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ نہایت غائر نظر سے پورے انہماک کے ساتھ کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کے ارشادات میں بھی بڑی گہرائی اور تحقیق وتدقیق کے آثار جھلکتے تھے۔ کتب سیر میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں اس طرح کے الفاظ منقول ہیں کان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ابرالناس قلبا واعمقهم علما واقلهم تكلفا" یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب نیکیوں پر مجبول تھے کہ بھلائی ونیکی کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنا ان کے قلوب پر انتہائی شاق ہوتا تھا اور ان کے علوم میں گہرائی تھی کہ اس سے زیادہ تحقیق وتدقیق کی حد تک ممکن نہیں۔ نیز وہ اپنی سادہ فطرتوں سے تکلف وبناوٹ کو بہت دور رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ اوصاف پوری طرح موجود تھے۔

یوں خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اکابر دیوبند سب ہی اپنے اپنے وقت میں علم وعمل تقدس ومناقب کے اعتبار سے آفتاب وماہتاب ہوئے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت تھانویؒ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ وغیرہ کے علمی وعملی کمالات قریبی دور میں ہمارے مشاہدہ سے گزرے ہیں اور الحمد للہ ان کے بعد موجودہ دور کے ارباب فضل وکمال بھی علوم نبوت کے افادہ وافاضہ کی گراں قدر خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔" کثر اللہ امثالہم وما ذلک علی اللہ بعزیز

میں تو یہاں عنوان مضمون کی مناسبت سے صرف حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر کر رہا تھا جو بقول مولانا محمد میاں صاحب سملکی افریقیؒ مجھ پر قرض بھی ہے اور ان کا حکم تھا کہ مجھے جو کچھ معلومات حضرتؒ کے بارے میں حاصل ہیں ان کو جس طرح بھی ہو اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے ضبط تحریر کروں۔

حضرت مولانا عثمانیؒ کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کی شان واضح ہو چکی ہے اس کے علاوہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی ایک تحقیق ہے کہ علم سمع بصر وغیرہ وہ ملکات ہیں جو حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص انداز سے مرحمت فرمائے ہیں۔ اور علمی کاوشوں سے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے جو کچھ اضافہ ہوتا ہے وہ اس کی معلومات، مسموعات اور مبصرات میں ہوتا ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم وعلمہ اتم) کہ علوم وفنون کے سمندروں کی گہرائیوں میں اتر کر گرانقدر علمی جواہرات وموتیوں کو نکالنا ہر عالم کی دسترس سے باہر ہے اور اس قسم کا علم جو اخص الخصوص موہبت الٰہیہ ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہؓ کو اور پھر خال خال اکابر امت کو عطا ہوا ہے۔

اپنا تاثر حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرتؒ کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ اسی خاص قسم علم سے نوازے گئے تھے۔ حضرتؒ نے اپنی تالیف "آب حیات" میں جو آیت " النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم کی تفسیر وتوضیح فرماتے ہوئے علوم وحقائق کے گوہر لٹائے ہیں وہ میرے تاثر کی بڑی بنیاد ہیں۔ خیال فرمایئے کہ حضرتؒ نے ایک آیت پر اردو زبان میں پوری ایک کتاب لکھ دی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے استفادہ عمیق علم اور گہرے مطالعہ کے بغیر آسان نہیں اور جہاں تک میں نے سمجھا حضرتؒ نے اس آیت کے بھی صرف ایک کلمہ "اولیٰ" پر اپنی تحقیق وتدقیق کی بنیاد رکھی ہے اس مضمون کو

حسب ضرورت شرح کے ساتھ خدا نے چاہا تو پھر کسی موقع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی شان بھی میرے نزدیک اسی قسم کی تھی وہ بھی بعض آیات و احادیث کے ایک ایک کلمہ پر ساری تحقیق و تدقیق کی بنیاد رکھ کر بہت سے مسائل کو اس قدر مضبوط و مستحکم کر گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کے علم و فضل کا اعتراف موافق و مخالف سب ہی کو کرنا پڑے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علم و فضل کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے زمانے کے معاصرین اہل فضل و کمال نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ جن میں سے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ زمانہ قیام ڈابھیل میں سب سے زیادہ وہی مستفید ہوئے اور فوائد قرآن مجید (مطبوعہ بجنور) اور فتح الملہم شرح مسلم میں ان کے افادات کہیں تصریح نام کے ساتھ اور کہیں بغیر تصریح کے جابجا موجود ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اکثر علمی مسائل میں حضرتؒ سے رجوع فرماتے تھے۔ حضرت تھانویؒ ان کو حقانیت اسلام کی زندہ مثال و حجت قرار دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک ایک تقریر پر ایک ایک رسالہ تصنیف کیا جا سکتا ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اس طرح ہے جیسا کہ اپنے اساتذہ کا گو میں نے ان کی باقاعدہ شاگردی نہیں کی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے ترمذی شریف وغیرہ پڑھی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ آیۃ من آیات اللہ تھے اور فرمایا کہ میں تو غیر مقلد ہو گیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی برکت سے حنفی مذہب پر استقامت نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا احمد خاں صاحب (مشہور نقشبندی عالم و بزرگ ساکن کندیاں ضلع میانوالی) نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کاملین میں سے تھے اور آپ کے اٹھ جانے سے علوم یتیم ہو گئے۔ طلبہ کو پڑھانے والے اساتذہ مل سکتے ہیں لیکن علماء کی پیاس کون بجھائے گا۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (مشہور نقشبندی و مفسر بزرگ) جو حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ راقم الحروف حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر ان کی خدمت میں تقریباً ایک ماہ رہا اور خوش قسمتی سے پورا قرآن مجید مع تفسیر ان سے پڑھا اور شرف بیعت و اجازت بھی حاصل ہوا اور اپنی

مجالس درس و ارشاد میں اکثر حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر خیر فرماتے تھے اور بڑے مداح تھے۔

علامہ علی مصری حنبلی جو صحیحین کے تقریباً حافظ تھے مصر سے سورت اور راندیر آئے وہاں حضرت مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مفتی گجرات (حال مفتی دارالعلوم دیوبند) سے ملاقات ہوئی اور آپ نے علامہ علی کو دیوبند جانے کا مشورہ دیا۔ تو وہ دہلی ہو کر دیوبند بھی پہنچے۔ زمانہ قیام دارالعلوم میں اساتذہ کے درس میں بیٹھے اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں درس بخاری شریف سنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے درسی تقریر بھی ان کی رعایت سے عربی میں کی۔ علامہ نے سوالات کئے۔ حضرتؒ جوابات دیتے رہے۔ درس کے بعد فرمانے لگے کہ

"میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علمائے زمانہ سے ملا۔ خود مصر میں کئی سال حدیث شریف کا درس دیا ہے۔ میں نے شام سے لے کر ہند تک اس شان کا کوئی محدث و عالم دین نہیں دیکھا میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضار علوم وسعت، حفظ واتقان، ذکاوت و وسعت نظر سے حیران رہ گیا۔"

علامہ نے دارالعلوم میں تین ہفتے قیام کیا اور حضرتؒ سے برابر استفادہ کرتے رہے اور ایک دفعہ جوش میں آ کر یہ بھی کہا "لو حلفت انه اعلم من ابی حنیفة لما حنثت" حضرت شاہ صاحبؒ کو یہ جملہ پہنچا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "ہمیں امام کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے"۔

مصر پہنچ کر علامہ مذکور نے "المنار" میں اپنا سفرنامہ شائع کیا اور علماء دیوبند کے کمالات علمی و عملی پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے بڑی عقیدت کے ساتھ دو زانو بیٹھا کرتے تھے اور استفادہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ باوجود اختلاف خیال حضرت شاہ صاحبؒ کے علم و فضل کے بڑے مداح تھے اور برابر علمی استفادہ فرماتے رہتے اور آپ کو بے نظیر عالم دین فرماتے تھے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ میر سیالکوٹی نے قادیان کے پہلے بے نظیر اجتماع میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سنی تو فرمایا کہ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے۔"

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے حضرت شاہ صاحبؒ کو علم و فضل کا ایک سمندر قرار دیا جس کی اوپر کی سطح ساکت ہوتی ہے اور اندر گرانقدر موتی و جواہرات بھرے ہوتے ہیں۔

آپ نے اپنے شاگرد رشید جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی مدظلہ شیخ التفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ کو درس تفسیر دیتے ہوئے آیت "توفی و رفع" کے موقع پر ہدایت فرمائی کہ اس موضوع پر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کا رسالہ بے حد تحقیقی اور نافع ہے اس کو دیکھا جائے۔ یہ تو ہمارے دین کا محور رہا تھا۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ اور دوسرے ہزارہا تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد نے پنجاب، سرحد، سندھ، یوپی، حیدرآباد و گجرات وغیرہ میں جو علمی استفادات حضرتؒ سے کئے وہ بھی حضرتؒ کے تبحر علم و فضل اور وسعت معلومات نیز جامعیت و افادیت کے پہلو نمایاں کرتے ہیں۔

حضرتؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ بہتر سے بہتر تحقیق بھی ہو کہ وہ آپ کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو اگر وہی تحقیق کسی ذریعہ سلف سے مل گئی تو بس اسی حوالہ سے نقل فرماتے تھے اور اس پر انتہائی مسرت و اطمینان کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

جب کسی جزئی مسئلہ پر یا مشکل مضمون کے بارے میں آپ سے رجوع کیا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ اس طرح دیتے تھے جیسے وہ اس مشکل سے بہت پہلے گزر چکے ہیں اور اس کا بہترین صحیح حل بتلا دیتے تھے۔ اگر اس کا کوئی حل یا تحقیق کسی کتاب میں ہے تو صرف اس کا حوالہ بتلا دیتے تھے کہ فلاں مقام سے فلاں کتاب میں دیکھ لیں۔

اس غیر معمولی تبحر و وسعت مطالعہ کے ساتھ یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ سلف کے مسلک سے الگ ہو کر کسی تحقیق کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے اکابر و اساتذہ کے مسلک کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ احقر نے دوران قیام کرنال میں تفسیر طنطاوی میں تصویر اور مروجہ فوٹو کے بارے میں علامہ طنطاوی کے نقل و عقل استدلالات کا حوالہ دے کر استصواب رائے کیا تو تحریری جواب کچھ نہ ملا۔ کچھ عرصہ کے بعد احقر خدمت والا میں حاضر ہوا تو اپنے خط کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ جی ہاں خط ملا تھا جواب کا موقع نہیں ہوا۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ کی کیا رائے

ہے؟ فرمایا کہ "اپنے حضرات کی رائے یہی ہے" بس اسی قدر جواب تھا اور اس سے زیادہ وافی وشافی جواب کیا ہو سکتا ہے؟

جامعیت علوم وفنون

حضرتؒ کی شخصیت ایسی جامع معقول ومنقول شخصیت تھی کہ ہر علم وفن کی امہات کتب کا مطالعہ فرما کر ان کی مشکلات لاینحل کو حل فرما چکے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر علم میں اپنی ایک رائے رکھتا ہوں سوائے جفر کے اور فقہاء کی علمی کاوشوں کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے اور کتب فقہ میں مبسوط، بحر الرائق کے علاوہ بدائع الصنائع کی زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب فقیہ النفس بنا دینے والی ہے۔

دینی علوم متداولہ کے علاوہ فن طب، جفر، رمل ونجوم وغیرہ علوم کا بھی مکمل مطالعہ فرمایا تھا اور ان کی مشکلات پر بحث فرماتے تھے اور سائلین کو تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

جدید سائنس کی کتابیں مصر سے چھپ کر آئیں تو ان کا بھی مطالعہ فرمایا۔ اور اپنے خاص تلامذہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب وغیرہ کو اس کی بعض کتابیں درساً پڑھائیں۔

زمانہ حال کے مشہور مصری عالم علامہ طنطاوی نے تفسیر الجواہر کی ۲۵ جلدوں میں جس قدر جدید اکتشافات سائنس آیات قرآنی کے تحت ذکر فرمائے ہیں اور بڑی تشریح وتفصیل سے بیان کئے ہیں ان کی علمی کاوش ووسعت کی بھی تعریف فرمایا کرتے۔ اس کے باوجود یہ نہیں چاہتے تھے کہ علماء ان کی ہر تحقیق کو اپنے عمل وکردار کے لئے حجت بنالیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خود راقم الحروف کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۹) علم حدیث میں جو تبحر ووسعت مطالعہ اور دقت نظر آپ کو حاصل تھی اس کی کچھ جھلک آپ کی مطبوعہ تالیفات وامالی درس میں دیکھی جا سکتی ہے۔

استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ بھی بعض مسائل کی تحقیق وتخریج حوالے کے لئے حضرتؒ سے استفسار فرمالیا کرتے تھے۔

مالٹا سے تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا۔ قرار پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ مسئلہ تحریر کرایا جائے حضرتؒ نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہند کی

خدمت میں حاضر ہو کر تے یا صرف دس سطور تھیں مگر نہایت جامع و نافع جن سے حضرت شیخ الہند شبہات مکشوف ہوئے۔

جس وقت حضرت علامہ ظہیر احسن صاحب شوق نیمویؒ نے حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب "آثار السنن" تالیف فرمائی اور حضرت شیخ الہند کو اس کا ابتدائی مسودہ بغرض اصلاح و افادہ ارسال فرمایا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو واپس فرما کر ہدایت فرمائی کہ یہ خدمت حضرت شاہ صاحبؒ سے لی جائے۔

چنانچہ حضرت علامہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مسودات بھیجنا شروع کر دیئے اور پوری کتاب اسی طرح مکمل فرمائی۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے مفید اضافات فرمائے اور وہ طبع ہوئی۔ پھر طبع ہو جانے کے بعد حضرتؒ نے اپنے نسخہ پر حواشی لکھنے شروع کیے جو میرا خیال ہے کہ اصل کتاب سے بھی زائد ہیں اور الحمد للہ "مجلس علمی" ڈابھیل کے علاوہ ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔ ان کو مرتب کر کے شائع کرنا بڑی اہم خدمت ہے، خدا کرے کسی وقت وہ بھی مجلس سے پوری ہو۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب سورتی مرحوم مقیم افریقہ (سرپرست مجلس) کو خاص طور پر اس کا فکر و خیال بھی تھا۔

علم اسرار و حقائق میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ اپنے دور کے شیخ اکبر تھے اور شیخ اکبرؒ کے علوم و افادات کا تذکرہ بھی ان کے درس حدیث کا اہم جز تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خیر کثیر وغیرہ کے مداح تھے اسی لئے "مجلس علمی" نے ان کی یہ نادر کتاب اور دیگر کتب شائع کیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بعض چیزوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے تنقید بھی فرمائی ہے اور علامہ کوثریؒ نے بھی حسن التقاضی فی ابی یوسف القاضی کے آخر میں مفصل تنقید کی ہے ان دونوں حضرات کی گرامی قدر آراء کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری شرح اردو بخاری میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے حالات و سوانح میں پیش کیا گیا ہے۔

"تلک عشرۃ کاملۃ"

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا دس خصوصیات جو اس وقت مجھے مستحضر ہو سکیں درج کی گئیں۔ مگر سب سے زیادہ جو اہم ترین فضیلت میرے نزدیک حضرتؒ کی تھی اور ضمناً اس

کا ذکر بھی آ چکا ہے وہ یہ تھی کہ باوجود اس قدر علم و فضل تبحر علمی وسعت معلومات اور وسعت مطالعہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے ہندوستان اور حرمین شریفین کے کتب خانوں کی عربی مطبوعات و مخطوطات میں سے کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو آپ کے کامل و مکمل مطالعہ سے نہ گزری ہو کیونکہ سلف و خلف کی کسی کتاب کو بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑتے تھے۔ پھر بھی آپ کا وہ تثبت و احترام حیران کن ہے کہ کبھی کسی ادنیٰ جزئی مسئلہ پر بھی سلف کے مسلک سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ اس دور میں اکابر دیوبند کا جو ایک چھنا چھنایا برگزیدہ معتدل حق مسلک ہے اور ہر طرح افراط و تفریط سے پاک اور علمائے سلف و خلف سے بطور تواتر و توارث ہمارے حضرات تک پہنچا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ایک بہترین اسوہ و نمونہ ہے اس کی بھی رعایت بدرجہ اتم فرماتے تھے۔

اگر کوئی گنجائش اوپر سے کسی مسئلہ میں مل گئی تو اس کو فرما دیا ورنہ نیا اجتہاد کر کے کوئی گنجائش دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت کا سب سے بڑا کمال تھا جو دوسرے کمالات پر کم از کم میرے نزدیک ایک بڑی فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اس دور میں تو بہت زیادہ اور پچھلے ادوار میں بھی ایسے علماء ہوئے ہیں جن کو علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کی دولت ملی تو وہ مجتہد بن گئے اور پھر وہ خود اپنے علم پر بھروسہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و اقوال سلف کی تاویل میں آزاد ہو گئے اور جس طرح خود ان کی سمجھ میں آیا اس کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری قوت تحریر و بیان صرف کر دی جس سے کتنے ہی مفاسد اور فتنوں کے دروازے کھل گئے اور جن لوگوں نے ان نئے مجتہدوں کی تحقیق پر بھروسہ کیا ان کا اعتماد پہلوں سے اٹھ گیا۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے

فان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت و فضیلت میرے نزدیک یہ تھی کہ وہ سلف کے راستہ کو ترک کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ خیال فرمایئے کہ مصر کے تقریباً تمام ہی علماء موجودہ فوٹو گرافی کے ذریعے حاصل شدہ تصاویر کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ علامہ طنطاوی ان سب دلائل و براہین کو اپنی تفسیر میں یکجا کر دیتے ہیں۔

جن سے جواز کی شکل نکل سکتی ہے۔ قرآن مجید سے، احادیث سے، آثار صحابہؓ سے اور پھر دلائل عقلیہ سے اور اس پورے مضمون کو پڑھ کر خود علامہ طنطاوی کی سحرانہ طرزِ تحریر اور زورِ بیان سے بھی متاثر ہو کر میں نے اپنے دل میں یہ یقین کر لیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی چونکہ سب چیزوں پر نظر ہے اگر کوئی حال برابر بھی گنجائش شرعی نقطۂ نظر سے نکل سکتی ہے تو حضرت ضرور اس کا اشارہ فرمائیں گے۔ مگر وہاں سے جواب کیا آتا ہے صرف اتنا کہ "اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے" اس جملہ کی قیمت کتنی بڑی ہے کم از کم میں اپنے کو اس کے بیان سے عاجز پاتا ہوں۔ آج اس واقعہ کو تقریباً ۲۹/۳۰ سال گزر چکے ہیں مگر جب بھی یہ جملہ یاد آجاتا ہے تو سوچا کرتا ہوں کہ حضرت نے کیا بات فرمائی تھی؟ میرا اتنا لمبا چوڑا خط، علامہ طنطاوی کے پیش کردہ نقلی و عقلی دلائل کا انبار، علماء مصر کا طرزِ عمل اور اس کے اثر سے یہاں ہندوستان کے بھی بہت سے علماء و عوام میں اس امر کے رجحانات کہ کسی طریقے سے بھی کچھ جوازِ شرعی کا شائبہ ہی نکل آئے۔ یہ سب کچھ ہے مگر حضرت کا جواب کتنا مختصر کتنا جامع و مانع اور کس قدر مکمل وافی و شافی ہے، اس کی داد دینا بہت دشوار ہے بلکہ دشوار سے دشوار تر ہے کیونکہ اس سے آپ نے صرف میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ ہدایت اور رہنمائی بھی دی کہ آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کا خلجان کسی جزئی مسئلہ میں ہو تم کو صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ "اپنے حضرات کی رائے" کیا ہے؟

اس گزارش کے ساتھ آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات قلمبند کرنے کا کیوں شوق تھا؟ اور میں ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں کی کیوں اتنی قدر کرتا تھا۔ اور چونکہ ان کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں بھی ایسی ہی علمی تحقیق و تدقیق کا رنگ دیکھا تو ان کے ملفوظات بھی لکھنا شروع کر دیے اور پھر یہ سلسلہ اور آگے بڑھا تو حضرت تھانویؒ کے مطبوعہ ملفوظات جو کئی جلدوں میں منتشر ہو کر چھپے ہیں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ان مطبوعہ ملفوظات کے مجموعہ میں سے بھی ایک انتخاب کیا جو اونچے درجہ کی معیاری تحقیق و تدقیق یا نوادرِ علمی خزینوں کا مرقع رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ جل شانہ کی توفیق شاملِ حال ہوئی تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے

ملفوظات گرامی شائع ہونے کے بعد ان دونوں حضرات کے بھی ملفوظات رسمیہ بالترتیب ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

اس سے آگے آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ملاحظہ فرمائیں جن کی یہ سب کچھ تمہید تھی یا حضرتؒ کا ایک ناقص کی طرف سے ایک ادنیٰ و ناقص تعارف

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

مقدمہ بہاولپور

۱۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو حضرت شاہ صاحبؒ تقریباً دو ماہ دیوبند وغیرہ قیام کے بعد ڈابھیل تشریف لائے اس اثناء میں حضرتؒ بہاولپور کے مشہور تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور تشریف لے گئے تھے۔ حضرتؒ سے ملاقات کے لئے نیز آپ کا بیان سننے کے لئے نہ صرف ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء و عوام و امیران ریاست بلکہ کراچی، بلوچستان اور پنجاب اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء و فضلاء و رؤساء پہنچ گئے تھے۔

۲۵ اگست کو حضرت کا بیان شروع ہوا تو کمرۂ عدالت علماء و رؤساء اور معززین سے پر ہو گیا تھا۔ اور عدالت کے باہر میدان میں بھی دور دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔

آپ کا بیان متواتر پانچ دن رہا۔ جس میں روزانہ تقریباً ۵-۶ گھنٹے علم و عرفان کے دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر و ارتداد اور دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرتؒ کے تلمیذ خاص مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد صاحب[۱] انوری لائلپوری دام فیضہم اس سفر میں شب و روز ۱۹ یوم تک حضرتؒ کے ساتھ رہے اور حضرتؒ نے ان کو بھی مقدمہ بنوا دیا تھا۔ نیز حضرتؒ کے عدالتی بیان میں جس قدر حوالجات کتب کی ضرورت پیش آتی تھی وہ بھی مولانا موصوف ہی نکال کر پیش کرتے تھے۔ جن کو حضرتؒ خود پڑھ کر جج کو سناتے تھے۔ موصوف کا بیان ہے کہ "حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان مطبوعہ البرہان میں مسئلہ ختم نبوت مرزا کے ادعاء نبوت و وحی اور مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو علمی مباحث موجود ہیں۔ شاید مرزائی

---

[۱] اب صدر مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام لائلپور

نبوت کے رد میں اتنا ٹھوس علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں بھی یکجا نہیں ملے گا"۔

افسوس ہے کہ "بیانات علماء ربانی" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں وہ تفصیلات درج نہیں ہوئیں۔ اگر مولانا موصوف حضرتؒ کا پورا بیان (جو ان کے پاس نہایت گرانقدر علمی دستاویز ہے) اشاعت کے لئے عنایت فرما دیں تو مولانا کی باقیات صالحات میں بطور تتمہ غیر مترقبہ ایک جدید علمی اضافہ اور ہم سب خدام حضرتؒ کے لئے موجب منت ہوگا۔ (وھو بطول منة منهم علينا شكر الله سعيهم و رضي الله عنهم و ارضاهم آمين)

۱۳/۱۴ ستمبر ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوا اس میں حضرتؒ نے اس مقدمہ بہاولپور کے حالات اور اپنی شہادت و بیان کے کچھ حصے سنائے تھے اور راقم الحروف نے ان کو قلمبند کیا تھا۔ جو نذر ناظرین کرتا ہوں۔

خود ہی فرما دیا کہ پورا بیان اسی صفحات میں لکھا گیا تھا۔

فرمایا کہ میں نے عدالت میں پانچ وجوہ سے تکفیر مرزائیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔

(۱) دعوی نبوت (۲) دعوائے شریعت (۳) توہین انبیاء علیہم السلام (۴) انکار متواترات وضروریات دین (۵) سب انبیاء علیہم السلام۔

فرمایا کہ میں نے عدالت کے سامنے "سب" کی تشریح کی اور "اس سے پہلے یہ ثابت کیا کہ سورۂ بقرہ میں جو اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے برگزیدہ بندوں کی بھی اطاعت کی جائے۔ جس کو قصہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان سے واضح کیا گیا ہے۔

سب کے معنی برا بھلا کہنا، برا کہنا ہے۔ گالی دینا نہیں اس کے لئے "قذف" کا لفظ آتا ہے اور "سب" کی بہت اقسام ہیں مگر جو وہاں کے متعلق اور حسب حال تھیں وہ تین اقسام بیان کیں۔

سب لزومی

جو بلا قصد آ جائے جبکہ مقصد کوئی دوسری چیز بیان کرنا ہو

سب تعریضی

دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا جیسے مرزا نے موجودہ انجیل وغیرہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کئے ہیں اور مقصد اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہے۔

چنانچہ دو چار ورق کے بعد کہیں جا کر حوالہ دے دیتے ہیں ورنہ بڑی تفصیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شان حالات لکھتے چلے جاتے ہیں تاکہ دوسروں کے قلوب سے ان کی عزت و وقعت کم کر دیں، حالانکہ خود تعزیرات ہند میں بھی ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز مورخ کے لکھے ہوئے کسی واقعہ کو بلا کم و کاست نقل کر دے اور اس سے نفرت پھیلتی ہو تو اس پر مقدمہ قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو جرم سمجھا گیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ایک شعر پر
قادیانیوں کے وکیل کا اعتراض

اور اس کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب

سب صرعی

یہ ظاہر ہے اور میں نے اس کو بھی ثابت کیا اور اسی سلسلہ میں مرزا کا یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس پر وکیل مرزائیین نے اعتراض کیا کہ مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) کے ایک شعر میں بھی ایسا ہی مضمون ہے اس کا کیا جواب ہے؟ وہ شعر یہ ہے

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اس پر عدالت میں جو ہزاروں کا مجمع تھا اور ان میں ہندو بھی تھے ذرا گھبرایا کہ شاید اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکے تو میں نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہا کہ شعر میں ایک تو شاعری ہوتی ہے دوسرے جھوٹ (احسنہ اکذبہ) کہ شعر میں جتنا زیادہ جھوٹ ہو اتنا ہی زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے) اور تیسرے مبالغہ شاعری میں تخیل اور خیال آفرینی ہوتی ہے یعنی حقیقت شی کے آس پاس آنا اور خود اس کو ظاہر نہ کرنا جس کا مقصد تعجب میں ڈالنا ہوتا ہے۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کو بتلانا یہ خاصہ خدا کا ہے کہ وہی اشیاء کی حقائق کو ٹھیک بلا کم و کاست بیان کر سکتا ہے دوسرا نہیں۔

پس شاعر اپنے شاعرانہ جذبات میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی حقیقت بیان کر رہا ہوں بلکہ اس کا مقصد ہوتا ہے۔ البتہ اپنے کسی اچھوتے تخیل یا خیال آفرینی کی صرف داد چاہتا ہے۔

چنانچہ حضرت الاستاذ مولانا شیخ الہند کی مراد یہ ہے کہ ہمارے مشائخ طریقت و شریعت نے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور زندہ دلوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مصرعہ میں صرف دل کا لفظ محذوف ہے جس سے شاعر نے اچنبھے میں ڈالا ہے اور خیال آفرینی کی داد چاہی ہے۔

پھر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں بڑے مشہور و نامور پیغمبر گزرے ہیں اس لئے ان کو اس میں سب سے بڑا فرض کیا ہے اور دوسرے مصرعہ سے منشاء یہ ہے کہ وہ دیکھیں تو اس کی داد دے سکتے ہیں جیسے بڑے چھوٹوں کی کارگزاری پر داد دیا کرتے ہیں۔

لہٰذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شعر میں خالص ایمان ہے اور مرزا کے شعر میں خالص کفر ہے کیونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس منقبت احیائے موتیٰ میں سب سے زیادہ معظم و مکرم قرار دے کر اپنے اکابر کو بھی ان کے چھوٹوں کے مرتبے میں قرار دے کر اپنی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بڑائی سے بڑی عظمت کا اقرار فرمایا ہے اور اس کے برعکس مرزا صاحب نے اپنے شعر کے پہلے مصرعہ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ذکر مبارک سے اعراض کی تلقین کی جیسے کسی کمتر کے ذکر کو ناقابل التفات سمجھ کر ایسا کہا جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں صریح اہانت یہ کہ صاف طور سے کہہ دیا کہ اس سے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے بہتر غلام احمد ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الکفریات اس سے زیادہ کفر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرے شعر میں جھوٹ ہوا کرتا ہے اور اس کا قائل اس کے جھوٹ ہونے کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

تیسرے مبالغہ ہوا کرتا ہے کہ شاعر چھوٹی چیز کو بڑا دکھاتا ہے اور خود قائل بھی سمجھتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اگر کسی مجمع میں اس سے دریافت کیا جائے تو وہ اس کے زائد از حقیقت ہونے کا اقرار کرے گا۔

ختم نبوت کا عقیدہ

(۴) فرمایا ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی قادیانی بیان کرتے ہیں۔ آیات قرآنی و احادیث صحیحہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ختم نبوت کا عقیدہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے احادیث متواتر المعنی سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اس کا منکر قطعاً کافر ہے کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں تاویل و تخصیص کرنے سے وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ ختم نبوت کے بارے میں ہمارے پاس تقریباً دو سو احادیث ہیں۔

قادیانی وکلاء کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ:۔

"یہ حدیث قوی نہیں ہے اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ظہر قرآن کی مراد وہ ہے جو قواعد لغت اور عربیت سے اور اصول شریعت سے علماء شریعت سمجھتے ہیں اور اس کے تحت میں فقہ آتی ہے اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ مخفی رہ جائیں۔ لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت اس کو رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیہ و الحاد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرماں بردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو خدا کے سپرد کر دیں۔ رہا تاویل کا مسئلہ تو اخبار آحاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو ملحد نہیں کہیں گے البتہ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے"۔

آیات قرآنی کا تواتر

فرمایا۔ آیات قرآنی متواتر ہیں اور قرآن و حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم

تک پہنچتی ہیں اس کی دو جانب ہیں۔ ایک ثبوت کی دوسری دلالت کی۔ ثبوت قرآن مجید کا متواتر ہے اگر اس تواتر کا کوئی انکار کرے تو پھر قرآن مجید کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسے ہی جو شخص تواتر کی حجیت کا انکار کرے اس نے دین کو ڈھا دیا۔

دوسری جانب دلالت ہے جس کے معنی ہیں "مطلب کی طرف رہنمائی کرنا" دلالت قرآن مجید کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔

اگر اس کی دلالت پر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا اجماع ہو جائے یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید سارا بسم اللہ سے لے کر والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرائن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے علاوہ ازیں تاویل اور صرف ظنی میں ہو سکتی ہے اخبار میں نہیں ہو سکتی لہذا خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے اور اس کے لغت کے معنی ایسے نہیں لئے جا سکتے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی سمجھنے کے منافی ہو اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے اس لئے مذکورہ بالا معنی سے انکار کفر ہے۔ اور قادیانی کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا جن مسائل کی بنا پر اس نے ایسا کہا ہے وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس سے مسئلہ ختم نبوت ہے۔

مرزا نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے

فرمایا: مرزا صاحب نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جیسا کہ آیت هو الذی ارسل رسوله الآیة کے متعلق کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے اور دوسری جگہ محمد رسول الله الآیة میں کہا کہ میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی اسی طرح دوسری تصریحات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور حضرت مریم کی شان میں بھی گستاخی کی ہے ان سب سے قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔

کسی قادیانی نے مرزا صاحب کی طرف سے صفائی میں بعض عبارتیں ایسی پیش کیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی مدح نکلتی ہے تو آپ کے جواب میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

"جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو دوسری جگہ چند بھی کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثنا خوانی کی ہو تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسے کہ تمام عقلاء دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کی اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح و ثنا کرتا رہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین کر دیا کرے تو کوئی انسان اس کو واقعی مطیع و معتقد نہیں کہہ سکتا۔

مدحیہ اشعار کا غیر تحقیقی ہونا

فرمایا: مدحیہ اشعار تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ جزرے کے کلام انکل کے ہوتے ہیں۔ اور شاعرانہ مدح و ذم ذوقی کلام کی تسلیم کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو خدا کا کلام ہوگا تو وہ عقیدہ ہوگا اور وہ کسی طرح انکل نہ ہوگی بلکہ حقیقت حال ہوگی نہ کہ تخمین اور شعرا چونکہ حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے تخمینی الفاظ کہتا ہے اور خود شاعر کی نیت بھی اس کو عالم سے منوانا نہیں ہوتی۔

پھر جھوٹے اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کہے کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی یہ کوشش بالکل نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ لوگ میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے خود اپنی کتاب دافع البلاء کے ص ۲۰ پر لکھا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت

انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت کا سبب فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے تو کسی قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرق مراتب اس احتیاط سے امت کو پہنچا ہے کہ اس سے توہین مقصود نہیں لیکن ایسی فضیلت دینا کسی پیغمبر کو اگر چہ واقعی ہو جس سے دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔ فرمایا:

تعریفات

ایمان: غیب کی خبروں کو انبیاء علیہ السلام کے اعتماد پر باور کرنا اسی سے مومن جو سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا کی طرف سے لائی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت بدیہیات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان خاص و عام اسے جانتے ہیں۔

کفر: حق ناشناسی منکر ہو جانا، مکر جانا اسی سے جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے اسے کافر کہتے ہیں اور متواترات دین سے انکار کرنا کفر صریح ہے۔

نفاق: اندر سے اعتقاد نہ ہونا، زبان سے کہنا جو شخص ایسا کرے اسے منافق کہتے ہیں۔

زندقہ: دین کی حقیقت بدلنا، شریعت کے کسی لفظ کو بحال رکھ کر اس کی حقیقت کو بدلنا جو ایسا کرے اسے زندیق کہتے ہیں اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد: دین اسلام سے ایک مسلمان کا کلمہ کفر کہہ کر یا ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جانا۔

ضروریات دین: وہ چیزیں ہیں کہ جن کو عوام و خواص پہچانیں کہ یہ دین سے ہیں جیسے اعتقاد توحید کا، رسالت کا اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

فرمایا: ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے۔ یا تواتر سے یا اخبار آحاد سے۔ تواتر یہ ہے کہ کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہوئی اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔

یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواتر اسنادی، تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک اور تواتر توارث۔

تواتر اسنادی: یہ ہے کہ صحابہ سے بہ سند صحیح متصل مذکور ہو۔

تواتر طبقہ: جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا اور صرف یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر ہے۔

تواتر قدر مشترک: یہ ہے کہ کئی حدیثیں بطور خبر واحد آئی ہوں اور ان میں قدر مشترک متفق

علیحدہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ جائے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو کہ متواتر ہیں اور جو کہ اخبار احاد ہیں ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔

اسی سے بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ و سند متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنی کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معانی کو بہت سی سندوں سے اتنے راویوں نے بیان کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث: یہ ہے کہ نسل نے نسل سے لیا ہو مثلاً بیٹے نے باپ سے لیا ہو اور باپ نے اپنے باپ سے ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔

کفر کبھی قولی ہوتا ہے کبھی فعلی: مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور تیس سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے تو یہ کفر فعلی ہے۔

کفر قولی یہ ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ خدا کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر قولی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا کیونکہ تواتر توارث کے ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ فرمایا:

یسوع: یہ دراصل عبرانی لفظ ہے اور عبرانی میں اشوع بمعنی نجات دہندہ تھا۔ اشوع سے یسوع بنا اور عربی زبان میں آ کر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن مجید سے شروع نہیں ہوئی بلکہ نزول قرآن مجید سے پہلے عرب کے نصاریٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق فرمایا۔ مرزا صاحب کی پیدائش چونکہ مسلمان گھرانہ میں ہوئی تھی اور نسلی کافر نہیں تھے اس لئے ابتدائی نشوونما تو عام اسلامی عقائد پر ہوئی اور وہ ان کے پابند رہے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سے ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

مرزا صاحب کے عقائد

دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعووں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن مجید احادیث میں مذکور ہیں اور عام و خاص مسلمانوں کی زبان پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا کہ جس سے ان عقائد کا بالکلیہ انکار ہو گیا (مثلاً جس طریقے سے نفخ صور یا قیامت کی خبر قرآن مجید و حدیث میں آئی ہے اس سے بالکل انکار کیا ہے۔ صرف ظاہری الفاظ رکھے گو معنی الٹ دیئے)

اس لئے ان کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں۔

اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن ان کی ایسی تاویل و تحریف کر دے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ لہذا جب تک اس کی تصریح نہ بتلائی جائے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے اس معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ و تابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔

اسی طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب اپنی آخر عمر تک دعوائے نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان شائع پایا جائے اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں کیا گیا۔

مرزا کے ایک قول کا رد

مرزا صاحب کے ایک قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ میں ۳۲۲ سے نقل کیا گیا ہے اور جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو و طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً ڈھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا"۔

حضرت شاہ صاحب نے حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے:

اس قول سے لازم آیا کہ سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں تھے اور آپ کا تشریف لانا بعینہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں۔ در اصل ابراہیم علیہ السلام رہے اور بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو "عین محمد" کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو مرزا صاحب عین ابراہیم علیہ السلام بھی ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے صاحب ظل کا اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر جمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور یہ باطل و بے حقیقت ہے۔

مرزا کی کتابوں میں تکرار و تضاد

فرمایا: مرزا صاحب کی کتاب دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی

ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر تہافت و تعارض پایا جاتا ہے اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ رہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص و مفر باقی رہے۔

چنانچہ کہیں تو وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں ایسے عقیدے بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع امت نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ سے پیش کر کے یہ دکھلایا گیا تھا کہ ان میں بہت ہی سب و شتم درج ہے۔ ان کے بارے میں وکیل قادیانی نے جواب دیا کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں انہیں الزامی جوابات دیئے گئے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے ان دشنام آمیز الفاظ کو اپنی شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا اور کہا کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی خطا پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں اس چیز کو لیتا ہوں جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بتایا ہے اور اسے حق کہا ہے۔

غرض میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی۔ زبان پر کی ہے اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے بلکہ جس چیز کو اس نے قرآن مجید سے مستنبط کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس چیز کو اپنی جانب سے حق کہا اور اس کو وجہ ارتداد قرار دیا ہے اور اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے۔

مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے

تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔"

(۲) "عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا"۔

اس سے صریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک اور حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلے کے الفاظ ہیں۔

قادیانی وکیل کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از حضرت شاہ صاحب

وکیل قادیانی نے صوفیاء کرام کے بعض ایسے قابل اعتراض اقوال پیش کئے جو مرزا صاحب کے اقوال سے مشابہ ہیں اور باوجود ان اقوال کے ان کو مسلمان کہا جاتا ہے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا:۔

ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت، تقدس و تقویٰ کی بے شمار خبریں سن کر اور ان کے شواہد احوال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ان کو ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ تو ان کے بعد اگر کوئی کلمہ متنافر یا موہم ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور حل نکالیں۔

لیکن کسی شخص کی راست بازی ثابت ہونے سے پیشتر ہی اس کے شطحیات (مغالطہ میں ڈالنے والے کلمات) پیش کر کے اس کو مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرنا عاقل کا کام نہیں۔ نہ ان کی تاویل کی ضرورت۔

ماحصل یہ کہ کسی کی راستبازی اگر جداگانہ کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہو چکی ہو تو ہم محتاج تاویل و توجیہ ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث صرف یہی کلمات موہم اور مغالطہ آمیز ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر مار دیں گے۔

قادیانی وکیل نے کہا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے اور جو کلمہ لا الہ الا اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

"یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہی ہے۔ چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے"۔

قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ کافر ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام بھی ادا کرتے تھے۔

اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ قادیانی نماز روزہ حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند ہیں اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کو کافر کیسے کہا جائے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

"صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے نکل جائے گی اور ان کو قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزہ کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع و خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کی نماز روزے کے مقابلہ میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے نہ بچا سکی۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی۔ اس کے جواب میں فرمایا:

اس اعتراض کا منشا بھی یہی ہے کہ فقہا کا منشا صحیح نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اس کے کلام میں کوئی تصریح ہو۔ جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ

معاملہ تکفیر میں احتیاط برتتے ورنہ اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال بھی نکل سکتا جس کی بنا پر کلام کفر نہ رہے تو اسی احتمال کو اختیار کرتے اور اس شخص کو کافر نہ کہتے لیکن اگر کسی شخص کا بھی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بصراحت والفاظ مختلفہ موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی کفری مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کر دے تو باجماع فقہاء ایسے شخص پر قطعی طور پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اس کو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

ایک شبہ یہ پیش کیا گیا کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا:۔

اس میں تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کارفرما ہے کیونکہ حضرات فقہاء و متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نئے معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا اس کو قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے زندقہ قرار دیا ہے۔

زندیق وہ ہے جو مذہبی لٹریچر بدلے بغیر الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں گو ان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں۔ اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسی طرح کافر سمجھا جائے گا۔

(۴۳) وکیل قادیانی کی طرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہو گئی نہ کہ مقام نبوت اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لانبی بعدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اس کے جواب میں ہماری طرف سے ان حضرات کے اقوال کی توجیہیں بیان کی گئیں اور میں نے کہا کہ دین کے معاملے میں ان کے اقوال دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دینی معاملات میں سوا

نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

وکیل قادیانی کی طرف سے کہا گیا کہ "حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور مولانا روم کی کتابوں میں ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں خدا کے نیک بندوں (اولیاء اللہ) میں پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی میں ہے وہ خاص ہے اور وہ شریعت والی وحی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے اور وہ اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے اور جیسا کہ مولانا رومی نے کہا ہے ہوتی تو وہ وحی حق ہی ہے لیکن صوفیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل بھی کہہ دیتے ہیں اور جن طریقوں سے انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام ہوتا ہے ان ہی طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق مراتب کے لئے فرق کیا ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں اور ولی پر بھی وحی بواسطۂ ملک ہوتی ہے"۔

حضرت شاہ صاحب نے اس پر بحث کے دوران فرمایا کہ:۔

"صوفیاء کے یہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کچھ کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل جائز نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں یا جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔

چنانچہ ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کمی زیادتی کی کے صوفیاء میں سے کوئی قائل نہیں اور اس کے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صوفیاء نے نبوۃ بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا ہے اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا، دوسرے کو اطلاع دینا کی ہے اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کی دو قسمیں کر دیں۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونوں درج کر دیئے تو اب ان کے لئے نبوت غیر

شرعی ہو اولیاء کے کشف والہام کے لئے ٹھہرتی اور مخصوص ہوتی۔

پھر صوفیاء کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا صرف اسرار ومعارف اور مکاشف اس کا دائرہ ہیں۔ اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے۔ الہام اسے کہتے ہیں کہ دل میں کوئی مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جائے۔ وحی یہ ہے کہ خدا اپنے ضابطہ کا پیغام کسی نبی یا رسول پر بھیجے۔ پھر وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔

نبی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے یہ معنوی وحی ہو سکتی ہے۔ شرعی نہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے قادیانی وکیل کا استدلال اور حضرت شاہ صاحب کی طرف سے جواب

قادیانی مختار نے کہا کہ ''تحذیر الناس'' میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی خاتم النبیین کے بعد نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ اس پر فرمایا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الہامی مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر بہت قوی دلائل وبراہین قائم کئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر ماثور کی گرانقدر علمی توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جا بجا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور مضمون ختم نبوت کا بدرجہ تواتر منقول ہونا اور اس کے منکر کا کافر ہونا بھی ثابت فرمایا ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے جج صاحب کو تحذیر الناس کے ص۔۔ کی عبارت پڑھ کر سنائی۔

اور فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مناظرہ عجیبہ جو اسی موضوع پر ہے نیز آب حیات قاسم العلوم وغیرہ دیکھی جائیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دو نہیں بلکہ تین قسم کی خاتمیت ثابت فرمائی ہے۔

بالذات

یعنی مرتبہ حضور کا خاتمیت ذاتی کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور دوسرے سب انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہوتی ہیں۔

یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے سب سے پہلے نبوت ملی ہے۔ اور آیت میثاق واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الآیۃ سے واضح ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس کے رسول ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا۔ اور آیت میں ثم جاءکم فرما کر یہ بھی تصریح کر دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کو صف بندی کر کے نماز کا منتظر رہنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نیز آیت واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا الآیۃ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اتقان میں ہے ابن حبیب عبداللہ بن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی پھر انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے اور اس سے فضیلت محمدیہ کو واشگاف کر دینا مقصود ہے۔ واضح ہو کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام اسلام کا عقیدہ اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

خاتمیت زمانی

یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشہود میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔

آپ کے بعد کسی کو نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔ آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔ ساتویں جلد روح المعانی میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً مروی ہے "بدئ بی الخلق و کنت آخرھم فی البعث" (مجھ سے پیدائش مخلوق کی ابتدا کی گئی لیکن میری بعثت سب سے آخر میں ہوگی) اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے "کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث (میری پیدائش تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد ہوگی) حضرت مولانا نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے:۔

"یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں"۔ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار نے کہا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کی طرف غلط نسبت

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی وقت ابی کی شرح مسلم منگوا کر جلد اول ص ۲۲۶ مطبوعہ مصر سے عبارت ذیل "وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام" پڑھ کر سنائی۔ جس میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا درآنحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا اور یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

غرض یہ کہ امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

بریلوی علماء کا فتویٰ تکفیر

مختار قادیانی نے اعتراض کیا کہ علماء بریلوی علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور علمائے دیوبند علمائے بریلی پر۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

میں بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہوں کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں تو قرآن کا اختلاف

ہے اور علماء دیوبند و علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شبہ کی بنا پر کلمۂ کفر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو ردالمحتار، بحرالرائق وغیرہ۔

حدیث بنی الاسلام سے غلط استدلال

فرمایا:۔ وکیل قادیانی نے اعتراض کیا کہ بخاری میں تو بنی الاسلام علی خمس ہے۔ مطلب یہ تھا کہ تم اصول تکفیر اور دفعات پیش کر رہے ہو وہ کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ مسلم شریف کی حدیث میں وبما جئت به بھی موجود ہے کہ ان سب امور کی تصدیق بھی ضروری ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔

تارک صلوٰۃ کا حکم

اس نے یہ سوال بھی کیا کہ نماز چھوڑنے والے کے لئے فقہاء کے یہاں کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ تین فقہاء اس کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اور ایک امام کافر۔ گویا اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں تو فقد کفر آیا ہے۔

میں نے کہا کہ ابوداؤد[1] میں حدیث ہے کہ خدا چاہے تو بخش دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہیں ہے۔

اجماع نزول مسیح پر ہے یا حیات پر؟

اس نے سوال کیا کہ اجماع نزول عیسیٰ پر ہے یا حیات پر؟ میں نے کہا کہ حیات و نزول کا ایک ہی مسئلہ ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ پھر میں نے یہ بھی کہا کہ دو حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں جن سے حیات ثابت ہوتی ہے۔ (جبکہ نزول کی احادیث تو متواتر ہیں اور حضرت شاہ صاحب کا اس بارے میں رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" مع تعلیقات عالیہ محدث شیخ عبدالفتاح ابی غدہ عم فیضہم بھی طبع ہو گیا ہے)

---

[1] اس یاد سے محض دوسری غیر متعلق باتوں کے ساتھ حضرت کا یہ محققانہ عالمانہ جواب بہت زیادہ اہم ہے۔ "مؤلف"۔

ذکر اللہ

دنیا کے مردہ اور زندہ ہونے کے ذکر کی مناسبت سے حضرت قدس سرہٗ کا وہ ملفوظ درج کرتا ہوں جو ذکر اللہ سے متعلق ہے فرمایا:۔

حدیث صحیح میں ہے کہ افضل اعمال "ذکر اللہ" ہے اگرچہ حدیث ہی میں ہے کہ افضل اعمال بعد ایمان کے نماز ہے پھر بر والدین۔ پھر جہاد مگر یہ سب بھی اسی لئے ہیں کہ ذکر اللہ کو شامل ہیں۔

نماز میں تو ذکر اللہ ہے ہی اور روزہ بھی اگر خدا کو یاد نہ دلائے تو فاقہ ہے۔ ذکر اللہ دائمی ہے حتیٰ کہ جنت میں بھی رہے گا جو سانس کے ساتھ جاری ہوگا۔ جیسے ملائکہ کے لئے ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جو صوفیاء کے یہاں پاس انفاس ہے وہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ پس وہاں سب جنتی بھی فرشتوں کی خصلت پر ہو جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ جنت میں حضرت حق جل ذکرہ روزانہ دو بار صبح کو اور عصر کے وقت قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اور مقربین سنیں گے اور جنت میں تلاوت[1] قرآن مجید رہے گی۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ قبر میں حشر تک نماز روزہ اور سجدہ کا ساتھ ہے اور مقبورین حج بھی کرتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں اور کامیابی یا ناکامی کی تو آنکھیں بند کرتے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

فرمایا: ایک حدیث صحیح میں ہے کہ جس قدر دیر تک کوئی ذکر اللہ کرتا ہے خدا اس کا رفیق وجلیس (ہم نشین) ہو جاتا ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ خصوصیت نماز میں بھی نہیں ہے کیونکہ وہاں یہ ہے کہ خدا کا چہرہ اس کے سامنے ہوتا ہے یعنی آمنا سامنا ہوتا ہے اسی لئے نماز سے

---

[1] یعنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت انسان کو دی گئی ہے حتیٰ کہ جن بھی اس کی تلاوت پر قادر نہیں ہیں بلکہ فرشتوں کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی اور وہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ کوئی انسان تلاوت کرے اور وہ سنیں ہاں مومنین جن کو جنت میں یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے وہ تلاوت قرآن مجید پر قادر ہو جاتے ہیں [illegible] تفسیر اتقان وغیرہ) اور فرشتوں میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ سعادت کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ ہر رمضان شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے (بخاری وغیرہ)

تلاوت قرآن مجید کی طرح رویت باری جل ذکرہ کی نعمت بھی صرف مومن انسانوں کے لئے خاص ہے کہ وہ جنت میں بقدر مراتب ان سب کو حاصل ہوگی۔ بعض روایتوں میں بعض کو ہر جمعہ کے دن اور [illegible] کے وقت میں بعض فرشتوں کو یہ دولت میسر نہ ہوگی۔ اسی طرح اور بھی بعض خصوصیتیں صرف مومن انسانوں کو عطا ہوئی ہیں جن کی تفصیل تفسیر مظہری [illegible] جلد اول میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ (مؤلف) [illegible] جلد نہم اور کتاب معراج [illegible] کی تحقیق بھی [illegible] میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے

سامنے سے گزرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے۔

فرمایا: حدیث میں ہے کہ احب الکلام الی اللّٰہ ذکر اللّٰہ ما اصطفاہ اللّٰہ الملائکتہ یعنی خدائے تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام اس کا ذکر ہے جس کو اپنے فرشتوں کے لئے پسند واختیار فرمایا ہے۔

اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں

فرمایا: اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں اور ذکر و درود بھی جز ہیں۔ قرآن مجید کے لیکن قرآن مجید کے برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ کم از کم قرآن مجید ایک آیت ہے۔ امام صاحبؒ کا قول ہے کہ نماز میں کم از کم ایک آیت ضرور پڑھی جائے اور یہی صحیح ہے۔

ذکر اللہ جنت میں بھی ہوگا

فرمایا: ذکر اللہ کی عبادت ہے کہ جنت میں خدا کے دیدار کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا۔ لہٰذا اولیٰ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ غافل کو حیات نہیں ہے۔ ذاکر کو موت نہیں ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں جو یہ ہے کہ ثم لا یموت فیہا ولا یحییٰ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر نہ مردہ ہوگا نہ زندہ نہ اعمال حیات نہ ہوں گے موت کے بعد مقربین اعمال بھی کر رہے ہیں اور عوام بیکار رہیں گے۔

مومن عورتوں کو دیدار خداوندی

فرمایا: مومن عورتوں کو عیدین کے دنوں میں دیدار خداوندی کی نعمت حاصل ہوا کرے گی (جامع صغیر سیوطی) لیکن اس سے اور اوقات کی نفی نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کے پاس اشرفیاں ہوں اور وہ قدم قدم پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا شخص ذکر اللہ کرتا ہو تو وہی افضل ہے۔

حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے کے انوار زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ تنہا اللہ اکبر ہی زمین سے آسمان تک بھر دیتا ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ آسمان کو چیر کر نکل جاتا ہے یعنی اس کی سمائی نہیں ہے۔ زمین و آسمان میں۔

جب بندہ اللہ اللہ کہتا ہے تو خدا لبیک لبیک کہتا ہے اور یہی تفسیر ہے "فاذکرونی اذکرکم"

کی اسی لئے میرے نزدیک اذکرکم سے مراد "رحمت سے یاد کرنا" یہ بے ضرورت تاویل ہے۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ بندہ جب نماز میں "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتا ہے تو خدا کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے "حمدنی عبدی" پھر الرحمن الرحیم پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنیٰ علی عبدی" پھر مالک یوم الدین پڑھتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے "مجدنی عبدی" پھر ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے "ہذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل" پھر اہدنا الصراط الخ یہ پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بندہ کی خاص حاجتیں ہیں اور میں اپنے بندہ کو جو کچھ وہ مانگتا ہے دوں گا۔

یہ تو حدیث سے ہے اور ہمیں خارج سے معلوم ہوا کہ اگر خارج صلوۃ بھی پڑھے گا تب بھی یہی حکم ہے۔

روح کو خواہ کافر کی ہو یا مومن کی کبھی موت نہیں ہے لیکن اعمال حیات ذاکر کے لئے مخصوص ہیں اور غافل بمنزلہ مردہ ہے اگرچہ روح باقی ہے۔

غرض ذاکرین سے ذکر اللہ کسی وقت جدا نہ ہوگا۔ قبر میں بھی حشر تک ساتھ ہوگا اور جنت میں بھی رہے گا اسی لئے میں نے کہا کہ ذکر اللہ ان کے حق میں دائمی ہے اور ذاکر کو موت نہیں ہے جیسے غافل بظاہر زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔

تشریحات از مرتب

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا محققانہ کلمات طیبات کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شعر مذکور کے تمام زاویے پوری روشنی میں آ جاتے ہیں۔

یعنی حضرت کا منشا یہ ہے کہ ہمارے اکابر شیوخ طریقت نے اپنے مسترشدین کا تزکیہ نفوس فرما کر اور ان کو یاد الٰہی کے راستہ پر چلا کر ان کے غافل و مردہ دلوں کو زندگی عطا فرمائی (مردوں کو زندہ کیا) اور پھر ان کے دل ایسے زندہ ہوئے کہ ان کے لئے کبھی بھی موت نہ ہوگی کیونکہ ذاکر کو موت نہیں ہے۔ (زندوں کو مرنے نہ دیا)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہاں بھی شاعر کی مراد یہی ہے کہ جو دل عشق میں ہے (جس کا سبب "ذکر الٰہی" ہوتا ہے) زندہ ہو جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مرتے اور ان کو بقاء دوام کی شان مل جاتی ہے۔

اسی عشق حقیقی کے بارے میں دوسرے شاعر نے کہا ہے

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت   ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عربی شاعر نے کہا ہے اور بہت ہی خوب کہا ہے

لك منزل في القلب ليس يحله

(اے محبوب تیرا گھر میرے دل میں ہے تیری محبت کے سوا اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی)

الا هواك وعن سواك اجله

(کیونکہ میں اس کو تیرے سوا دنیا کی ہر چیز سے بلند و برتر سمجھتا ہوں)

واقعی جب یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو دنیا جہان کی بڑی سے بڑی نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہو جاتی ہیں۔ دل کی صحیح قدر و قیمت "عن سواک اجلہ" کے درجہ میں پہنچ کر دریافت ہوتی ہے اور اسی وقت احساس ہوتا ہے کہ دل جیسی بے بہا اور گرانقدر نعمت کو ہم نے دنیا کی کیسی کیسی بے قدر چیزوں سے لگا کر رائیگاں کیا ہے۔

جس وقت یہ آیا کہ امام شافعیؒ کو کسی دنیا دار نے موٹے جھوٹے معمولی لباس میں دیکھ کر حقیر نظروں سے دیکھا تھا تو حضرت امام ہمامؒ نے برجستہ یہ دو شعر ارشاد فرمائے تھے۔

علي ثياب لو يباع جميعها   بفلس لكان الفلس منهن اكثرا
وفيهن نفس لو يقاس ببعضها   جميع الورى كانت اجل واكبرا

یعنی یہ صحیح ہے کہ میں بہت معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان سب کے مقابلہ میں شاید ایک پیسہ بھی زیادہ ہو لیکن ان کپڑوں کے اندر ایک ایسا بیش قیمت دل مستور ہے کہ اگر اس کے کچھ حصہ کے مقابلہ پر بھی ساری دنیا اور اس کی بیش قیمت چیزوں کو رکھا جائے تو یہ کچھ حصہ بھی ان سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے پھر پورے دل کی قیمت کا تو اندازہ ہی مشکل ہے کسی نے سچ کہا ہے

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک شعر جو حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے اکثر مجالس میں سنا ہے جو اپنے موقع پر سنایا کرتے تھے وہ بھی ذکر کرتا ہوں۔

مکنید اے بتان خراب دلم   آخر ایں خانہ را خدائے ہست

نماز

ایک وعظ کے ضمن میں فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ مصلی خدا سے سرگوشی کرتا ہے اور درخواست پیش کرتا ہے یہ بھی حدیث ہے کہ جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر گناہ لاد دیتے ہیں اور رکوع میں وہ گر پڑتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سجدے میں مصلی خدا کے پیروں پڑتا ہے۔

قعدہ میں خدا کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہیں اور التحیات اللہ الخ پڑھتے ہیں۔ یہ سلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں سلام کی یادگار ہے۔ سہیلی (مالکی المذہب) ناقل ہیں جب یہ السلام علیک ایها النبی الخ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی امت کو نہ بھولا اور فرمایا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین پھر اشہد ان لا الہ الا اللہ اور پھر درود جو امام احمدؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن امیر الحاجؒ نے فرمایا کہ میری نظر سے دونوں جگہ "فی العالمین انک حمید مجید" گزرا ہے لیکن مشہور آخر میں ہی ہے۔

فرمایا: نباتات سجدہ میں ہیں چوپائے رکوع میں ہیں اور آدمی قیام میں ہیں۔ یہ تحقیق شیخ اکبرؒ کی ہے۔ نماز میں یہ تمام صورتیں جمع ہو گئی ہیں۔

تکبیر تحریمہ کو حدیث میں تاج نماز کہا گیا ہے اور بعض اصولیوں کے نزدیک جزو نماز کا تکبیر تحریمہ ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری نے خوف کے وقت صرف تکبیر کو قائم مقام صلوٰۃ کے قرار دیا ہے اور بعد کو اعادہ بھی نہیں کہتے۔

میرے نزدیک جب تک پہلی رکعت ملی تکبیر تحریمہ کا ثواب مل گیا اگرچہ فرق رہے گا مقدم و موخر میں اور بعض ابتداء میں کہتے ہیں اور بعض الحمد کے ختم تک مانتے ہیں۔

کیفیات نماز کا ذکر

ایک وعظ میں نماز کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع

یدین کے ساتھ تو ہتھیلیاں قبلہ کی جانب کی جاتی ہیں اور یہ قیام ہے ان کا۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کرے پھر ہاتھ باندھنا کہ باندھنا ہے اور یہ ان کا قیام ہے۔ پھر بدن رکوع کرتا ہے تو ہاتھ بھی رکوع کرتے ہیں جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ بدن تو رکوع کرے اور ہاتھ قیام کو جائیں۔

پھر سجدہ میں بدن کے ساتھ ہاتھ بھی ساجد ہوتے ہیں۔ رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر تشہد کے اندر نا پر انگلی اٹھائے تو ال پر جھکا دے۔ کیونکہ نہ جھکایا تو نافی کا حکم چلا جائے گا۔ (کذا فی کتب الحنفیہ من الحلوانی وغیرہ) شافعیہ کے نزدیک اشہد پر اٹھائے۔

فرمایا۔ تحریمہ سے اشارہ ہے کہ سارے کام کاج چھوڑ دئے چنانچہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ پس شروع میں سبحانک اللھم الخ ہے پھر استعاذہ۔ حدیث ترمذی میں ہے کہ ذکر و استعاذہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دشمن پیچھے ہو تو ذکر اللہ کرنے سے گویا قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جائے۔ اور دشمن خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائے۔ پھر بسم اللہ کہ وہ کلید کنجی ہے گنج کے دروازے کی۔ فارسی کے شاعر نظامی نے کہا

بست کلید در گنج حکیم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

{مخزن اسرار}

اور خسرو نے کہا

مطلع انوار خدائے کریم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مطلع انوار)

مگر نظامی زیادہ نازک خیال ہیں ان کا شعر خسرو سے بڑھ گیا۔ جامی نے کہا

ہست صلائے سر خوان کریم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سبحہ)

شیرازی نے کہا

نجم شہاب ست بدیع رقم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(شیخ ہلالی)

پھر کہتا ہوں کہ نظامی کا کلام سب سے زیادہ اونچا ہے۔

دو حدیث میں ہے کہ ساری نماز میں شرکت ہے۔ ایک تو آمین وفاتحہ میں کہ امام نے

فاتحہ پڑھی اور مقتدیوں نے آمین کہی۔ دوسرے سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد میں ہے۔ یعنی یا خدا ایسا ہی ہو کہ جیسا ہمارے امام نے مانگا ہے۔ یہ تقسیم کار ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے اتحاد و شرکت کا۔

قومہ میرے نزدیک اس لئے ہے تا کہ پورا کھڑا ہو کر سجدہ کو جائے کہ سجدہ کا کمال کھڑے ہو کر جانے میں ہے اور خصائص کبریٰ میں قوی حدیث ہے کہ خاصہ اس امت کا ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ پس اسی کے اہتمام شان کے لئے قیام قرأت سے مستقل قیام میں ادا کیا گیا۔ آمین پوشیدہ ہے کیونکہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی صفت سے ادا ہو۔

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ وحی کے وقت سب مخلوق سجدہ میں چلی جاتی ہے اور سناٹا کھنچ جاتا ہے۔ پھر ہوش میں آ کر سجدہ سے اٹھ کر فرشتے کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے سچ اور حق کہا۔

خفیہ کی نماز بھی ملاء اعلیٰ کے مشابہ ہے کہ جب قرأت ہو تو سب خاموش رہیں اور دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی دعائیں قوی حدیثوں میں منقول نہیں ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں چار انگل کی جگہ بھی خالی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع میں مصروف نہ ہو۔ ان سب چیزوں کی طرف حدیث میں اشارہ موجود ہے مگر ضرورت ہے قلب عارف کی۔ فقہاء نے ظاہری احکام تو نکال لئے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ نہ کی۔

قلب عارف کی مناسبت سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے امام رازیؒ کے آخری وقت، قرب وفات کے اشعار لعمری لقد طفت المعاهد کلها وسرحت طرفی بین تلک المعالم وغیرہ پڑھ کر سنائے اور علامہ تفتازانیؒ کے اشعار بھی بابت تحصیل علوم وفنون اور سب کا حاصل فنون کا جنون ہونا پڑھے۔ پھر حضرتؒ نے اپنے اشعار بھی سنائے۔ جو یاد ہے اور جس طرح بھی روایت کئے جاتے ہیں:۔

امن عهد ربع طالما كان ليكما اجبت بدمع من حيٍ و سلما
فقدت به قلبي و صبري و حيلتي ولم الق الا ريب دهر تصرما

و من عبرات العين ما لا اسيغه   و من غلبات الوجد ما كان اعظما
و من نفثات الصدر ما لا ابثه   و من فجعات الدهر ما قد تهجما
فاذكر ازمان الفراق و انثني   على كبدي من خشية ان تحتما
اكفكفت دمعي او كففت عنانه   و صابر يجاري الدهر حتى تقدما
فهل لم تداع او مجيب رجوته   يجاملني شيئاً دعا او ترحما
ولله حمد الحامدين و حمده   رضا نفسه من كان اكرم ارحما

حدیث میں ہے کہ آسمان میں اطیط ہے (جیسے کجاوہ کی آواز نکلتی) مارے بوجھ کے دب گیا ہے کیونکہ چار انگل کی بھی جگہ نہیں ہے۔ جہاں کوئی فرشتہ قیام میں کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں نہیں ہے وغیرہ بعض شاہان دنیا کے یہاں بھی (مثل مہاراجہ کشمیر) اور بڑی عزت سمجھے تھے جب تک وہ دربار کرتے مگر فقہ میں بادشاہان اسلام کے لئے منع ہے اور صرف خدا کے لئے جائز ہے۔

فرشتے قرآن مجید نہیں پڑھتے بلکہ اذکار اور استغفار وغیرہ میں رہتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے سبحان ما عبدناک حق عبادتک کوئی کہتا ہے۔ سبحان ما عرفناک حق معرفتک اور کوئی سبحان الابدی الابد، سبحان الواحد الاحد، سبحان الفرد الصمد، سبحان الذی لم یلد ولم یولد و لم یکن له کفواً احد

رد المحتار میں نقل ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بعد تراویح ان کو پڑھا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب کلام ذکر اللہ ہے جس کو اس نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا، لیکن اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں میں جماعت نہیں ہے۔ طبرانی کی جو حدیث ہے کہ جب کوئی حکم اترتا ہے خدا کا اور وحی آتی ہے تو سناٹا نکل جاتا ہے اور سارے فرشتے سجدہ میں چلے جاتے ہیں کوئی اس کو جماعت کہہ سکتا ہے مگر میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ ایک وقتی فطری امر ہے اور بس۔

البتہ فرشتوں نے سجدہ آدم کے وقت جماعت کی تھی۔ اجمعون کا معنے مفسرین لکھتے ہیں کہ آگے پیچھے نہیں بلکہ بیک وقت نیز یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل ہوئی پھر خاصہ بنی آدم کا ہی رہا۔

فرشتوں میں صفیں ہیں الا ولی فالاولی اور صف بندی ان ہی سے لی گئی ہے۔ امت محمدیہ کی مثل بنی اسرائیل میں یہ نہیں بلکہ وعظ کی طرح جمع ہوتے ہیں۔

صرف صف بندی کا حسن دیکھا جائے تو وہ بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ فوجوں میں بھی یہ شان پوری نہیں ہو سکتی۔ اور امام اعظمؒ نے اس کو مقاربت سے ادا کر کے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"وانا لنحن الصافون و انا لنحن المسبحون" فرشتوں کا قول ہے وہ لشکر ہیں اور ہم رعایا ہیں وہ پریڈیں وغیرہ بھی کرتے ہیں اور ہم پر پریڈ نہیں ہے اور یہ نکتہ صف بندی کا ذہن سے آپ سے ہی ادا کیا ہے ابوداؤد کی حدیث نے۔

نماز میں تعدیل ارکان نہ کرنے پر جس قدر وعیدیں آئی ہیں قیام کے بارے میں نہیں ہیں بلکہ اس میں کمی و زیادتی ہوئی ہے حتیٰ کہ سفر میں حضور علیہ وسلم نے معوذتین صبح کی نماز میں پڑھی ہے۔

حدیث صحاح میں ہے کہ حضرت عقبہؓ نے تعلیم کی درخواست کی تو آپ نے ان کو معوذتین تعلیم فرمائیں اور فرمایا کہ "ان سے زیادہ بہتر استعاذہ نہیں ہے"۔ "فلم یرنی سررت به" یعنی حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں اتنی مختصر تعلیم سے خوش نہ ہوا تو آپ نے میری اس کیفیت کو محسوس فرمایا اور اسی لئے صبح کی نماز میں معوذتین ہی پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا آپ نے سفر کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

فرمایا تعدیل ارکان کے بارے میں تشدد کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی اور پھرتیلا پن اور وقار و تمکنت کا حال رکوع و سجدہ سے معلوم ہوتا ہے قیام کے اندر نہیں معلوم ہوتا یعنی اگر قیام طویل بھی کیا کسی نے اور رکوع و سجدہ جلدی جلدی کیا تو وہ اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے جیسا ہی معلوم ہوگا اور یہ بتلائے گا کہ کچھ وقعت ہی نہیں ہے دربار خداوندی کی اور اگر قیام کم بھی کیا اور رکوع و سجدہ میں کمی نہ کرے گا تو وہ وقار و سکون و طمانیت کے خلاف معلوم نہ ہوگا۔ جیسے کوئی کسی دنیا کے دربار میں جائے اور سکون و وقار کے ساتھ خواہ تھوڑا ہی وقت ہی گزارے اور دوسرا کوئی دو گھنٹے بھی وہاں گزارے مگر بے چین رہ کر اور خلاف وقار حرکات کے ساتھ۔

اسی لئے شریعت میں رکوع و سجود کے اندر نقر غراب کرنے پر سخت[1] وعیدیں آئی ہیں۔ فرمایا کہ اسی مضمون کو میں نے کسی قدر کشف الستر میں بھی بیان کیا ہے۔

عمامہ نمازوں کیلئے

ایک وعظ میں فرمایا کہ عمامہ تین ذراع (۱/۲ ۱ گز مروجی) عام استعمال کے لئے ۷ ذراع نمازوں کے لئے اور ۱۲ ذراع کا جمعہ عیدین اور وفود کے لئے مشہور ہے اس کو علامہ جزری نے امام نووی سے نقل کیا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح ان کے خط سے یہ عبارت دیکھی ہے اور لکھا کہ میں مدت تک اس تلاش میں رہا کہ عمامہ کے بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم ہو۔

نماز و حج سے زیادہ جامع عبادت نہیں ہے

نماز و حج سے زیادہ جامع کوئی عبادت نہیں ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی عبادات میں جس قدر اجزاء تھے وہ سب امت محمدی کے لئے جمع کر دیئے گئے ہیں اور ہر نبی پر نماز ہوئی ہے

حدیث میں ہے کہ میری بعثت محاسن افعال و مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے اسی لئے حضور آخر میں ہوئے ہیں۔ پہلے حصص تھے اور آخر میں مجموعہ ہو کر آئے اور یہ اس سے اچھا ہے کہ پہلے کامل آتے اور بعد کو اجزاء آتے یہ نزول کو فطرت زیادہ پسند کرتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے

اے ختم رسل مرتبہ ات معلوم شد   دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ

یعنی آپ کا راستہ دور کا ہے کہ بہت سے مراحل و تمہیدیں طے کر کے آئے ہیں یہ شعراء ہیں۔ ان کے احساسات صحیح ہوتے ہیں۔ کسی نے جو کہا ہے کہ شعراء کی زبانیں مفاتیح ہیں۔ غیب کی وہ اسی لئے ہے کہ ان کی باتیں الصق بالمحسوسات (حس و مشاہدہ سے زیادہ لگاؤ رکھنے والی) ہوتی ہیں۔ دوسرے شاعر نے کہا

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است   ہر آنکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

غرض عبادت کے متفرق حصے پہلی امتوں کے حق تعالیٰ نے جمع کر کے امت محمدی کو دیئے۔

---

[1] دیکھا جائے کہ تعدیل ارکان کی کس قدر تاکید ہے حنفیہ کے یہاں مگر متعصب مخالفوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے خلاف کتنا طومار باندھا ہے اور طرح طرح سے مسائل ان کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے کی سعی کی ہے۔ ہدانا اللہ الحق۔ (ناقل)

حنفی نماز میں اتباع سنت

فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ حنفیوں کی نماز میں کوئی چیز خلاف سنت[1] نہیں ہے۔ البتہ شوافع حنابلہ اور مالکیوں کی نماز میں بعض چیزیں ایسی دیکھتا ہوں جو خلاف سنت ہیں باوجودیکہ وہ صلوٰۃ میں اور صفت صلوٰۃ میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ مقابلے کرنے مذاہب کے آدمیت سے باہر ہیں۔ مگر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ حدیث پر ہمارا ہی قبضہ ہے۔ حنفی کو حدیث سے کچھ تعلق نہیں ہے جبکہ حنفیوں کو کوفہ میں ہزاروں صحابہ کا حدیثی ذخیرہ ملا ہے اور سب سے بڑے حضرت ابن مسعودؓ کہ وہ بھی کوفہ میں آ گئے تھے۔

نماز میں تقسیم

فرمایا۔ نماز میں تقسیم کی دو جگہ ہیں فاتحہ امام کی اور آمین مقتدی کی لیکن ادھر بعدیت مقصود ہے اور ادھر اختصاص ہے کہ امام بھی آمین میں شریک ہو جاتا ہے۔ گویا امام کو فاتحہ کے ساتھ اختصاص حاصل ہے تو مقتدی کے لئے بعدیت کا اختصاص ثابت ہے اسی طرح تقسیم سمع اللہ لمن حمدہ میں بھی ہے کہ اس کو امام کہے گا تو پھر مقتدی ربنا لک الحمد کہے گا اور جب تقسیم ہے تو اس کے لئے کم سے کم درجہ یہ ہے کہ مقتدی بعد میں کرے اور جب بعدیت ادھر کی ہو چکے تو امام بھی شریک ہو سکتا ہے۔

فرمایا۔ یہاں مالکیہ کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ امام صاحب رکوع سے اٹھے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی بھی اٹھتے ہوئے ربنا لک الحمد کہے اور ساتھ ہی رفع

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں نہ عصبیت تھی نہ گروہ بندی، وہ صرف حق کی حمایت کرتے تھے اور اسی کو ظاہر کرتے تھے جہاں بھی ہو اور اسی کی شہادت ان کے معاصرین بھی دیتے تھے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر صرف حق کو قبول کرتی تھی، اور خود حضرت تھانویؒ مسائل مشکلہ میں اپنے اطمینان قلبی کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی درایت اور روایت سے فیصلے طلب کیا کرتے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی تبحر کو کسی سے زیادہ اعلیٰ قرار دیتے تھے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ ہم ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے گویا علمی فیصلوں کے محتاج تھے۔ علامہ کوثریؒ جیسے متبحر عالمی شخصیت نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات مطالعہ کر کے فرمایا تھا کہ اس درجہ کا جامع علوم و فنون پانچ سو سال کے بعد امت محمدی کو میسر ہوا، لہٰذا راقم الحروف کی گزارش ہے کہ حضرت کے متبحر عالمانہ فیصلوں کو معمولی اور بے وقعت نہ خیال کیا جائے۔ (مؤلف)

یدین بھی کرے۔ حالانکہ یہ خلاف سنت ہے اور موافق سنت کے امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی پورا کھڑا ہو جائے تو کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے میر سید علی ہمدانی کے اشعار پڑھے جس کا پہلا شعر یہ ہے

زسنت ہر کسے ہر دم حدیثے دیگر آغازد   رخت گر جلوہ سازد نماند ایں حکاجا

پھر اپنے فارسی اشعار بھی اسی ردیف و قافیہ کے پڑھ کر سنائے جن پر وعظ ختم فرما دیا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

خروج بصنع المصلی

فرمایا:۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے حدیث مروی ہے کہ نماز کی کنجی پاکی اور طہارت ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل تسلیم ہے اور سنن دار قطنی وغیرہ میں بجائے تحریم کے احرام کا لفظ ہے اور بجائے تحلیل کے احلال ہے جس سے اشارہ ہوا کہ نماز کو خاص مشابہت حج کے ساتھ ہے کہ جس طرح حج میں اپنے اختیار سے احرام کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں' نماز میں تکبیر تحریمہ کے ذریعے داخل ہوتے ہیں اور جس طرح حج سے حلق (سر منڈا کر) خارج ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز سے سلام کے ذریعہ نکل جاتے ہیں۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ وغیرہ اس کے قائل ہوئے کہ لفظ سلام فرض ہے اور بغیر سلام کے نماز سے نکلے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور پھر سے پڑھنی پڑے گی حالانکہ راوی حدیث مذکور حضرت علیؓ ہی کی دوسری حدیث امام شافعیؒ کی کتاب الام میں اور شرح معانی الآثار طحاوی میں اور سنن دار قطنی و بیہقی میں بھی ہے کہ جب نمازی مقدار تشہد بیٹھ چکے اور پھر وہ بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی خود ہی اپنی روایت کے ظاہر کی مخالفت کرے تو اسی کی بات زیادہ قابل قبول ہو گی' پھر جبکہ راوی بھی حضرت علیؓ جیسا عالی قدر امام المحدثین ہو تو ظاہر ہے کہ وہی اپنی روایت کردہ حدیث کے معانی و مطالب سے زیادہ واقف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیث مروی ہے کہ جب نمازی آخر نماز سے سر اٹھائے اور تشہد بھی پڑھ لے۔ پھر بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ یہ

حدیث بھی ترمذی، بخاری، نسائی، دارقطنی اور بیہقی کی ہے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ جیسے حج میں اپنے اختیارات سے داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اور شروع کرنے کے بعد جنایات حج اور منافی صلوٰۃ افعال سے اجتناب کرتا ہے۔ پھر حج سے نکلنے اور فارغ ہونے کے وقت منافی حج فعل حلق کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی طرح نماز سے بھی منافی صلوٰۃ کسی فعل کے ذریعہ خارج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں حرمت صلوٰۃ اور حرمت حج یہ دونوں تعبیریں آتی ہیں اور نماز میں آنے جانے چلنے پھرنے کو حرمت صلوٰۃ کے خلاف جانتے ہیں۔ الغرض شریعت نے یہ اطلاع دی ہے کہ نماز و حج دونوں کا شروع و آخر کسی فعل کے ذریعہ ہونا چاہئے۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے شروع کی ایک خاص صورت و ہیئت رکھی ہے کہ تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی ہو اور یہ حکم وضعی ہے۔ تکلیفی نہیں ہے اور آخر میں سلام کی ہیئت بھی خاص مقرر کی ہے جس کو ہم بھی واجب کا درجہ ضرور دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہیئت کو مکروہ تحریمی بھی کہتے ہیں مگر رکن و فرض کے درجہ میں قرار نہیں دے سکتے اس کی مفصل بحث ہماری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت فاروق اعظمؓ و حضرت ابن مسعودؓ بھی امام ابو حنیفہؒ کی طرح یہی سمجھے ہیں کہ جیسے ختم کا فعل مکرر نہیں ہے۔ اسی طرح ابتداء بھی مکرر نہیں ہے اور جس طرح تحلیل مکرر نہیں ہے تحریم میں بھی تکرار نہ ہونا چاہئے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے یہ اثر بھی مروی ہے "مفتاح الصلوٰۃ التکبیر" جبکہ کسی اور صحابی سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔

صحابہ اور رفع یدین

صحابہ حضرت علی و ابن مسعودؓ کے بارے میں مجھے علم قطعی حاصل ہے کہ ان کے متعلق

---

[1] نماز و حج کا باہم مشابہ ہونے کی تفصیل کے لئے فتح الملہم ص ۲-۱۲/۲ اور مسلک امام ابو حنیفہ کی ترجیح کے لئے العرف الشذی اور معارف السنن ص ۴۹۸/۲ اور فوائد ماجوری بھی قابل ملاحظہ ہے۔ جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا مسلک اس بارے میں بھی نہایت قوی ہے۔ ہمارے حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب سب سے الگ اور اکیلے ہوں وہاں آپ کے مذہب کی قوت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم یہ بھی واضح ہو کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ حضرت عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، اوزاعی، محمد بن جریر طبری وغیرہم بھی ہیں۔ (مؤلف)

عدم رفع یدین مشہور تھا۔ اور امام طحاویؒ نے جو کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ وہ میرے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ پھر حضرت علیؓ کی حدیث مسلم اور کارشی ہے جس میں رفع یدین نہیں ہے۔ دوسری وہ ہے جس میں رفع یدین ہے اور ان دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ وہ دو مختلف ہیں اور الفاظ کا دونوں میں فرق ہے۔ جبکہ دوسری میں ایک راوی ضعیف ہے۔

حضرت علقمہ واسود نے فاروق اعظمؓ کے ساتھ حج کئے ہیں اور اسود کہتے ہیں کہ میں دو سال فاروق اعظمؓ کی خدمت میں رہا تو ان کو رفع یدین کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ غرض حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ کا عمل بھی ترک رفع یدین ہی رہا ہے۔

(اس مسئلہ کی مکمل بحث و تحقیق رسالہ نیل الفرقدین اور بسط الیدین میں لائق مطالعہ ہے)

فتح الباری کی غلطی

فتح الباری میں ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرے۔ حالانکہ یہ بات امام شافعیؒ و شریعت دونوں کے خلاف ہے کیونکہ قومہ میں پیچھے کو ہٹنا پیچھے کئے ہوئے کی طرف ہوتا ہے اور نیا عمل جب ہو کہ سجدہ کو جائے گا اور اسی وقت رفع ہونا چاہئے یہی مقصد امام شافعیؒ کا بھی ہے اور میں جزم کرتا ہوں کہ فتح الباری میں غلط ہے امام احمدؒ کے شاگرد ابوداؤد اور ابن اثرم دو بڑے ہیں۔ دونوں امام احمد سے روایت کرتے ہیں اذا استتم قائما رفع یدیہ یعنی رکوع کے بعد جب پورا کھڑا ہو جائے تو رفع یدین کرے اور امام شافعیؒ نے بھی ام میں خود یہی لکھا ہے۔

لہذا غیر مقلدین نے جس طرح پچاس سال سے رفع یدین کیا ہے وہ تو یوں ہی گیا بیکار۔ یہ وہ سمجھے ہی نہیں کہ کس وقت ہے اور کیوں ہے۔

پھر جس وقت دعا کے بعد آمین ہوتی ہے جیسے دعاء قنوت میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب تسمیع ہو چکے تب تحمید ہونی چاہئے۔ لہذا مقتدی کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا بے محل اور بے سود ہے اور قومہ کو قومہ میں رفع یدین بھی خالی جائے گا اور امام احمدؒ کے یہاں لکھا ہوا ہے کہ امام قومہ میں ربنا لک الحمد کہے اور مقتدی رکوع سے اٹھتے ہوئے ربنا لک الحمد کہے اور ساتھ ہی رفع یدین بھی کرے اور قومہ خالی ہے۔

مالکیہ کا ارسال یدین

مالکیہ کے یہاں ارسال یدین ہے۔ عقد یدین نہیں ہے۔ استفتاح بھی نہیں ہے بعد تحریمہ ہی الحمد شریف ہے۔ یہ حدیث کے خلاف ہے تسمیہ اور تعوذ بھی نہیں ہے نہ سراً نہ جہراً۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے مجھ سے دریافت کیا کہ مالکیہ کے ارسال یدین کی کیا اصل ہے؟ اور شیعہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کے پاس دو تین آثار ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں اور کچھ نہیں ہے حالانکہ نماز جیسی چیز جو علی رؤس الاشہاد لاکھوں بار ادا کی گئی ہے۔ اس میں ایسے شاذ آثار سے کیا کام چلے گا؟"

آمین: اس کا محل شریعت نے مرکز اجتماع صلوٰۃ میں رکھا ہے۔ یعنی جیسے وعظ و بیان میں مجمع بھر جانے کے بعد وعظ و بیان کی روح اور مقصد بیان کرتے ہیں تاکہ سب آگے پیچھے آنے والے اس میں شریک ہو جائیں اسی طرح آمین کا وقت فاتحہ کے بعد رکھا ہے۔ لیکن امام شافعی کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی دونوں فاتحہ و تحمید کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی جیسا امت میں نہیں ہے یہ ان کا قول ہے مگر ہم اپنی بساط کے مطابق کلام کرتے ہیں کہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ قول غیر المغضوب الخ سبب ہے قول آمین کے لئے اور یہ جواب ہے اس کا کہ جیسے سلام کا جواب ہوتا ہے لہٰذا امام منفرد ہے فاتحہ کے ساتھ پھر آمین میں ہمارا تخصیص ہونا ضروری نہیں ہے اور جواب میں اگر امام بھی شریک ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔

یہ ہے ہمارے نزدیک منشا شریعت کا اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہنا سبب ہے ربنا لک الحمد کے لئے لیکن امام بھی ربنا لک الحمد کہے تو حرج نہیں ہے۔

قرأت

میرے نزدیک جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اور عند الحنفیہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ وہی قرأت تو یہاں مجزی ہو گئی اور مجرد قیام کے بغیر رکوع نہیں ملتا۔ لہٰذا قیام باقی رہا۔ اور جب قیام کر کے رکوع میں شریک ہو گیا تو رکوع بھی مل گیا۔ یہ تو رکعت کے حق میں ہوا پھر مجموعہ صلوٰۃ میں سے رکعت رکن ہے کہ اگر ایک رکعت بھی مل گئی تو نماز مل گئی۔ اور مجمع بھرنے کی

جیسا تین کی جگہ ہے حدیث میں ہے "من ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ"

ہیئت صلوٰۃ اور صفت

میں نے یہاں ہیئہ صلوٰۃ اور صفت صلوٰۃ میں بحث کی ہے۔ کیونکہ حدیث میں تو حسن ہے کوئی جزوی چیزیں ہماری بھی نکلیں اس لئے اس میں الجھنا فضول ہے اور یہ بھی اس لئے کہا کہ کوئی دعوے کرے کہ حدیث پر ہم ہی عامل ہیں تو تم بھی کہہ سکو کہ ہم بھی احادیث پر عامل ہیں۔ ورنہ یہ تحقیقات سب بے سود ہی ہیں بغیر عمل کے۔

حدیث طبرانی ہے "الخیر کثیر و قلیل فاعلہ" یعنی خیر تو بہت ہے مگر اس کو کرنے والے کم ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مصلی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو اس پر خدا کی طرف سے قیام کی حالت میں پھول (تجلیوں) کی بارش کرتے ہیں جیسے دولہا پر روپیہ اشرفی کی بکھیر کرتے ہیں اور رکوع کرتے ہوئے گویا رحمت نے دبالیا جس سے پشت جھک گئی اور سجدہ میں سب سے زیادہ قرب خدا سے ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ رکوع میں اظہار عظمت خداوندی پر نظر ہوتی ہے۔ سجدہ میں رب کے قدموں پر اور قیام میں رداء کبریا پر نظر ہوتی ہے اور مغفرت کمانے کی جگہ بھی قیام ہی ہے چنانچہ شافعیہ کے یہاں طاعون ہو یا جنگ ہو کفار سے تو قیام میں قنوت ہوتی ہے اور حنفیہ کے یہاں رکوع کے بعد قومہ میں قنوت ہوتی ہے جیسے جلسے میں ساری کارروائیاں ہوتی ہیں اور بیچ میں روح ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کہ رکوع وہ جگہ ہے جہاں شرکت زیادہ ضروری ہے جیسے جلسے میں دیکھا جاتا ہے کہ فلاں وقت تک شریک جلسہ ہوا یا نہیں خواہ عمدہ وقت میں نہ پہنچے۔

تذکرۂ آخرت

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مجلس وعظ کے ختم پر تذکرۂ آخرت کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ اس کا مضمون بہت عالی ہے۔

شاہراہ عدم چہ ہموار است   دیدہ بربستہ مے تواں رفتن

نابودی کی سڑک کتنی ہموار ہے کہ آنکھیں بند کر کے بھی اس پر بے تکلف چلے جاتے ہیں

پھر دوسرے دو شعر بھی پڑھے۔

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ　　دروے جمال دوست تجلی بر آئینہ
اور دل کژ است دمی اندر کف رحیم　　چوں آئینہ بدست کن دمن دہ آئینہ

تحقیق سمٰوات اور علاقۂ جہنم و جنات

فرمایا۔ یورپ جو خلا یا لطیف غیر متناہی مانتا ہے۔ میرے نزدیک یہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر متناہی کو بغیر تسلسل سماوات کے باطل نہیں مانتے پھر اسی جو میں درجات ہوں گے جن کو سموات کہہ سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ: "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماثور ہے کہ "عرش کے نیچے بھی پانی ہے اور وہ مسیرۃ خمسمائۃ عام ہے"۔ (یعنی اس کا فاصلہ بقدر پانچ سو سال کی مسافت ہے) میں سمجھتا ہوں کہ تمام السموٰات (عرش تک) پچاس ہزار سال مسیرۃ کا ہے۔ کیونکہ جنت کے ایک سو درجے ہیں اور ہر درجہ میں مسافت پانچ سو برس کی ہے لہٰذا پچاس ہزار برس کی مسافت ہوئی (کما فی البخاری) اور دنیا کا تمام علاقہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت امام مالک کا واقعہ ہے کہ ہارون رشید حج کو جانے لگے تو امام صاحب سے کہا کہ میں موطا سننا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا۔ اگلے روز خلیفہ منتظر رہے مگر امام صاحب تشریف نہ لائے بلا کر پوچھا کیوں نہیں آئے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "یہ وہاں علوم نبوت عالم سماوات سے پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر کے آئے ہیں" ان کا حق یہ ہے کہ ان کے پاس جایا جائے نہ کہ ان کو اپنے پاس بلایا جائے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیز سلف میں مشہور تھی اور اسی سے میں اس کے لئے متنبہ ہوتا اور بیان کرتا ہوں۔

ذکر اعمال

فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ دنیا اور تمام معاصی زنا، سرقہ وغیرہ سب دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے اور علامہ منذری کی کتاب "الترغیب والترہیب" میں حضرت ابو الدرداء سے حدیث مروی ہے کہ حق تعالیٰ محشر میں ندا فرمائیں گے۔ "جو عمل خدا کے لئے کئے گئے ہیں ان سب کو

۱؎ بحث الفوائد ص۴۹　۲؎ پوری تفصیل سے ترمذی شریف جلد اول ص۲۳۲ میں ہے

جنت میں لے جاؤ اور جتنے عمل غیر خدا کے لئے کئے گئے ان سب کو جہنم میں لے جاؤ۔" چنانچہ حجر اسود و مقام ابراہیم، کعبہ مکرمہ و مساجد اور دوسری متبرک اشیاء سب جنت میں پہنچائی جائیں گی۔

علاقۂ آخرت

ایک روز شاہ صاحب نے درس بخاری شریف میں فرمایا۔ یہ نہ سمجھنا کہ علاقہ نئی قسم ہے آخرت کا اور جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے اور پچاس ہزار سال تک کی مسافت تک ہے۔

جنت کا سارا اوپر کا علاقہ بطور چھت ہے اور اس سے نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے ہمیں حکم ہے کہ اعمال صالحہ کر کے اس علاقہ سے باہر نکل جائیں ورنہ بداعمالیوں کی وجہ سے یہیں پڑے رہ جائیں گے اور فرمایا کہ:۔

جنت میں عمارت تیار ہوتی ہے جب وہ مکمل ہو جاتی ہے تو موت آ جاتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ قبر میں بھی تکمیل ہوتی ہے۔ کیونکہ عمل باقی ہے قبر میں بھی۔

یہ بھی فرمایا کہ جنت کی چھت عرش رحمن ہے (جل ذکرہ) اور یہ ہو سکتا ہے کہ عرش رحمن تمام درجات جنت کے لئے چھت ہو حالانکہ وہ اوپر نیچے بھی ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ نے "قیامت نامہ" میں وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ

"جنت کے سارے طبقوں کا یہ حال ہے کہ کوئی طبقہ کسی طبقہ کی اوٹ[1] نہیں ہے گھر کی چھتوں کی طرح کھلے ہیں بلکہ عرش الٰہی سب کی چھت ہے اور یہ سب (طبقے) پائیں باغ در بلند باغ کی طرح ہیں ایک جنت دوسری جنت کی گود میں ہے"۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ اس کی مثال شالامار باغ لاہور ہے۔ اور یوں تو عالم آخرت کی چیزیں ہیں۔ خدا ہی خوب جانتا ہے۔

راقم الحروف (جامع ملفوظات) عرض کرتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کے قریب تحقیق فرمائی ہے۔ انہوں نے حجۃ الاسلام میں معجزہ انشقاق قمر پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری ص ۱۰۷۰ و مسلم ص ۳۷۸ ج ۲

ذکر حضرت نانوتویؒ حجۃ الاسلام

"اور سنئے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب کا ایک جا قائم رہنا یا حضرت علیؓ کے لئے یا کسی اور کے لئے آفتاب کا غروب ہونے کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہے مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ دل تو حکمائے انگلینڈ اور فیثاغورثیوں کے مذاہب کے موافق ان دونوں معجزوں میں زمین کا سکون یا کسی قدر اس کا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریان انگلستان بھی اس وطنی مذہب کو قبول فرمائیں گے۔ بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک و شمس و قمر کو آپ تسلیم نہ کریں نہ سہی اور اگر دربارۂ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ حکمائے انگلستان کے موافق "آسمانوں" کے اثبات کی ضرورت نہیں گو ان کے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔ اگر نجوم کو آپ آسمان سے ورے مانئے اور آفتاب کو مرکز عالم پر تجویز کیجئے تو ان کا کچھ نقصان نہیں نہ ان کی رائے و مذہب میں کچھ خلل آ سکتا ہے۔"

اسلام اور جدید سائنس

حضرت کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جدید سائنس کے نظریات سے اسلام کا نظریہ دربارۂ افلاک مخالف نہیں کیونکہ حکماء یونان اور بطلیموسیوں نے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہمارے لئے ضروری نہیں جس طرح سرے سے افلاک و سموات کے وجود ہی سے انکار کرنا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں بلکہ جس طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر کی عبارت میں اپنا رجحان ظاہر کیا ہے اس کے لحاظ سے تو جدید سائنس اور اسلام کے نظریوں میں کامل تطابق ہوتا ہے۔ دوسری بات حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ پورے نظام شمسی کو بھی ہم آسمانوں سے ورے مان سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس نظام شمسی کو پورا کہکشاں بلکہ دوسرے اور کتنے ہی کہکشاں بھی سب آسمانوں سے ورے ہوں اور جس طرح عالم علوی پچاس ہزار سال مسافت کا ہے ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ عالم سفلی (یعنی دنیا کا قریب جو آسمانوں سے نیچے کا علاقہ ہے) وہ بھی ایسا ہی طویل و عریض ہو

اور اس بات کو شاید پہلے زمانہ میں مستبعد خیال کیا جاتا مگر اب جو کچھ سائنس جدید نے کے نو ایجاد آلات اور بڑی بڑی دوربینوں کے ذریعے ریسرچ کی ہے اس سے تو یہ بات قطعاً واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری اس زمین کے گرد فضائے لامحدود ہے اربوں اور کھربوں میل تک بے شمار ستاروں اور سیاروں کے لاتعداد کہکشاں سمائے ہوئے ہیں اور کہکشاں کیا ہے؟

صرف اپنے کہکشاں کو لیجئے جس کا تعلق ہماری زمین سے ہے کہ اس کے اندر سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ثوابت ستارے ہیں پھر صرف ایک ہمارے سورج کے گرد طواف کرنے والے چالیس سیارے اور ۳۲ ذیلی سیارے ہیں جن کے مجموعے کو ہم نظام شمسی سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے ماتحت چاند زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور زمین مع چاند کے سورج کے گرد مشغول طواف ہے اور اس نظام شمسی کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ اس کے بعید ترین سیارے پلوٹو کا فاصلہ سورج سے تین ارب سڑسٹھ کروڑ میل ہے۔ قرآن مجید میں ہے وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون کہ خدا کے یہاں کا ایک دن تم دنیا والوں کے دنوں کی گنتی کے حساب ایک ہزار سال کا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا تو اس کی وضاحت مفسرین نے کی ہے اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح ہمارا ایک دن ہماری زمین کے ایک بار سورج کے گرد چکر لگانے سے بنتا ہے جو ایک کہکشاں کے ماتحت ایک نظام شمسی کے اعتبار سے ہوا پھر اگر ہمارے کہکشاں کے تمام سورج جو تقریباً ایک کھرب بتائے جاتے ہیں چونکہ وہ بھی اپنے کہکشاں کے گرد اپنی وسیع رفتار سے گھوم رہے ہیں ان کا ایک دور پورا ہونے سے بھی ایک دن بنے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بمقدار ایک ہزار سال ہو۔

اور اسی طرح فرض کیجئے کہ یہ سب کہکشاں مل کر پھر بالائی کہکشاں کے گرد بھی گھومتے ہوں اور ان کا ایک چکر پورا ہونے سے جو دن بنے گا وہ بمقدار پچاس ہزار سال ہو تو کیا استبعاد ہے اور شاید اس چکر کے پورا ہونے تک اس دنیا کے دن ختم ہو کر آخرت کا دن طلوع ہو جائے اور پھر وہاں کا دن پچاس ہزار سال کا ہی ہوا کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن بالائی کہکشانوں کا طواف بھی کسی اور بالائے بالا کہکشاں کے لئے ثابت ہو جائے اور اس کے مدار کے اعتبار سے

دن کی گرانی میں مزید اضافہ ہو۔ اور آخر میں اس امر کا مشاہدہ بھی کیوں مستبعد ہو کہ ایک وقت یہ سب لاتعداد کہکشاؤں کے نورانی ستارے اور سیارے مع اپنے تمام متعلقات و توابعات کے اس اصلی نور کل یا نور اعظم کے گرد طواف عبادت میں مشغول نظر آئیں گے (جس کے نور اعظم کے یہ سب انوار پرتو اور ظل ہیں) اور جو نور السمٰوٰت والارض پر علم الیقین کے بعد عین الیقین بھی حاصل ہو جائے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات کا اصل اور مبدا نور اللہ تعالیٰ جل ذکرہ کا نور اعظم ہے اور پھر آخرت کا دن بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دائمی متعین ہو جائے جو اس طواف اعظم طرب الاعظم کے مدار اعظم کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔

یہاں اس مضمون مذکور کی تقریب سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا ایک ملفوظ اور بھی ذکر کر دوں جو محترم مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم اور جدید میں سے اسلام سے کونسا قریب ہے؟ تو فرمایا کہ:۔

فلسفۂ قدیم و جدید

فلسفۂ قدیم ابعد عن الاسلام ہے اور فلسفۂ جدید اقرب الی الاسلام ہے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاء زمانہ (اہل یورپ) نے اسلامی چیزوں معجزات و روحانیات وغیرہ کا انکار کیا تھا ان ہی کے فلسفہ اور ریسرچ و تحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت و مشاہدہ ہو جائیں۔

چنانچہ روح اور روحانیت کا اقرار وہ کر چکے خوارق عادات بھی تسلیم ہو چکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقلی ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت و اہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے پہچانیں گے اور باتیں کریں گے حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا۔ تو اب ٹیلیفون لاسلکی تلغراف ریڈیو اور بجلی وغیرہ کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل و مشاہدہ کر دیا ہے اصوات و اعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ و ریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما

دیا تھا۔ جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل و مشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے۔
اسی طرح چند مثالیں اور ارشاد فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارک سے ہمیں آج کل کے ماحول میں اسلامیات کے سمجھنے سمجھانے کے لئے بہت بڑی روشنی ملتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فلسفۂ جدیدہ کی طرف توجہ فرمائی خود اس کو پڑھا، سمجھا اور دوسروں کو پڑھایا اور سمجھایا اور عصر حاضر کی تفسیر الجواہر لطنطاوی کے مطالعہ کی طلبہ و علماء کو تلقین کی تاکہ جدید ریسرچ کے تمام گوشوں سے باخبر ہو کر علی وجہ البصیرت علمی و دینی و تبلیغی خدمات انجام دیں۔

حضرت نانوتویؒ

اسی طرح حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہٗ کے اقتباس حجۃ الاسلام سے بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی نظر کتنی وسیع تھی اور افلاک و سموات و زمین و سورج کی گردش کے سلسلہ میں ان کی بالغ نظری نے ان کی موجودہ مشکلات کا کتنا بہتر حل تجویز فرمایا تھا۔

یورپ و امریکہ میں جو اس زمانہ میں تیزی کے ساتھ اسلامی تعلیمات و نظریات کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور وہاں کے لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں۔ اس کی بھی بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس دین کو اور سب ادیان موجودہ میں سے زیادہ عقل و مشاہدہ سے قریب سمجھ رہے ہیں اور استبعادِ عقلی کے عنوان سے جتنی چیزیں بھی سامنے لائی گئی

---

[1] مناسب ہوگا کہ جدید سائنس کے کچھ نظریات بھی بطور اختصار یہاں ذکر کر دیئے جائیں جن سے معلوم ہوگا کہ ممکن ہے شمس و قمر وغیرہ کے سلسلہ میں کیا کیا انکشافات اس وقت تک ہو چکے ہیں اور ان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس وقت روس و امریکہ والے جو چاند تک پہنچنے کی بڑی بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں اور کر رہے ہیں [illegible] جتنی اوقات صرف ہے ہو جائیں اس میں کیا رکھا ہے یہ ان کی ساری کوشش [illegible] کی اس لامحدود کائنات کے لحاظ سے جو عالم علوی اور عالم سفلی کی غیر متناہی ہے جس میں یہ بالکل معمولی سی ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت بھی نہیں رکھتی۔
صورت حال کا نتیجہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے ناقابل اور سادہ لوح عوام پر اپنی برتری و عظمت کا سکہ جما کر ان پر [illegible] کا ایک ذریعہ ہو [illegible] کہ اخبارات میں [illegible] سے ان کو شکوں کا [illegible] اسلام کے [illegible] خبروں سے [illegible] جاتے ہیں اور [illegible] کسی نے سچ کہا تھا کہ

[illegible]   [illegible]

اور فرض کر لیجئے کہ [illegible] سائنس [illegible] چاند تک پہنچ بھی جائیں تو چاند بے چارہ کیا ہے؟ [illegible] ایک [illegible] سے بھی بہت چھوٹا ہے اور [illegible] کی خدمت پر مامور ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھیں وہ سب ختم ہوتی جارہی ہیں۔

تحقیقات سائنس جدید و ہیئت جدیدہ

پہلے چند چیزیں بطور تعریفات کے لیجئے تاکہ جدید تحقیقات بسہولت سمجھ سکیں۔

ستارہ و سیارہ

ستارے وہ ہیں جن میں خود اپنی روشنی ہوتی ہے اور وہ بہ نسبت سیاروں کے ساکن تصور ہوتے ہیں اگرچہ وہ تمام ثوابت بھی مرکز کہکشاں کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور سیارہ میں اپنی روشنی نہیں ہوتی اور وہ کسی ستارہ کے گرد گھومتے ہیں۔

کہکشاں

علم فلکیات جدیدہ میں اس سے مراد ثوابت ستاروں کا ایک عدسہ کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے دور واقع ہے یہ ہماری کہکشاں ہے جس کا ایک جزو ہمارا نظام شمسی ہے اور اس کی موٹائی یا بلندی ۳۷ ہزار نوری سال ہے۔ یعنی ۳۲ ہزار ضرب میل اور چوڑائی تین لاکھ نوری سال ہے۔

ہماری اس کہکشاں مذکور کے علاوہ اور بھی کہکشاں ہیں جن میں سے بعض تک نو ایجاد طاقتور دوربینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے۔ مثلاً کہکشاں سیہ بڑا اینڈرومیڈا جو ہم سے آٹھ لاکھ پچاس ہزار نوری سال دور ہے اور اس کا قطر ۴۵ ہزار نوری سال ہے اور یورپ کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ایسے بہت سے کہکشاں مل کر ایک بالائی کہکشاں بناتے ہیں اور اسی طرح کے لاتعداد بالائی کہکشاں فضا کی لا متناہی وسعتوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

خلاصہ

آسمان پر چوڑا سا راستہ نظر آتا ہے یہ اسی عدسہ کا کنارہ ہے جو جہاں لاتعداد ستارے جمع ہیں۔

[بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق] آگے جو مشاہدہ ہوگا وہ ان حدود سیاروں اور کہکشاؤں تک بھی رسائی کی غرض اور حد ہوئی ہو ہے جن کے کم ہونے یا بلندی کے تصور سے بھی حیرت ہے کہ خود ان خلا نوردوں کے ہاتھ آنے والی کی ناپ ہوتے ہیں جن کے تک پہنچنے میں [illegible] تھک کر تا بھی رہ دور کی بات ہے اور فرض کر لو کہ یہاں تک بھی کسی وقت رسائی ہو گئی تو پھر یہ نظر پڑا تھا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ اور اس طرح نئے نئے تحدید [illegible] کی تصنیف کی ختم نہ ہو سکے گی۔

نوری سال

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اس رفتار سے روشنی ایک سال (۳۶۵ دن) میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں۔ {LIGHTYEAR}

نظام شمسی

یہ ہمارے کہکشاں کے اندر واقع ہے اور اس کا نہایت حقیر جزو ہے کیونکہ ہمارے سورج کے متعلق کل چالیس سیارے اور ثانوی سیارے ہیں جن کی وجہ سے "نظام شمسی" بولا جاتا ہے کیونکہ سورج اپنے نظام شمسی کے تمام سیاروں اور ثانوی سیاروں (چاند وغیرہ) کی حرکات و سکنات پر چھایا ہوا ہے اور ہمارے کہکشاں کے اندر ہمارے سورج کی طرح تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے اور بھی ہیں (اس سے اندازہ لگایئے کہ ایک کھرب ستاروں سے متعلق بھی کتنے سیارے اور ثانوی سیارے اور ہوں گے) اس کے بعد دوسرے انکشافات ملاحظہ کیجئے۔

زمین

یہ سورج کا ایک سیارہ ہے اور نظام شمسی کا ایک نہایت حقیر جزو اس کا قطر خط استوا پر ۷۹۲۷ میل ہے اور قطبین پر ۲۷ میل کم یعنی ۷۹۰۰ میل کا ہے۔ اس کا محور ۲۳-۱/۲ درجہ جھکا ہوا ہے اسی لئے دن رات برابر نہیں ہوتے۔ ورنہ ہمیشہ ۱۲، ۱۲ گھنٹے کے دن رات ہوا کرتے اور موسمی تغیرات بھی ایسے نہ ہوتے۔

سورج سے اس کا فاصلہ تقریباً ۹ کروڑ ۲۹ لاکھ میل ہے اپنے مدار پر ۱۸'۱ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھومتی ہے سورج کی طرح سے یہ بھی سکڑ رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرکز تک سکڑ کر رہ جائے گی یہ اسی طرح بے جان کہلائے گی جس طرح اس وقت چاند ہے۔ زمین سے تقریباً ۵۰ میل تک کرہ ہوا ہم کو ملتا ہے (زمین کی تین حرکتیں ہیں (۱) رات دن میں اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ گرد سورج (۲) سالانہ گرد سورج دوری حرکت فی گھنٹہ (۳) اپنے نظام شمسی کے ساتھ نقطہ لامتناہی میں بحساب فی گھنٹہ چل رہی ہے۔ تفصیل انوار ایجادی میں کی گئی ہے۔

چاند

زمین کا تابع ہے زمین سے اوسط فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے۔ چاند کا جسم زمین سے ۱/۵۰ ہے۔ زمین کی رفتار دن بدن گھٹ رہی ہے۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کئی کئی سو گھنٹے میں زمین اپنے محور پر ایک چکر لگائے گی۔ یعنی کئی سو گھنٹے کا دن ہوگا اور چاند بھی کافی مدت میں ایک چکر لگائے گا۔

سورج

یہ نظام شمسی کا مرکز ہے اس کا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے۔ علاوہ حرکت محوری کے اس کی حرکت دوری بھی ہے (جو مرکز کہکشاں کے گرد ہوگی) خود اپنے محور پر ۲۶ ۱/۲ دن میں پورا دورہ کر لیتا ہے۔ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور اس میں ذاتی حرارت موجود ہے ایک چیز کا وزن اگر زمین پر ایک پونڈ ہو تو سورج کے قریب اسی کا وزن ۲۸ پونڈ ہوگا سورج سے حرارت برابر نکل رہی ہے اسی لئے اس کا قطر یا جسم سکڑ رہا ہے۔ ۲۵ سال میں ایک میل کے قریب یا ایک صدی میں چار میل اس کا جسم یا قطر سکڑ جاتا ہے۔

سورج میں اس قدر روشنی ہے کہ جس قدر ۵۵۶۳ موم بتیاں ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو۔ سورج کی روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ اسی لئے اس کی روشنی بعد طلوع ۸ منٹ میں زمین تک پہنچتی ہے اور غروب کے بعد ۸ منٹ تک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد چند دیگر اہم معلومات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ستاروں میں آفتاب سب سے چھوٹا ستارہ ہے اور سب سے نزدیک بھی۔

(۲) ہم سے نزدیک ترین سیارہ سیریس (SIRIUS) یا کوکب سگ ہم سے آٹھ نوری سال بعید ہے۔ یعنی ۴۸ کھرب میل دور ہے اور اس کی روشنی ہم تک چار سال میں پہنچتی ہے۔

(۳) بعض ستارے ایسے ہیں کہ جن کی روشنی دو ہزار برس میں زمین تک پہنچتی ہے۔ یعنی جو روشنی ہمیں اس وقت بعض ستاروں کی نظر آ رہی ہے وہ دو ہزار برس پہلے وہاں سے روانہ ہوئی۔

اور سنیئے: ـ بعض ستاروں کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں آتی ہے اور ایک ستارہ حال میں دریافت ہوا ہے جس کا فاصلہ زمین سے تھوسوبھا سنکھ میل ہے اسی سے ستاروں

کی دوری کا اندازہ ہوگا اور ان تمام حیرت انگیز تحقیقات و ریسرچ کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے آگے بڑھئے اور ملاحظہ کیجئے کہ ان جدید فلاسفروں کے دل و دماغ پر دوسرے اثرات کیا پڑ رہے ہیں ایف آر مالٹن کہتے ہیں کہ:۔

''کائنات کا حجم یا لامحدودیت انسان کے لئے اتنی زیادہ اہم نہیں بلکہ جس چیز سے انسان ششدر رہ جاتا ہے وہ کائنات کی مکمل باضابطگی ہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں، کوئی چیز خلاف توقع نہیں ہے''۔

دیکھا آپ نے کہ دنیا اور دنیا والے کہاں پہنچ رہے ہیں اور آپ کا اپنا مقام کہاں ہے؟

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

اس قسم کا اعتراف بھی اگر صانع عالم اور خدائے برتر جل ذکرہ کا اعتراف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سچ کہا تھا اکبر مرحوم نے

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے   انہیں ساحل نہیں ملتا انہیں کشتی نہیں ملتی

یعنی جن کے پاس خدا کی آیات و مظاہر میں غور و فکر کرنے کے لئے آلات و اسباب اور دل و دماغ کا سکون مہیا ہیں۔ ان کو تو ساحل مراد اور منزل مقصود کا پتہ نہیں اور جو اس سے واقف ہیں۔ ان کے پاس وہ آلات و اسباب وغیرہ نہیں ہیں کہ ان کے ذریعہ وہ ایمان و یقین کی دولت میں اضافہ کر لیں۔

ملفوظ مبارک مذکورہ بالا بابتہ تحقیق سموات مجلس میں پڑھ کر جناب محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی دام مجدہم نے ''صدق جدید'' میں اپنے خاص تاثرات کا اظہار فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

ایک غیر محتمل حقیقت

علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کا تبحر جو بزرگان دیوبند اور فضلاء پر روشن ہے محتاج بیان نہیں آپ کے ملفوظات دیوبند کے ایک ماہنامہ میں قسط وار نکلتے رہتے ہیں اس کا ایک تازہ اقتباس:۔

''میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم و جدید میں اسلام سے کونسا قریب

ہے؟ تا علی وجہ البصیرت علمی و دینی و تحقیقی خدمات کریں۔

بات ہے صاف اور کھلی ہوئی لیکن صدیوں کے تعصب اور مذاق قدیم کی پاسداری نے پردے بھی اس پر ایسے دبیز ڈال دیئے کہ اس حقیقت تک رسائی کے لئے ضرورت انور شاہؒ ہی جیسے علامہ وقت کی بصیرت ربانی کی پڑی۔ کاش ان کے اس قسم کے ملفوظات کی اشاعت اسی وقت ہو گئی ہوتی تو بہت سے بے زبانوں کے بھی زبان ہو جاتی اور اس سے متوسط فضل میں کم سے کم مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے فاضل یگانہ تو اسی کے سہارے بہت کچھ لکھ ڈالتے۔ (صدق جدید ۲۹ جنوری ۶۱ء)

آج کل اخبارات و رسائل میں یہ بحث بھی چلی ہوئی ہے کہ فضائی سیاروں میں جاندار مخلوق ہے یا نہیں اور اسلامی لٹریچر سے اس بارے میں کیا روشنی ملتی ہے۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی نقطہ "فلاح آخرت" ہے۔ دنیوی زندگی کی مادی ترقیات یا موجودات عالم کے حقائق سے بحث اس کا موضوع نہیں۔ اسلام کسی ترقی یا تحقیق کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں جو اشارات حضرات مفسرین قرآن مجید نے اخذ کئے ہیں۔ ان کو مخدوم و محترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی مد فیضہم نے اپنے مخصوص دلنشین طرز سے جمع کر دیا ہے۔ اس لئے مناسب نظر آیا کہ اس موقع پر ان کو بھی بطور حاشیہ یہیں لے لیا جائے۔

ذی حیات مخلوق سیاروں میں

سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ میں ایک آیت آئی ہے جو مع ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

ومن اٰیٰته خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیهما من دابة وهو علی جمعهم اذا یشاء قدیر (آیت ۲۹)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کر لینے پر جب وہ چاہے قادر ہے۔

اللہ کے کلام کا حرف حرف برحق لیکن جانور آسمانوں پر کہاں جانوروں کا تعلق بس اسی زمین سے ہے۔ آسمان پر تو انسان بھی نہیں چہ جائیکہ گھوڑے اور اونٹ شیر اور ہاتھی بھی ہو

جانوروں کے وجود کا تعلق آسمان وزمین کے مجموعہ سے ہے نہ کہ دونوں جگہوں سے فرداً فرداً مجموعہ کے ایک جز پر بھی جس چیز کا تعلق ہوگا اس کا اطلاق مجموعہ پر بھی درست ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ عام ہے اور خود قرآن مجید ہی میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں البحرین (آب شیریں اور آب شور کے دو ذخیروں) کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے کہ۔

یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان

دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں صرف سمندر (آب شور) میں پائی جاتی ہیں نہ کہ دریاؤں (آب شیریں) میں۔ تو قرآن نے ان کے وجود کا اطلاق دونوں قسم کے پانیوں کے مجموعہ پر کر دیا۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے کہ جانور صرف پائے تو اسی زمین پر جاتے ہیں اور قرآن نے اس کا اثبات آسمان وزمین کے مجموعہ کے ساتھ کیا ہے۔

الدواب تکون فی الارض وحدها لکن یجوز ان ینسب الشیء الی جمیع المذکور وان کان ملتبساً ببعضه (کشاف)

جانور تو اکیلے زمین پر ہی پائے جاتے ہیں لیکن یہ بالکل جائز ہے کہ ایک شے ایک مجموعہ کی طرف منسوب کر دی جائے حالانکہ اس کا تعلق اس کے صرف ایک جزو سے ہے۔

کشاف کی اسی عبارت کو مدارک میں نقل کر دیا گیا ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

مما یدب علی الارض وما یکون فی احد الشیئین یصدق انه فیهما فی الجملة

جو چیزیں زمین پر چلتی ہوں اور جو دو چیزوں میں سے ایک میں پایا جائے درست ہے کہ وہ ان کے مجموعہ کے لئے بھی کہہ دیا جائے۔

اور بھی اہل تفسیر اس طرف گئے ہیں لیکن جب تک کوئی خاص قرینہ اس کا مقتضی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تنگ معنی کیوں لئے جائیں اور وہی وسیع معنی ظاہر الفاظ سے قریب تر کیوں نہ سمجھے جائیں کہ دابہ (جاندار مخلوق) کا وجود زمین میں بھی ہو اور آسمانوں میں بھی! قدیم مفسرین کو تو یہ دشواری بے شک لاحق تھی کہ اس زمانہ میں جبکہ مہذب دنیا کے علوم وفنون پر

حکومت یونان کی پھیلائی ہوئی تھی۔ یہ تصور بھی کون لا سکتا تھا کہ آسمانوں پر بھی چلتی پھرتی مخلوق اسی دنیا کی طرح موجود ہے؟ اس وقت علم کی وسعت اور روشن خیالی کا عین اقتضا یہی تھا کہ کلام الٰہی کو ایسے محال دعوے کا ہر ممکن تاویل سے بچایا جائے اور "نقل" کی وہی تعبیر کی جائے جو معاصر "عقل" کے مطابق و موافق ہو۔ لیکن آج بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب اجرام فلکی میں جاندار مخلوق کے وجود کا عقیدہ عقل حاضر پر بار نہیں رہا ہے اور بجائے محال اور مستبعد ہونے کے اس کا امکان روز بروز قریب تر و روشن ہوتا جا رہا ہے کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کو اس کے ظاہر پر نہ لیا جائے؟ قرآن مجید کا اعجاز مسلسل رہا ہے۔ ہر دور ایک نئی دلیل اور نئی شہادت اس کے کلام برحق ہونے کی پیش کرتا رہتا ہے۔ کتنا بے دھڑک اس نے یہ دعویٰ اجرام فلکی میں جاندار آبادی کے موجود ہونے کا کر دیا اس وقت جبکہ روئے زمین کے بڑے بڑے عاقلوں فاضلوں سائنسدانوں میں سے کوئی بھی اس کے ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

لیکن قرآن مجید کے علاوہ ہر مسلمان کا تو ایمان ہی اس کے حرف حرف کے منزل من اللہ ہونے پر ہے اور اس کا بڑے سے بڑا کمال اور بڑے سے بڑا اعجاز بھی اب مومن کے ایمان میں اضافہ نہیں کر سکتا لیکن قربان جایئے قرآن مجید کے ان مخلص خادموں کے جو ہم ہی آپ کے سے دنیوی بشری علم و فہم رکھنے والے تھے۔ اسی خدمت قرآن مجید کی برکت سے ان کا ذہن کیسا رسا ہو گیا اور کیسی کیسی پتے کی باتیں ان کے قلم سے بھی نکل گئی ہیں۔

زمخشری پانچویں صدی اور چھٹی صدی ہجری کے شروع کے آدمی ہیں اور اپنے اعتزال کے لئے بدنام بھی۔ دیکھئے کیا کہہ گئے ہیں۔

ولا یبعد ان یخلق فی السموات حیوانا یمشی فیها مشی الاناسی علی الارض (کشاف)

اس میں کوئی بعد نہیں کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی ایسے جانور پیدا کر دیے ہوں جو وہاں اسی طرح چلتے پھرتے ہوں جیسے زمین پر انسان چلتے ہیں۔

اور یہ چلنے پھرنے کی قید اس لئے کہ خود دابہ کے معنی بھی چلنے پھرنے والے کے ہیں۔

زمخشری کی عبارت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آگے سنئے۔

سبحان الذی خلق ما نعلم وما لا نعلم من اصناف الخلق

پاک ہے وہ ذات جس نے ایسی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جسے ہم جانتے ہیں اور ایسی بھی جسے ہم نہیں جانتے۔

سبحان اللہ وبحمدہ زمخشری معتزلی ہیں۔ کہیں صوفی ہوتے تو بے تامل ان کے لئے کہا جا سکتا تھا کہ فوق العادۃ کشف تکوینی کے مالک تھے اور نگاہ دور بین ملکوتی رکھتے تھے۔

اور پھر یہ نکتہ بھی زمخشری تک محدود و مخصوص نہ رہا، کبیر و مدارک جس پایہ کی تفسیریں ہیں۔ کسی صاحب علم پر مخفی نہیں، دونوں نے کشاف کی عبارت کہنا چاہئے کہ تقریباً لفظ بلفظ نقل کر دی ہے۔

لا یبعد ما یقال ان اللہ تعالیٰ خلق فی السموات انواعا من الحیوانات یمشون مشی الاناسی علی الارض

اس میں کوئی بعد نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی بعض قسم کے جانور پیدا کر رکھے ہیں جو ایسے ہی چلتے پھرتے ہیں جیسے انسان زمین پر۔

اور اس سے ملتی جلتی عبارتیں مفسر ابن حیان کی بحر المحیط اور شیخ الاسلام ابو سعود کی تفسیر میں ملتی ہیں اور نظامی نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن نے یوں واشگافتگی دی ہے۔

ویجوز ان یکون فی السموات انواع اخری من الخلائق یدبون کما یدب الحیوان فی الارض

ممکن ہے کہ آسمانوں میں بھی کوئی ایسی مخلوق ہو جو اس طرح چلتی ہو جیسے حیوان زمین پر چلتے ہیں۔

اور ہمارے علامہ آلوسی بغدادی تو ابھی انیسویں صدی عیسوی کے وسط کے آدمی تھے۔ جو عصری تحقیقات اور یورپی انکشافات سے فی الجملہ آشنا ہو چکے تھے۔ ان کے ہاں اگر تصریح اس حد تک پہنچ گئی ہے تو اس میں کچھ زیادہ حیرت کی بھی بات نہیں۔

لا یبعد ان یکون فی کل سماء حیوانات و مخلوقات علی قدر شتی وصوران مختلفة لا نعلمها (روح المعانی)

اس میں کچھ بھی بعد نہیں کہ ہر ہر آسمان پر حیوان اور مخلوقات بھانت بھانت کے اور مختلف قسم کے موجود ہوں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ترین مفسر گزرے ہیں ذرا دیکھئے گا کہ کس صفائی قلب کے ساتھ گویا چودھویں صدی ہجری کو پڑھ لیا تھا لیکن اس کے قبل خود دابہ کی تشریح اہل لغت کی زبان سے سن لیجئے۔

كل ماشي على الارض دابة (تاج العروس لسان العرب)

زمین پر ہر چلنے والا دابہ ہے۔

اور پھر آیات قرآنی کا حوالہ دے کر قول نقل کیا ہے:۔

والمعنى كل نفس دابة (تاج لسان) مراد یہ ہے کہ ہر نفس پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور آگے پھر قول نقل کئے ہیں۔

قيل من دابة من الانس والجن وكل مايعقل و قيل انما اراد العموم (تاج لسان)

کہا گیا ہے کہ اب ہر انس و جن و صاحب عقل مخلوق ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے عموم ہی مقصود ہے۔

دابہ کے اسی وسعت مفہوم کے مدنظر مضمون کے شروع میں آیت قرآنی میں دابہ کا ترجمہ جانور سے نہیں۔ جو "حیوان" کا مرادف ہے۔ بلکہ جاندار سے کیا گیا جو اس سے کہیں زیادہ مفہوم رکھتا ہے۔

دابہ کی اسی وسعت و عموم کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب مفسر دمشقی کی اس شرح و تفسیر کا لطف اٹھائیے۔

وهذا يشمل الملائكة والانس والجن وسائر الحيوانات على اختلاف اشكالهم و الوانهم و طباعهم و اجناسه وانواعهم وتفرقهم في اقطار السموات والارض (ابن كثير)

یعنی دابہ شامل ہے فرشتوں اور انسانوں اور جنات اور سارے حیوانات کو باوجود ان کے شکل رنگ طبیعت جنس و نوع کے سارے اختلاف کے اور اللہ نے انہیں پھیلا رکھا ہے اطراف زمین و آسمان میں۔

اور سب سے بڑھ کر کمال دکھایا ہے تابعی مجاہد بن جبیر نے جو دوسری بھی نہیں۔ بلکہ پہلی صدی ہجری میں گزرے ہیں جب کسی ذہن میں تصور بھی سیاروں میں آبادی کا نہیں ہوا

تھا۔ وہ آیت قرآنی کی بنا پر اس وقت بھی آسمانوں میں آبادی کے قائل ہو گئے تھے۔

وظاهر الآية وجود فلك في السموات وفي الارض وبه قال مجاهد (روح)

آیت کے ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے کہ ایک کا وجود آسمانوں میں بھی ہے اور زمین پر بھی اور یہی قول مجاہد کا ہے۔

آخر میں اتنا اور ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید نے لفظ سمٰوات جہاں جہاں استعمال کیا ہے۔ اس کے اسی عموم میں کیا ہے جو لغت عرب میں موجود ہے۔ یعنی ہر بلند شے۔ ہر وہ شے جو زمین سے اوپر کی طرف معلوم ہوتی ہے اور جس کے تحت میں بادل سحاب اور سارے اجرام فلکی آ جاتے ہیں۔ یونانی فلسفہ کے اصطلاحی فلک اور فلک الافلاک کا مرادف وہ ہرگز نہیں اور سیارے آج جتنے پائے جاتے ہیں بہر حال احاطہ سماوات ہی کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ایک مریخ کیا معنی سارے ہی سیاروں میں اگر آبادی کا وجود محقق ہو جائے تو مومن کو اپنے ایمان کی طرف سے مطلق خطرہ نہیں۔ اس کا ایمان صرف قرآن مجید پر ہے اور اس کی ان شرحوں پر جو لغت عرب اور ارشادات رسول معصوم کے مطابق ہوں نہ کہ ان تعبیرات پر جو یونان یا یورپ کسی کے بھی فلسفہ میں ڈھال کر پیش کی جائیں۔

تائیدی اشارات

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی تھی کہ حکماء یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہم پر لازم نہیں اور نظام شمسی اور اس کے متعلقات سب کا وجود آسمانوں کے نیچے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جنت اور جہنم کے علاقوں کی بھی کسی قدر نشاندہی کی گئی تھی۔ ان کی تائید ملاحظہ ہو:۔

فلک کی تفسیر

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت مبارکہ **کل فی فلک یسبحون** کا ترجمہ فرماتے ہیں:۔

ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں پھر فائدہ دکر ہر ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے

اسی راہ پر تیرتا ہے۔ معلوم ہوا ستارے آپ چلتے ہیں یونہیں کسی تہ ساتھ نہیں گڑے ہوئے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو تیرتا نہ فرماتے۔ (موضح القرآن)

(۲) فی فلک عن ابن عباسؓ الفلک السماء والجمہور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم یسبحون یسیرون ای یدورون (مدارک التنزیل ص۹۶/۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ فلک سماء ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے نیچے موج مکفوف (مدور ٹھہری ہوئی فضا) فلک ہے اور اسی میں سورج چاند ستارے چکر لگا رہے ہیں (مدارک، روح المعانی وغیرہ)

اکثر مفسرین نے فلک کے بارے میں موج مکفوف تحت السماء ہی کا نظریہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف ہی میں یہ رائے مقبول و حقیقت کے درجہ میں تھی کہ شمس و قمر و سیارات و نجوم سب اپنے اپنے مدار (فلک یا موج مکفوف) میں چکر لگا رہے ہیں اور اس موج مکفوف کا علاقہ یا اس کے طبقات کی چوڑائی اور وسعت غیر معمولی ہے کہ لاکھوں نجوم و سیارے اس میں سمائے ہوئے ہیں اور یہ سب آسمانوں کے نیچے ہیں۔

(۳) فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیرہ ہے اس لئے مدار کو فلک فرما دیا، خواہ وہ آسمان ہو فضا بین السماء تین یا فضا بین الارض والسماء ہو یا نفس سماء ہو۔ کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور سلف سے تفسیریں مختلف ہیں (کما فی الدر المنثور) اس لئے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔

اور اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ شمس کی حرکت کسی مدار پر نہیں تو خواہ اس کی حرکت وضعیہ ہو جو محور پر ہے ایک گردش تو ہے پیدا کرتی ہے فلک اس کو بھی عام ہو جائے گا اور اگر اس کی حرکت بھی کسی کوکب کے گرد ہوتی ہو جیسا کہ صاحب روح المعانی نے سورۂ رحمن میں آیت الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر میں بعض فلاسفہ جدید کا قول نقل کیا ہے تو فلک بمعنی مداری بے تکلف رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور حرکت وضعیہ بھی دال علی القدرۃ ہے کہ اتنے بڑے جسم میں تصرف ہے اور یہی مقصود

مقام ہے۔ پس مقصود بالافادہ پر دلالت ہو جائے گی۔ (بیان القرآن)

علاقہ جہنم

(۱) روح المعانی جلد ۲۷ والبحر المسجور کے تحت اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں درج ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی سے سوال کیا کہ تمہاری تورات میں دوزخ کا مقام کہاں ہے؟ اس نے کہا بحر، آپ نے فرمایا میں اس کو سچا سمجھتا ہوں اور پھر آپ نے آیت والبحر المسجور اور واذا البحار سجرت تلاوت فرمائی۔

(۲) ترمذی شریف باب التفسیر میں والبحر المسجور کے تحت درج ہے کہ مسجور کے معنی آگ بھڑکایا ہوا اور حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ سمندروں کو بھڑکا کر ان کا پانی خشک کر دیا جائے گا کہ ایک قطرہ بھی ان میں نہ بچے گا۔ اسی طرح واذا البحار سجرت کے تحت بھی ہے۔

(۳) مختصر تذکرہ القرطبی للشعرانی میں باب ماجاء ان جهنم فی الارض وان البحر طبقها لکھا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سمندروں کے نیچے نار (جہنم) ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت واذا البحار سجرت کا مطلب بیان فرماتے تھے۔ "جب سمندروں کو بھڑکا کر نار جہنم بنایا جائے گا"۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سمندروں کو طبقات جہنم میں سے شمار کرتے تھے۔

(۴) مسلم شریف (باب مواقیت الصلوٰۃ) میں متعدد احادیث ہیں کہ ظہر کی نماز دوپہر کی شدید گرمی کے وقت سے مؤخر کی جائے کیونکہ دوزخ[2] کے سال میں دو سانس

---

[1] مولانا مفتی جمیل الرحمن صاحب مدظلہ نے حضرت شاہ صاحبؒ ہی سے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے کہ فرمایا ہم سب اس جہنم کے علاقہ میں ہیں اور یہاں کی سب چیزیں یہ جہنم بننے کے لئے مستعد و تیار ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا یہاں آتی ہے مجھے اس میں تحقیق ہوئی ہے دوسروں کی رائے میں نہیں۔ کہ مجھے مراد موقوف پایا جائے۔

[2] اس حدیث کی مکمل و مدلل شرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم کے قلم سے نقش دوام بابت ماہ جمادی الاخری ۱۳۹۸ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

جس طرح زمین کا اوپر کا حصہ سرد ہے اور اندر آگ کا کرّہ ہے اسی طرح سائنس والے کہتے ہیں کہ سورج کی سطح پر (جو اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کی مانند سرد ہے) صرف بارہ ہزار درجے کی حرارت ہے۔ جبکہ اندر وسط سے قریب [illegible] بھی پانی اور ہر جز دو درجہ حرارت سے نکل جاتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتے ہیں۔ ایک موسم سرما میں دوسرا موسم گرما میں اور جو کچھ تم سخت سردی محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس سے ہے اور جو کچھ سخت گرمی ہوتی ہے وہ بھی اسی کے سانس سے ہے۔

سائنس جدید کی بھی تحقیق یہ ہے کہ کرۂ ہوا کے اوپر (جو زمین سے ۲۰ کلومیٹر تک ہے) سخت برودت ہے جس کو کرۂ زمہریر کہہ سکتے ہیں اس میں اگر انسان کو سر داخل ہو جائے تو ایک سیکنڈ سے بہت کم میں برف بن جائے اور زمین کے اندر حرارت ہے یا آگ زمین کے اندر ۹۰ کلومیٹر پر ہے اور یہی مقدار قشرِ زمین کی موٹائی ہے۔ جس کی نسبت پوری زمین سے وہی ہے جو انڈے کے چھلکے کو انڈے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا زمہریر ہمارے اوپر ہے اور سعیر نیچے ہے اور دونوں کا تعلق مطابق حدیث مذکور جہنم سے ہے۔

نیز جدید تحقیق یہ بھی ہے کہ زمین سورج کا ہی ایک ٹکڑا ہے جو اس سے الگ ہو کر ایک مدت تک سخت گرم رہا پھر اوپر کا حصہ سرد ہو کر قابل سکونت ہوا کیونکہ سورج کو آگ کا دہکتا ہوا کرہ مانتے ہیں۔

یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ زمین کے تمام حصے زلزلوں کی زد میں ہیں اور سالانہ تیس ہزار اور روزانہ ایک سو زلزلوں کا اوسط مانا گیا ہے اور چونکہ اکثر زلزلے ہلکے ہوتے ہیں یا سمندروں میں ہوتے ہیں اس لئے ہمیں محسوس نہیں ہوتے۔

اور وجہ زلزلوں کی کثرت کی یہ ہے کہ ہم زمین کے کرۂ نار پر رہتے ہیں جو اندر کی آگ کی وجہ سے ہمیشہ مضطرب اور بے قرار رہتا ہے۔

اور ہمارے اور اس آگ کے درمیان زمین کا چھلکا حائل ہے جو ہر وقت حرکت و اضطراب کے لئے آمادہ و مستعد ہے چونکہ نیچے کی آگ کی وجہ سے اس میں سکڑنے اور نشیب و فراز کی کیفیت ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اس انکشاف کے بعد حدیث ان البحر نار یا ان تحت البحر نارا یا ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لہٰذا اس کی کل حرارت جو زمین کو پہنچتی ہے وہ اس حرارت کے مقابلہ میں جو اس کی اندرونی اصلی حرارت ہے کچھ ادنیٰ حصہ ہے گویا یہ بھی جہنم کا ہی حصہ ہے اور سورج بالکل اسی طرح شعلے [illegible] کرتے اس دنیا کے جن حصوں میں مستور ہیں اور ان کا ظہور [illegible] ہوگا ظاہر ہے کہ اس وقت یہ سب جہنم کی شاخیں بن جائیں گے [illegible] اس اندھیری کی اور کوئی مددگار قوت و طاقت اس عذاب الیم سے نجات دینے والی نہ ہوگی۔ اللھم [illegible] بجاہ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کما تحب و ترضی

البحر من جهنم احاط بهم سرادقها کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ اندر جو آگ ہے وہ اوپر کی زمین کی آگ سے دسیوں گنا زیادہ قوی و شدید ہے اس سے حدیث کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہماری آگ جہنم کی آگ سے ستر درجہ گرمی میں کم ہے یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مسلم شریف میں ہے۔

علاقہ جنت

فرمایا۔ ساتویں آسمان سے عرش تک جنت کا علاقہ ہے اور نیچے سب دوزخ کا علاقہ ہے لیکن بعض چیزیں جنت کی عاریت آئی ہوتی ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے ما بین منبری و بیتی روضة الخ یعنی وہ حصہ جنت سے آیا ہوا ہے اور وہیں چلا جائے گا۔

حدیث بخاری میں ہے کہ خدا سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ فردوس کی چھت عرش ہے۔

اور عند سدرة المنتهى آیا ہے اور وہ بروئے حدیث ساتویں آسمان پر ہے۔

لا تفتح لهم ابواب السماء کی تفسیر

فرمایا۔ (۱) آیت کریمہ لا تفتح لهم ابواب السماء کے تحت تفسیر خازن اور بغوی أعظم التفاسیر وغیرہ میں ہے کہ کفار کے اعمال و ادعیہ ان کی زندگی میں اور موت کے بعد ان کی ارواح آسمانوں پر نہیں جاتیں اور نہ جنت میں داخل ہوں گی اور ان کی ارواح کو سجین کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے اور ارواح مومنین کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور حضرت براء بن عازب سے مرفوعاً بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں کے اوپر ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام سے ماثور ہے کہ فرمایا "جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں"

(۳) علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں میں ملاقات کی" اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں میں ہے۔

(۴) حضرت ابن مسعودؓ سے ماثور ہے فرمایا۔

"قیامت کے دن ساری زمین دوزخ ہو گی اور اس کے علاوہ جنت کا علاقہ ہے اور اہل اللہ عرش کے سایہ میں ہوں گے"۔

(۵) روح المعانی میں آیہ کریمہ والسقف المرفوع کے تحت حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سقف مرفوع سے مراد عرش الٰہی ہے وہ جنت کی چھت ہے۔

(۶) قرآن مجید میں متعدد جگہ فی جنة عالية آیا ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جنتیوں کا مقام و محل عالم علوی ہے۔

روح کی گرفتاری اور صورت رہائی

یورپ میں علم الارواح ایک مستقل فن کی صورت میں مدون ہو گیا ہے اور اس پر بہت زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں بھی علامہ فرید وجدی اور علامہ طنطاوی وغیرہ کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و یورپ کے بڑے بڑے عقلاء و حکماء و فلاسفہ کو یقین کے درجہ میں یہ بات محقق ہو گئی ہے کہ ارواح سے ان کا اتصال شک و مغالطہ سے پاک ہے۔ اور جو کچھ معلومات ان کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ یا آئندہ ہوں گی وہ صحیح و درست ہی ہیں۔ ان معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ:۔

ارواح زمین سے منتقل ہو کر حسب استعداد فطری عالم پر عالم اوپر چڑھتی ہیں حتی کہ سب سے اوپر کے عوالم عالیہ تک بھی جاتی ہیں یہی علاقہ جنت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں سے اوپر ہے جس کو عالم علوی سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے اور ہمیں حکم اتنا ہے کہ اعمال صالحہ کر کے اس علاقہ سے نکل جائیں۔

حضرت مجدد کے ارشادات

اس آخری جملہ کی مناسبت سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے مکتوب دیکھیے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

(۱) حصہ دوم دفتر اول مکتوبات کے مکتوب شصت و چہارم میں ہے۔

دنیا کے لذت والم کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جن چیزوں سے جسم کو لذت حاصل ہوتی ہے روح کو ان سے تکلیف پہنچتی ہے اور جن چیزوں سے جسم کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے روح کو ان سے لذت ملتی ہے گویا روح وجسم ایک دوسرے کی نقیض وضد ہیں۔

روح کی پرواز وغیرہ

اور روح عالم بالا سے جسم میں اتر کر جسم وجسمانی علائق میں گرفتار ہو گئی ہے بلکہ بوجہ نہایت قرب واتصال جسمانی خواص حاصل کر چکی ہے اسی لئے وہ جسم کے ساتھ ساتھ اسی کی طرح لذت والم سے متاثر ہونے لگی ہے لیکن یہ بات عوام کالانعام میں ہوتی ہے۔

افسوس ہزار افسوس ہے اگر روح علوی جسم سفلی کی اس گرفتاری سے
خلاصی حاصل کر کے اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

در حقیقت یہ روح کی بیماری ہے کہ اپنی تکلیف کو لذت اور لذت کو الم سمجھنے لگی ہے۔ جس طرح کہ صفراوی بیماری میں مبتلا آدمی شیریں چیزوں کو تلخ سمجھنے لگتا ہے۔

لہذا عقلاء کو چاہئے کہ اپنی روح کو اس بیماری سے نجات دلانے کی پوری فکر کریں تاکہ دنیا کے ظاہری آلام ومصائب اور تکالیف شرعیہ کو بطیب خاطر برداشت کریں۔

اگر اچھی طرح سوچا سمجھا جائے تو یہ بات بے شبہ واضح ہے کہ دنیا کے آلام ومصائب اگر دنیا میں نہ ہوتے تو دنیا ایک جوتے کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی۔ گویا کہ حوادث دوا کی گولی کی طرح مفید ونافع ہے کہ اس سے ازالہ مرض ہوتا ہے۔ الدنیا سجن المؤمن لہذا یہاں راحتوں لذتوں اور عیش وعشرت کی تلاش وجستجو عقل ودانش کے خلاف ہے۔

(۲) حصہ دوم دفتر اول کے مکتوب نود ودوم۔ بنام ملا حسن صاحب کشمیری میں فرمایا۔

روح انسانی کے لئے ترقیات وعروج کی راہیں اس جسم مادی کے تعلق سے پیشتر مسدود تھیں وہ فرشتوں کی طرح ایک حال ومقام پر قائم تھیں لیکن حق تعالیٰ نے اس جوہر نفیس کی سرشت میں عروج وترقی کی استعداد ودیعت فرمائی تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ مگر اس کا ظہور نزول جسمانی پر موقوف کردیا تھا۔

اور چونکہ روح وجسم ایک دوسرے کی نقیض و متضاد تھے ایک جوہر نورانی دوسرا پیکر ظلمانی اس لئے ان کا اجتماع پھر باہم وابستگی دشوار تھی۔

اس کی تدبیر حق تعالیٰ نے اپنے بے پایاں کرم اور فضل وحکمت سے یہ کی کہ روح کو نفس کے ساتھ تعلق[1] نسبت محبت وعشق کا عطا کیا جس سے ان دونوں کا باہم ربط قائم ہو گیا اور دنیا کی زندگی یکجائی بسر کرنے کا سامان ہوا آیہ کریمہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنه اسفل سافلین میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور یہ تنزل روح اور گرفتاری عشق حقیقت مدح وتعریف بطریق مذمت ہے کہ اسی کے باعث اس کو بام عروج پر پہنچتا ہے۔

غرض روح نے اس تعلق عشق ومحبت کی وجہ سے اپنے آپ کو پوری طرح سپرد نفس کر کے اس کی تابعداری اختیار کر لی۔ اور اپنی علوی حقیقت کو بھلا کر ہم رنگ نفس امارہ بن گئی کیونکہ روح کی سرشت میں اس کے کمال لطافت کے باعث یہ بھی ہے کہ جس کی طرف بھی اس کا میلان ہوتا ہے اسی کے حکم اور احکام کی تعمیل کرنے لگتی ہے۔

پس جب اس کی وارفتگی خود فراموشی کی حد تک پہنچی تو اس کا لازمی اثر ہوا کہ حضرت حق تعالیٰ سے جو سابق تعلق ونسبت آگاہی میسر تھی وہ بھی فراموش ہو گئی اور غفلت نے ظلمت کے حجابات حائل کر دیئے۔

اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنے کمال فضل وکرم وبندہ نوازی سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے ذریعے سے اپنی طرف بلایا اور سختی سے احکام بھیجے کہ روح اپنی معشوقہ نفس امارہ کی تمام خواہشات کو ٹھکرا دے اور نفس کو مجبور کرے کہ وہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کرے (کہ نفس مطمئنہ بن جائے)

پس جو روح (عالم علوی کی طرف) واپسی کا سامان کرے گی وہ فائز المرام ہو گی اور جو اپنا مرغ خیال بند قفس کرے گی اور زمینی کثافتوں میں کھوئی ہوئی رہے گی وہ بہت بڑی گمراہی کا شکار رہے گی۔

---

[1] روح علوی اور اس جسم سفلی میں باوجود اس منافات ذاتی کے جو ان کے درمیان ہے ایسا ربط ہے جو آہن کو مقناطیس کے ساتھ ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ آنے کے وقت بے تکلف آجاتی ہے اور جانے کے وقت بدشواری اور بمشکل جاتی ہے اسی لئے اگر جبر خارجی ہٹ جائے تو پھر وہ بالطبع اپنی جگہ پر آجاتی ہے (قبلہ نما ص ۲۳)

جزاء وسزا عین اعمال ہے

فرمایا۔ آخرت میں وہ اعمال کا ثمرہ جو ملے گا وہی عمل ہوں گے۔ ان کی ایک صورت ہے عالم دنیا کی اور دوسری عالم آخرت کی۔ عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا اور اس کی دلیل آیت قرآنی ووجدوا ما عملوا حاضراً ہے جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا لیکن میں کہتا ہوں کہ جیسے اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے اور یہ مفہوم دوسری آیات واحادیث سے بھی مؤید ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ اسی سے مشتق ہو کر تقدیر بھی نکلی ہے۔ یعنی جبر وقدر کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ جزاء جب عین عمل ٹھہری تو اچھے عمل کا ثمرہ اچھا اور برے کا برا ہونا ہی چاہئے۔

وانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود جبر وقدر   آنچہ کہ کشتہ درو حظ ز خطر جو ز جو

یہ بھی واضح ہو کہ افعال عباد بطور شئ واحد دو جہتیں ہیں نہ کہ شئ واحد دو جز ہیں کہ خلق و کسب دو چیزیں الگ الگ ہوں اور ان کا فرق کر کے دکھایا جائے۔

پھر فرمایا کہ امام غزالی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک مخزن ہے آگ کا جس کو تمام عالم میں پھیلا کر دوزخ تیار کیا جائے گا۔

اور موجودہ سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ پانی و ہوا میں بھی بجلی ہے اگرچہ ضعیف ہے اور زمین میں بھی بجلی ہے۔ گویا یہ سب چیزیں نار بننے کے لئے مستعد ہیں۔

پھر اس کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ان اعمال میں بھی نار بننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ لہذا ایسے اعمال بھی نار بن جائیں گے۔ ووجدوا ما عملوا حاضراً ولا یظلم ربک احداً۔ (کہف)

اس کے بعد فرمایا کہ قبر میں تمام اعمال مصور ہو کر آئیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ قبر میں ایک شخص حسین وجمیل شکل و ادا بہترین پاکیزہ لباس میں مردہ کے پاس آئے گا اور وہ عمل صالح ہوگا اور ایک شخص بدصورت ہیبت ناک شکل میں آئے گا اور وہ عمل بد ہوگا۔

نیز صحیح ابن حبان میں حدیث ہے کہ قبر میں وحشت کے وقت قرآن مجید سر کی طرف سے زکوٰۃ پیروں کی طرف سے، نماز داہنی جانب سے، اور روزہ بائیں طرف سے حفاظت کریں گے اور مونس ہوں گے۔

اور ترمذی شریف میں ہے کہ نماز برہان ہے، اس سے میرا ذہن گیا کہ داہنی طرف اس لئے ہے کہ برہان بھی دستاویز ہے جو داہنے ہاتھ میں ہوا کرتی ہے اور روزہ بطور ڈھال ہے کہ بائیں ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ قرآن مجید سر کی طرف سے اس لئے کہ بادشاہ کا کلام ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بچہ کو قرآن مجید پڑھائے گا اس شخص کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا۔

اور چونکہ چل پھر کر مال کمایا تھا۔ (جس سے زکوٰۃ دی) اس لئے صدقہ پیروں کی طرف سے حفاظت کرے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ قرآن حجت کرے گا خدا کے سامنے حق بخشوانے کے لئے مگر یہ جب ہے کہ اطاعت کی ہوگی اور قرآن کے مطابق عمل کئے ہوں گے ورنہ وہ پیچھے پیچھے ہو کر مدعا علیہ بنائے گا۔ (القرآن حجۃ لک او علیک)

پھر فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف ہے۔ محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر، بائیں طرف سبحان اللہ، پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الٰہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے۔

یہ ترتیب اس لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے چنانچہ نعرۂ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور علم جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے لہٰذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے نقائص و عیوب سے اور صفت سلبی ہے۔ لہٰذا شمال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے۔ الحمد للہ آخر میں اور ہر کام سے پیچھے ہوا کرتا ہے جیسے کھانے کے بعد اور تراویح میں بھی آخر میں ہوگا۔ لہٰذا پیچھے ہونا مناسب ہے۔

اور لا الٰہ الا اللہ چونکہ ہادی و راہنما ہے اس کا سامنے ہی ہونا مناسب ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جس قدر نیکیاں ہیں وہ محشر میں سواریاں بن جائیں گی اور بدیاں بوجھے ہو جائیں

گے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اوزار کا لفظ ہے یعنی بوجھے کیونکہ نیکیوں پر بہ مشکل اپنے آپ کو چڑھایا تھا اور بدیوں پر لذت کی وجہ سے بطوع و رغبت سوار ہوتا تھا۔

راقم الحروف جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا مستدل اس کے لئے حدیث ذیل ہو جو مختصر تذکرۃ القرطبی للشعرانی ص ۳۹ میں ہے۔

حضرت عمرو بن قیس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جب روز قیامت میں اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا نیک عمل بہترین خوشبو سے معطر حسین وجمیل صورت میں استقبال کرے گا اور کہے گا۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔

وہ کہے گا نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شکل وشمائل کو بہت ہی خوب بنایا ہے۔ وہ جواب دے گا در حقیقت تم ہی دنیا میں ایسے اچھے تھے اور میں تمہارا وہی عمل صالح تو ہوں جو دنیا میں تمہارے اوپر سوار ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا آج تم مجھ پر سوار ہو کر میدان حشر میں چلو گے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا (ترجمہ جس دن ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بلائے ہوئے (مریم) یعنی معزز مہمان بن کر پیش ہوں گے۔)

کافر کے سامنے اس کا عمل بدترین شکل میں سخت ترین بدبو لئے ہوئے آئے گا اور سوال کرے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

وہ کہے گا نہیں البتہ اتنا سمجھ رہا ہوں کہ خدا نے تمہاری شکل وشمائل بدترین بنائی ہے۔ وہ جواب دے گا کہ در حقیقت تم ہی دنیا میں ایسے تھے اور میں تمہارا وہی برا عمل ہوں۔ جس کو تم نے اپنی مرغوب سواری بنایا تھا لہٰذا آج میں تم کو اپنی سواری بنا کر میدان حشر میں لے چلوں گا۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وھم یحملون اوزارھم علیٰ ظہورھم الا ساء ما یزرون (انعام) اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائیں گے۔

سورۂ کہف میں فرمایا۔ و قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سرادقھا

آپ کہہ دیجئے کچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ہم نے تیار کر رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں (یعنی وہ بھی آگ کی ہوں گی)

محدث دارمی نے روایت کی ہے کہ سورۂ الم تنزیل السجدہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں مجادلہ کرے گی یعنی اس کو عذاب سے بچانے کی کوشش کرے گی (تذکرۃ الموتی والقبور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ)

محدث ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ جب مسلمان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور عذاب کے فرشتوں کو روکتے ہیں۔

صحیحین میں حدیث ہے کہ جس وقت کوئی مرتا ہے تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ گھر کے لوگ، مال اور اعمال ان میں سے پہلی دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور عمل اس کے پاس باقی رہ جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی موت کے وقت جب عذاب کے فرشتے اس کے پاس قبض روح کے لئے آتے ہیں تو قرآن مجید آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار یہ شخص میرا مسکن ہے کہ آپ نے مجھ کو اس میں ٹھہرایا تھا حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا قرآن کے مسکن کو اس کے لئے چھوڑ دو۔

محدث اصبہانی راوی ہیں کہ قبر میں مردہ کے لئے کوئی چیز کثرت استغفار سے زیادہ محبوب وپسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح بہ کثرت آیات واحادیث ایسی ہیں جن سے حضرت شاہ صاحبؒ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حیات انبیاء علیہم السلام

درس بخاری شریف میں باب نفقۃ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں احیاء ہیں اس لئے لامحالہ ازواج مطہرات کو نفقہ خدا کے مال یعنی بیت المال سے جاری رہنا چاہئے تو یوں سمجھو کہ جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا تو ان کا نفقہ بھی خدا کے مال سے متعلق ہو گیا۔

پھر آیۂ قرآنی "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" کے ضمن میں حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہداء کی تحقیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ حیات بمعنی افعال حیات ہے ورنہ ارواح سب ہی مومنوں کی ہوں یا کفار کی زندہ ہیں۔ البتہ کفار کی ارواح معطل ہیں۔ افعال حیات ان میں نہیں پائے جاتے۔

اسی لئے قرآن مجید اور حدیث شریف میں جہاں بھی حیات کا ذکر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی فعل بھی افعال حیات سے ضرور ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً "بل احیاء عند ربہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے تذکرہ سے بھی نظریہ کی تقویت ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عالم مجازات ہی عالم الشہادات میں مستور ہے۔

اس مقام کی مناسبت سے حضرت الاستاذ العلام کشمیری قدس سرہ کی اس مشہور عربی نظم میں سے تین شعر پیش کرتا ہوں جس میں حضرت نے مسئلہ تقدیر و مسئلہ مجازات کو حل فرمایا ہے اور ان کا ترجمہ بھی حضرت محترم علامہ مولانا محمد بدر عالم صاحب مرحوم کا نقل کرتا ہوں جو آپ نے اپنی گراں قدر علمی اور حدیثی تالیف "ترجمان السنۃ" جلد سوم میں کیا ہے۔

ویثمر شر شر ما یجنی لہ　　　لم عنہ الظلم الصریح جہول

(ترجمہ) برا کام اور اس کا مستحق ہونا واضح ہے کہ شر سے شر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جاہل آدمی اس کو ظلم سمجھتا ہے۔

کما ان خبث البذر خبث نباتہ　　　طباعا ولا یاتیہ سائل یقول

(ترجمہ) دیکھو اگر خراب درخت کا تخم ہوتا ہے تو اس سے ویسا ہی درخت طبعاً پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کون سوال و جواب کرتا ہے کہ اس تخم سے خراب درخت ہی کیوں پیدا ہوا؟

ولیس جزاء ذاک عین فعالک　　　ولکن ستر الاعمال سوف یزول

ترجمہ (اگر غور کرو تو جس کو تم جزا سمجھ بیٹھے ہو یہ بڑا تمہیں وہی دنیا میں کئے ہوئے تمہارے اچھے برے اعمال ہیں جو دوزخ اور جنت میں عذاب و ثواب کی شکل میں نظر آئیں گے)

حجاب یہاں ہماری آنکھوں پر اس حقیقت کے دیکھنے سے مانع ہو رہا ہے۔ قیامت میں وہ اٹھ جائے گا اس وقت یہ بات صاف صاف نظر آ جائے گی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ جاہل ناواقف لوگ ہی تھے جو خدا کی تقدیر کو ظلم وغیرہ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

"یرزقون" میں ان کا مرزوق ہونا ذکر فرمایا جو زندوں کا فعل ہے اگرچہ دوسرے بھی زندہ ہیں مگر ان لوگوں کو رزق بھی دیا جاتا ہے یہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور اسی لئے ان کو زندہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

حدیث میں ہے کہ شہداء سبز پرندوں کے جوف میں ہو کر داخل جنت ہوں گے۔ لیکن حدیث موطا کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ سبز پرندوں سے مشابہ ہوں گے۔ شاید کہ سبز پرندے۔ ان کے لئے بطور ظرف ہوں گے۔

نیز موطا مالک باب الشہید میں یہ بھی حدیث ہے کہ مومن کی نسمہ ایک پرندہ ہوتی ہے کہ جنت کے باغوں میں کھاتی پیتی پھرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوائے شہداء کے عام مومنوں کا حال بھی ایسا ہوگا۔ یہ واضح ہو کہ یہ ان کے مثالی ابدان ہوں گے صرف ارواح نہیں اور شاید ان کے جنتی ابدان حشر سے پہلے ہی ان کو عطا فرما دیئے گئے اور باقی لوگوں کے لئے اپنے جنتی رزق سے متمتع ہونا یوم قیامت تک موخر کر دیا گیا۔

پھر فرمایا کہ حدیث میں اکل و شرب کو نسمہ کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ بدن یا جسد کی طرف اس لئے کہ وہ مدفون ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نسمہ جسد اور ارواح کے علاوہ چیز ہے کیونکہ روح کی طرف بھی بغیر اتصال جسد مادی یا مثالی کے اکل و شرب کی نسبت نہیں ہوتی۔

الحاصل یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت مذکورہ بالا کی غرض و غایت صرف ان کی زندگی بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ افعال حیات کے ساتھ تعلق بتلانا ہے۔ لہذا یرزقون فرمایا اور حدیث میں یعلق فی الجنۃ فرمایا۔

پھر انبیاء علیہم السلام کے احوال میں نماز کا ذکر فرما دیا کہ "وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں" اور "شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور" میں ہے کہ انبیاء حج بھی کرتے ہیں۔ اور انبیاء کے تذکرہ میں نماز و حج کا ذکر آیا اور تلاوت قرآن مجید کا دوسروں کے لئے۔

پس ان سب اقسام افعال کے ذکر سے یہی بتلانا ہے کہ انبیاء شہداء اور مومنین کی زندگی

؎ بعض اولیاء کے حالات میں نظر سے گزرا کہ وہ اپنی زندگی میں تمنا اور دعا کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد قبر میں بھی ان کو نماز پڑھنے کی توفیق ملے چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ شاید اسی لئے ہو کہ عام حالات میں غیر انبیاء کے لئے نماز حج وغیرہ نہیں ہے۔

موت ظاہری کے بعد بھی اصل حیات کی وجہ سے دوسرے انسانوں کی زندگی سے ممتاز ہوگی۔

آیت قرآنی واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا (زخرف) کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کیا گیا ہے۔

چنانچہ جمہور مستند تفاسیر میں اس کا ذکر ہے۔

فرمایا کہ بیہقی کی حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" صحیح ہے حافظ ابن حجرؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے بھی ہے اور صحیح ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مسئلہ ادیان سماویہ کا ہے کہ روح سب باقی رہتی ہیں کافر و مسلم کی اور قبر میں تعطیل محض باطل ہے۔ نیز ثمرہ ہے حیات دنیا کا پس جو یہاں ذکر اللہ میں مشغول رہا ہوگا وہ وہاں بھی رہے گا۔

روح جو بدن مثالی ہے وہ تو خود ہی نماز پڑھ سکتی ہے پھر احیاء ارواح سے کیا مراد ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ شریعت عرف عام پر چلتی ہے لہذا روح مع جسد مبارک مراد ہے۔

نیز حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے "خاتم النبیین" میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہمیشہ کے لئے جاری ہے جبکہ مورث خود موجود ہے کوئی نبوت کا وارث نہیں ہوسکتا۔

سردست حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ارشادات کی تائید میں چند ارشادات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت صدیق اکبرؓ کا قول "لا یذیقک اللہ الموتتین ابداً" منقول ہے اور حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس قول سے منکرین حیات نے استدلال کیا ہے۔ پھر مثبتین حیات کو اہل سنت کا لقب دے کر ان کی طرف سے جوابات تحریر کئے ہیں اور اس قول ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شرح فرما کر ثابت کیا ہے کہ انبیاء کو ارواح کے اعادہ کے بعد پھر سے اذاقہ موت سے دوچار ہونا نہیں ہے۔ (فتح الباری ابواب مناقب ابی بکرؓ وابواب الجنائز) لہذا حضرت صدیق اکبرؓ بھی مثبتین حیات میں سے ہیں۔

۱؎ اس کے علاوہ عقیدۃ الاسلام و تحیۃ الاسلام وغیرہ میں بھی حضرت نے بکثرت ایسے نکات لکھے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ کا مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے ان حصوں کا ترجمہ نقول و حوالوں کے ساتھ انشاء اللہ آب حیات تالیف حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے مقدمہ میں پیش کیا جائے گا۔

(۲) علمائے شافعیہ میں سے صاحب تلخیص کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مال چھوڑا وہ حضور کی ملکیت پر اسی طرح باقی رہا جس طرح حالت حیات دنیا میں تھا اور وہ ملک ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوا جیسا کہ اموات کا ہوتا ہے (مدارج النبوۃ)

(۳) امام الحرمین شافعی نے بھی قول مذکور ہی کی تائید کی ہے اور فرمایا کہ یہ تحقیق حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کے موافق ہے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال میں اختیار فرمایا۔

(۴) حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حیات انبیاء علیہم السلام کو دائمی قرار دیا ہے۔

(۵) حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ "حیات انبیاء علیہم السلام" میں تالیف کیا جو مشہور و متداول ہے۔

(۶) علامہ سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں اور "حیات الانبیاء" میں حیات کا اثبات فرمایا ہے۔

(۷) قاضی عیاضؒ نے "شفاء" میں حیات ثابت فرمائی۔

(۸) علامہ تقی الدین سبکیؒ نے "شفاء السقام" میں اثبات حیات کیا۔

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ نے "شرح الشفاء" جلد دوم میں حیات انبیاء علیہم السلام کو متفقہ و معتمد فرمایا۔ اور جمع الرسائل میں بھی ثابت کیا ہے۔

(۱۰) علامہ شوکانیؒ نے "تحفۃ الذاکرین" شرح حصن حصین" میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ثابت کی ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ قرطبیؒ نے اپنے شیخ احمد بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ یہ بات قطعی و یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت صرف یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں۔ جیسے ملائکہ کو باوجود زندہ موجود ہونے کے ہم نہیں دیکھ سکتے (کتاب الروح لابن القیم)

(۱۲) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مدارج النبوۃ" جلد دوم میں فرمایا کہ "حیات انبیاء علیہم السلام" متفق علیہ ہے۔ علمائے امت میں سے کسی نے اس سے اختلاف

نہیں کیا۔ اور حیات انبیاء حیات حسی و دنیاوی ہے بکثرت احادیث و آثار سے اس پر کافی دلائل بیان فرمائے اور دوسری تصانیف میں بھی اس مسئلہ کو مشرح و مدلل فرمایا۔

(۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "فیوض الحرمین" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بجسد عنصری دیکھنے کا ذکر فرمایا اور اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات قبور اور نماز پڑھنے وغیرہ کا اثبات فرمایا۔

(۱۴) حضرت بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب مفسر و محدث پانی پتی نے آیہ ولا ان تنکحوا ازواجہ ابدا کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قبر کا ذکر فرمایا اور آیہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے تحت میں حیات انبیاء علیہم السلام کا اثبات فرمایا۔

(۱۵) حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اپنی متعدد تصانیف میں بحث فرمائی ہے۔ مثلاً مکتوب نہم فیوض قاسمیہ مکتوب ۱۵ فیوض قاسمیہ، مکتوب ۵۶ فیوض قاسمیہ، جمال قاسمی، اجوبہ اربعین جلد دوم، تحذیر الناس اور لطائف قاسمیہ میں۔

لیکن سب سے زیادہ مکمل، مدلل، مشرح اور مبسوط بحث "آب حیات" میں ہے جو اپنے موضوع اور تحقیقات عالیہ کے اعتبار سے بے نظیر کتاب ہے۔ جس کے مضامین کی توثیق و تصویب حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمائی اور حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آب حیات" میں "بطرز عجیب" ثابت کیا ہے۔

راقم الحروف نے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے مضامین آب حیات کی تائید میں متقدمین و متاخرین کے ارشادات جمع کئے ہیں جو کسی دوسری فرصت میں پیش کئے جائیں گے۔

(۱۶) حضرت گنگوہیؒ نے "ہدایۃ الشیعہ" میں "حیات انبیاء علیہم السلام" کو ثابت کیا ہے۔

(۱۷) حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود اور عقائد علماء دیوبند میں حیات دنیاوی فی القبور ثابت کی۔ اور اس کی توثیق علماء دیوبند و حرمین سے کرائی۔

(۱۸) حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب میں حیات قبر شریف اور

مشاغل مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا۔ نماز پڑھنا، سلام سننا، سلام کا جواب دینا ثابت فرمائے۔

(۱۹) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے مکتوب ۱۳۰ جلد اول میں فرمایا کہ۔

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین کی ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے"۔

(۲۰) حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم ص ۴۳۴/۲ میں فرمایا کہ:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ سب مانتے ہیں زندہ ہیں اور آپ اپنی قبر مبارک میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں"۔

سماع موتی و بقیہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام

فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت "انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور میں نفی وجود سماع نہیں ہے بلکہ نفی انتفاع ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے منظومہ میں فرمایا:- "وآیۃ النفی معناہا سماع ہدی" الخ اور میں نے اس طرح ادا کیا ہے:- "وآیۃ النفی فی نفی انتفاعہم (ای اجابتہم)[1]

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے "تذکرۃ الموتی والقبور" میں امام احمد وغیرہ سے

---

[1] متوفین اور اولیاء اللہ سے تلاوت قرآن مجید اور نماز وغیرہ قبور میں ثابت ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس قول کی تائید حدیث ابی داؤد سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر تشریف لائے اور دفن کے بعد فرمایا کہ اپنے بھائی (مردہ) کے لئے تثبیت کا سوال کرو کیونکہ اس سے اب سوال ہوگا۔ تو حضور نے خبر دی کہ اب اس سے سوال ہوگا اور وقت سوال وہ تلقین کو سنے گا۔ (الروح لابن القیم ص ۱۳)

اسی طرح یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آواز سنائی دیتی ہے جب وہ لوٹتے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ بدر کے شہیدوں نے آپ کا کلام و خطاب سنا نیز مردوں پر بصیغہ خطاب سلام عرض کرنا مشروع ہوا۔ جس طرح سننے والے حاضر کے لئے ہے اور حضور نے خبر دی کہ جو اپنے مومن بھائی پر سلام پیش کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ (الروح ص ۳۵)

علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب "الروح" میں ایک مستقل باب اس امر پر بھی قائم کیا کہ ارواح اموات آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ جمع ہوتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں بلکہ وہ ارواح انبیاء سے بھی ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں البتہ ان لوگوں کی ارواح بات کرنے سے قاصر رہتی ہیں جن کو کوئی وصیت کرنی چاہئے تھی لیکن وہ بغیر وصیت کئے مر گئے ہوں اور اس کے شواہد و واقعات ذکر کئے ہیں اور ایسی ہی تحقیق علامہ سیوطی نے "شرح الصدور" میں کی ہے اور امام سیوطی نے رسالہ حیاۃ الانبیاء میں ابوالشیخ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے کہ جو وصیت نہ کرے گا اس کو دوسرے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

حدیث انسؓ نقل کی ہے کہ زندوں کے اعمال مردہ اقرباء پر پیش ہوتے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں برے ہوتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کو ہدایت کر اور ہدایت کے بغیر ان کو موت نہ دے۔

حضرت گنگوہیؒ کے "فتاوی رشیدیہ" میں ہے کہ سماع موتی کے مسئلہ میں اختلاف عام مومنین کے بارے میں ہے ورنہ سماع انبیاء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے قبر مبارک پر سلام عرض کرتے وقت شفاعت کا سوال کرنے کو لکھا ہے۔

سماع کے علاوہ مردوں کے کلام سننے کے بھی صحیح واقعات ملتے ہیں۔ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک جگہ خیمہ لگایا اور تھوڑی دیر بعد اس جگہ اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آئی۔ وہ صحابیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا تو آپ نے تصویب فرمائی۔ اسی طرح زید بن خارجہ صحابیؓ کی وفات کا واقعہ ہے جو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پیش آیا کہ انتقال سے کافی دیر کے بعد کفن منہ سے ہٹایا اور باتیں کیں (تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین)

چونکہ اس سے پہلے ملفوظ مبارک میں حیات انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک ہو چکا ہے اس لئے حیات خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند چیزیں مزید تشریح و توضیح اور تائید کے لئے پیش کرتا ہوں امید ہے کہ علماء اور ارباب ذوق و شوق محظوظ ہوں گے۔

(۱) جس طرح ابھی عام مومنوں پر "عرض اعمال" کا ذکر ہوا سرور کائنات (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بھی ان کی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے رسالہ "حیات الانبیاء" میں نقل کیا کہ استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی شیخ الشافعیہ نے فرمایا: ہمارے محققین متکلمین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات کے زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے نیک اعمال پر مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال سے محزون ہوتے ہیں۔ پھر "رد روح" کے معانی بیان فرماتے ہوئے ایک جواب یہ بھی دیا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے مشاغل مبارکہ اعمال امت کا ملاحظہ، برائیوں سے ان کے لئے استغفار، مصائب کے زوال کی دعا وغیرہ سے توجہ ہٹا کر

سلام پڑھنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ کیونکہ سلام افضل اعمال اور اجل قربات ہے۔

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ جمعہ کے روز انبیاء علیہم السلام اور والدین پر اعمال پیش ہوتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام پر آپ کی امت کے اعمال روزانہ صبح و شام پیش ہوتے ہیں۔ مسند بزار میں سند جید کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہت بہتر ہے کہ براہ راست تمہاری باتیں مجھ تک اور میری تم تک پہنچتی رہتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے واسطے بہتر ہی ہوگی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے تو تمہاری نیکیوں پر میں خدا کا شکر ادا کروں گا اور برائیوں پر خدا سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ (شرح المواہب)

حضرت اقدس شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے عرض اعمال کی یہ حدیث "عقیدۃ الاسلام" میں ذکر فرما کر ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حافظؒ نے فتح الباری باب "البکاء عند قراءۃ القرآن" میں ذکر کی ہے۔

حافظؒ فرماتے ہیں کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "اقرأ علی" مجھے پڑھ کر سناؤ۔ یہ تو روایت علی بن مسہر عن الاعمش میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت بھی ہے جو محمد بن فضالۃ الظفری سے ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

میں نے اپنے والد سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ظفر میں حضرت ابن مسعودؓ اور چند دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لائے اور قرأت قرآن کے لئے ایک قاری کو حکم فرمایا اس نے پڑھا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ہؤلاء شہیداً** تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے اور فرمایا:۔

جن لوگوں میں میں موجود ہوں ان پر تو میں شہادت دے سکتا ہوں لیکن جن لوگوں کو دیکھا بھی نہیں ان پر کس طرح شہادت دے سکوں گا؟

حضرت ابن مبارکؒ نے زہد میں سعید بن المسیب کے طریقے سے ایک روایت نکالی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت صبح و شام

پیش نہ ہوتی ہو لہذا آپ ان کو ان کے خاص نشانات و اعمال سے پہچانتے ہیں اور اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے۔

اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ اس مرسل سے حدیث ابن فضالہ کا قول رفع ہو جاتا ہے اور ابن بطال نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کے وقت اس لئے روئے کہ آپ کے سامنے اس وقت روز قیامت کی ہولناکیاں اور وہ غیر معمولی صورتحال متمثل ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو اپنی امت کے اعمال کی تصدیق کرنی پڑے گی اور سب لوگوں کے واسطے شفاعت کرنی ہوگی اور یہ ایسا امر ہے کہ اس کے لئے آپ کا دیر تک گریہ بکا مناسب تھا۔ حافظؒ اس توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ اپنی امت پر رحمت و شفقت کے باعث تھا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ ان پر ان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور ان کے اعمال وہ بھی ہوں گے جو نافرمانی کی وجہ سے ان کو مستحق عذاب ٹھہرائیں گے واللہ اعلم (فتح الباری ص ۵ ۸/ ۲۶۹ ۸/ ۹)

(۳) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں درود وسلام کا پیش ہونا اور قریب والوں سے خود سننا اور جواب دینا اس کے بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں جن سے مسئلہ حیات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۳) اور آیت "واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا" کو بڑے بڑے مفسروں نے واقعۂ اسراء پر محمول کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا ہے۔

(۳) عدم توریث مال سے بھی حیات انور پر استدلال ہوا ہے چنانچہ حضرت امام الحرمین وغیرہ کے اقوال پیش ہو چکے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ میں ص ۱۶ پر فرمایا۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (فدک وغیرہ جائیداد) حضور کی ملک نہ تھا بلکہ وہ ملک بیت المال تھا۔ پھر میراث کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ملک تھی تب بھی آیت میں حکم میراث دوسروں کے لئے ہے حضور کے لئے نہیں کیونکہ دوسرے احکام مذکورۂ آیت مثلاً چار سے زائد نکاح وغیرہ کا عدم جواز وغیرہ بھی دوسروں کے لئے ہیں تو اب ترکہ تقسیم نہ ہونا اس لئے ہے کہ آپ اپنی قبر

شریف میں زندہ ہیں۔ "ونبی اللہ حی یرزق"

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔

۳۔ تیسرے اگر تسلیم کر لیں کہ آیات مذکورہ کے احکام عام ہیں آپ کے لئے بھی تو نحن معاشر الانبیاء حدیث مشہور ہے۔ اس سے ان کی تخصیص کریں گے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہونا بھی حیات پر دال ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری ص ۴۰۸ میں آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (احزاب) کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"اور یہ بھی درست ہے کہ یہ حکم اس لئے ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اسی وجہ سے حضور کا ترکہ موروث نہیں ہوا اور نہ آپ کی ازواج مطہرات بیوہ ہوئیں"۔

(۶) سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر احکام بیوگی عدت وغیرہ بھی طاری نہیں ہوئے جیسا کہ اوپر حضرت قاضی صاحب اور دوسرے اکابر نے تصریح کی ہے لہذا یہ امر بھی دلیل حیات ہے۔

(۷) ازواج مطہرات کا نفقہ اور خدام کے مصارف حضرت صدیقؓ نے آپ کے مال یا بیت المال سے ادا کئے جس کی وجہ سے امام الحرمین وغیرہ نے تصریح کی کہ حضور کا سب ترکہ آپ کی حیات کی وجہ سے بدستور سابق رہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو اسی طرح صرف بھی کرتے رہے جس طرح آپ کی دنیا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ علامہ سبکیؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی حیات مبارکہ کے آثار احکام دنیوی میں بھی ہیں اور اسی سے انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۳)

(۸) آیت "انک میت و انہم میتون" سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت دوسروں کی موت سے ممتاز ہے جس طرح آپ کی نوم دوسروں کی نوم سے ممتاز تھی۔ و ناکہ النوم اخ الموت صحیح ہے جس طرح نوم کے اثرات آپ پر وہ نہیں تھے جو دوسروں پر ہوتے ہیں اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ یعنی غفلت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے نوم انبیاء کو ناقض وضو نہیں قرار دیا گیا اسی طرح موت کے اثرات بھی

انبیاء علیہم السلام پر وارد نہیں ہوتے جو دوسروں پر ہوتے ہیں۔ اس بحث کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہ نے بہت ہی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو سماع کے بحث میں عجیب و غریب علمی تحفہ ہے۔ اور اس سے علوم نبوت کے کمالات کا ایک نمونہ سامنے آ جاتا ہے۔

سلامت اجساد انبیاء علیہم السلام سے بھی جو احادیث کثیرہ سے ثابت ہے حیات خاصہ انبیاء پر جو استدلال کیا گیا ہے کیونکہ سلامت اجساد کی خصوصیت عام مومنین بلکہ شہداء کے لئے بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاء کی موت نہ صرف مومنین کی موت سے ممتاز ہے بلکہ موت شہداء سے بھی ممتاز ہوئی اور اس طرح موت کے درجات تین ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس کے قائل ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت واقع نہیں ہوئی یہ غلط ہے وہ اس کو مانتے ہیں مگر آپ کی موت کو مزیل حیات نہیں مانتے۔ ہم یہاں حضرتؒ کی تحقیق کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

۱۔ (آب حیات ص ۱۵۵ تک حضرتؒ نے ضرورت دوام حیات روحانی حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کی ہے۔

۲۔ (پھر فرمایا کہ موت و حیات میں اگرچہ تقابل عدم و ملکہ بھی ہو سکتا ہے مگر حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقابل تضاد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے خلق الموت والحیاۃ

اور آخرت میں ذبح ہونا موت کا بصورت (مینڈھا) کبش حدیث سے ثابت ہے۔

ان دونوں سے موت کا وجودی شئے ہونا واضح ہوتا ہے۔

۳۔ علاقہ روح و جسد نبوی علاقہ عشقی و ذاتی ہے اور یہ علاقہ ناقابل انقطاع ہوتا ہے لہٰذا مابین روح اطہر سرور عالم اور جسد مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی حائل و حاجب کی مداخلت کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا آپ کی موت بمعنی انقطاع علاقہ حیات متصور نہیں۔

۴۔ لہٰذا موت جسمانی حضرت حبیب ربانی جس کسی طرح قابل انکار نہیں مگر اس کے متصور نہیں کہ حیات جسمانی حبیب ربانی پردہ موت کے نیچے مستور ہو جائے۔

فرق حیات نبوی و حیات مومنین

۵۔ "حیات نبوی" اور "حیات مومنین" میں فرق ہے کہ ثانی الذکر بعد رحلت قائل

زوال ہے اور اول بوجہ ذاتیت ناقابل زوال۔ اسی لئے وقت موت حیات نبوی زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ حضرت نے ان امور مذکورہ بالا کو ادلہ و امثلہ سے واضح فرمایا۔ (ص ۱۹۰/۱۶۴)

۶۔ حیات روح مبارک کا تعلق خود آپ کے بدن اطہر کے ساتھ تعلق فعلی و فاعلی ہے اور ابدان مومنین کے ساتھ تعلق انفعالی و مفعولی ہے اور بناء حیات قوت عملیہ پر ہے اور وہ قوت آپ کے اندر ذاتی اور دوسروں کے اندر عرضی ہے ص ۱۶۵۔

۷۔ علاقہ روح و جسد نبوی بھی حسن الانتقال ضرور ہے۔ مگر مشیت الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ منقطع نہ ہوگا جس کی طرف آیت ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ..... ابداً (الاحزاب ۵۳) کہ حرمت نکاح الی الابد فرمائی گئی ہے۔

۸۔ حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہداء میں فرق باعتبار حرمت نکاح ازواج سلامت اجساد و عدم میراث وغیرہ ہے۔ ص ۱۶۸

۹۔ جس کی نوم کے وقت استتار حیات ہوگا اس کی موت کے وقت بھی استتار ہی ہوگا کیونکہ نوم موت کی بہن ہے۔ فرق ہوگا تو شدت و ضعف استتار کا ہوگا۔

۱۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی خواب اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہ ہونا بھی اسی طرح مشیر ہے کہ آپ کی نوم دوسروں کی نوم سے ممتاز تھی اور اسی طرح موت بھی الگ ہوگی ص ۱۶۹۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضرورت و دوام حیات روحانی حبیب ربانی صلے اللہ علیہ وسلم پر مفصل و مشرح تحقیق فرمائی ہے اور ارواح مومنین کا تعلق روح اطہر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی ابوت و بنوت اور جزئیت کا اثبات فرمایا ہے وہی در حقیقت ''آب حیات'' ہے۔

۹۔ اس مضمون کی تائید سلف سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً سیدنا الشیخ عبدالعزیز دباغ کی ''ابریز'' وغیرہ سے۔

ایک اشکال اور جواب

یہاں ایک مختصر ضروری اشارہ یہ بھی کر دینا مناسب ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ

نے جب صاحب تلخیص اور امام الحرمین کی یہ تحقیق نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال بعد حیات بدستور آپ کی ملک میں رہا اور دوسری طرف موت کو بھی ماننا ضروری ہے بوجہ نصوص قرآنی واحادیث تو اشکال پیش آیا کہ موت تسلیم کر لینے پر تو انتقال ملک وغیرہ احکام ثابت ہوں گے۔

تو علامہ موصوف نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت غیر مستمر ہے اور انتقال ملک وغیرہ کے احکام مشروط ہیں موت مستمر کے ساتھ۔ (نہ موت آنی کے ساتھ)

اسی طرح "مدارج النبوت" میں حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ذکر کیا کہ علامہ نووی نے امام الحرمین پر اعتراض کیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ امام الحرمین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور نے موت کے وقت اپنی بیویاں چھوڑیں اور حضور بوقت موت عشرہ مبشرہ سے راضی تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت بھی کرتے ہیں اور حیات بھی ثابت کرتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

تو اس کا جواب علامہ زرکشی نے دیا ہے کہ یہاں کوئی تعجب کا موقع نہیں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔ گویا وہ موت آنی تھی۔ زمانی نہ تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نانوتویؒ نے جس طرح اس پوری بحث کو لکھا ہے اس کے اعتبار سے کوئی اشکال ہی اس قسم کا نہیں رہ جاتا۔ اور مسئلہ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ رضی اللہ عنہم ونفعنا بہم۔

حق یہ ہے کہ وقت واحد میں موت وحیات کے اجتماع کو حضرتؒ نے ایسی خوبی سے بہ دلائل عقلی ونقلی ثابت کیا ہے کہ دوسروں سے اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو سکا۔

اس سلسلہ میں جن دشوار گزار وادیوں کو انہوں نے طے کیا مشکلات مسائل حل کئے کتنے ہی سربستہ رازوں کا انکشاف کیا اور کتنی ہی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا یہ صرف آپ ہی کا حق وحصہ تھا۔

۱۰۔ آخر میں مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی عبارت بابت حیات سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم درج کرتا ہوں جو نہایت واضح وصاف ہے اور اس کی تصدیق وتصویب حضرات اکابر علمائے دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ حضرت مولانا احمد حسن

صاحب امروہوی، حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب، حضرت مولانا تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب وغیرہ اور دوسرے اکابر حضرات علماء کرام حرمین شریفین وعلمائے مصر و شام نے کی تھی جو طبع ہو کر بارہا شائع بھی ہو چکی ہے۔

سوال یہ تھا کہ آیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں کوئی خاص حیات حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی ہے؟

جواب: ”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ”انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء“ میں بتصریح لکھا ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا۔ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کی حیات دنیوی ہے بایں معنی کہ برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو شائع ہو چکا ہے اس کا نام ”آب حیات“ ہے۔

مسئلہ حیات میں وجہ تردد

نوٹ: مسئلہ حیات میں ایک وجہ تردد تذبذب کی یہ بھی ہے کہ خصائص نبوت اور خصائص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باب پیش نظر نہیں ہوتا۔ شرح المواہب کے باب الخصائص میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں تھوڑے تھوڑے لوگوں نے داخل ہو کر بغیر جماعت کے نماز ادا کی یہ خصوصیت بھی آپ کی موت کو دوسروں کی موت سے ممتاز کرتی ہے۔

شمائل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے سوال کیا کہ کیا ہم آپ کی نماز جنازہ پڑھیں؟ فرمایا ہاں! پوچھا کس طرح؟ فرمایا کچھ لوگ داخل ہوں۔ بغیر امام کے نماز پڑھیں اور دعا کریں اور اسی طرح پھر دوسرے نوبت بہ نوبت کریں۔

طبقات ابن سعد ص ۲۰ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی مواجہ شریفہ میں کھڑے ہو کر دعا مانگتے رہے اور لوگ آمین کہتے رہے اور آپ نے فرمایا کہ کوئی آگے ہو کر امامت نہ کرے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی حالت حیات و موت میں تمہارے امام ہیں چنانچہ تھوڑے تھوڑے آدمی داخل ہو کر بغیر امام کے نماز ادا کرتے رہے۔ واللہ اعلم۔

امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ

اثنائے درس بخاری شریف نویں پارہ ص ۳۰۶ میں "قال حماد" پر فرمایا کہ حماد استاد ہیں۔ امام اعظمؒ کے بلکہ امام ابو حنیفہ ان کی زبان ہیں اگرچہ کہنے والوں نے حماد کو بھی مرجئی کہہ دیا ہے۔ پس حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے اقوال نہیں لاتے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے عقائد تو سب حماد و علقمہ اور ابراہیم نخعیؒ ہی سے ماخوذ ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حماد سے تو دوستی ہو اور ابو حنیفہ سے دشمنی ہو۔ اس کے بعد فرمایا کیا اعمال کو ایمان و عقائد میں کیسے داخل کیا جا سکتا ہے۔ یوں ہی گھر میں بیٹھ کر جو چاہو اعتراض کئے جاؤ۔ اور اپنا دین علیحدہ علیحدہ بنائے جاؤ مگر دین تو وہی ہوگا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

امام بخاری نے پہلے پارے میں کتاب الایمان کے ص ۹ پر کفر دون کفر کا باب قائم کیا اور خوب زور لگایا کہ عمل ذرا بھی کم ہوا تو کفر ہو گیا۔ اور وہاں کوئی بھی نرمی اختیار نہیں کی کہ احتمال کی صورت پیدا ہو جاتی۔ پھر ستائیسویں پارہ میں ص ۱۰۰۲ پر باب "ما یکرہ من لعن شارب الخمر" قائم کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبائر گناہوں شرب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے فرمایا:۔

محقق یمنی محدث نے کہا ہے کہ امام بخاری حنفیہ سے حدیثیں نہیں لیتے۔ اگرچہ بہت کم درجہ کے لوگوں سے لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مثال وہی ہے کہ امام محمد سے نہیں لیں اور مروان سے لیں جس کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی رجال میں بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ مروان فتنہ پرداز خونریزیوں کا باعث اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا ہے اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ ہم صاحب حکومت بنیں۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

کون ہے جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ (مروا اپنے بھانجے ابن زبیر تھے) یہ سن کر اشتر نخعی چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر کسی نے پاؤں اونٹ کے تلوار ماری جس سے سواری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھا تو فوراً وہاں پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہو گئی۔

اسی طرح حضرت طلحہ و زبیر حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر جنگ سے واپس ہونے لگے تو مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہ کو تیر مار کر زخمی کر دیا کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے۔ اس میں حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی کا مادہ غیر معمولی تھا۔

وزیر زبیدی نے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں امام بخاری پر اعتراضات کئے اور کہا کہ امام محمد سے روایات نہیں لیں اور پھر مجہول رواۃ دکھلائے جو بخاری میں آئے اور کسی نے ان کی توثیق نہیں کی۔ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

فرمایا:۔ ابن ابی اویس اور نعیم بن حماد کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں۔ پھر واقعہ کا علم خدا کو ہے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اب جتنی جرحیں بھی سامنے آئیں گی امام ابو حنیفہ کے متعلق خواہ امام بخاری ہی سے آئیں وہ کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں ہوں گی کیونکہ جو متعصبین پر ان کی جرحیں صحیح نہیں ہوتیں کما لا یخفی۔

نعیم سے کئی جگہ بخاری میں اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کا ذریعوں سے لینا کب درست ہو سکتا ہے؟

فرمایا:۔ جہم بن صفوان اواخر عہد تابعین میں پیدا ہوا تھا۔ صفات الٰہیہ کا منکر تھا امام صاحب سے اس کا مناظرہ ہوا اور امام صاحب نے آخر میں اس سے فرمایا کہ اے کافر میرے پاس سے چلا جا۔ اسماء و صفات میں یہ واقعہ موجود ہے میں نے اس کو "اکفار الملحدین" میں بھی ذکر کیا ہے کہ امام صاحب ایسے جلد باز نہ تھے کہ بغیر اتمام حجت ہی کے کافر کہہ دیتے۔

اسی طرح امام محمدؒ سے بھی جہم کی مخالفت منقول ہے جو سب کو معلوم ہے مگر باوجود اس کے بھی امام بخاری نے امام محمد کو خلق افعال کے مسئلہ میں جہمی کہہ دیا ہے۔

فرمایا۔ میری نظر میں بخاری کے رواۃ کی ایک سو سے زیادہ غلطیاں ہیں۔ اور ایک راوی کی کئی جگہ باہم متعارض و مختلف روایات کرتا ہے۔ ایسا بھی بہت ہے جس کو میں درس میں اپنے

موقع پر بتلا دیا کرتا ہوں اور اس پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ یہاں نئی چیز آئی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ الحمد للہ میرا مطالعہ ونظر بہت سے شارحین حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجر سے تتبع طرق واسانید میں تو کم لیکن معنی میں زیادہ ہی کلام کر سکتا ہوں۔

پس جن پر کلام کرنے کی ضرورت ہے ان سے زیادہ جانتا ہوں۔ معنی حدیث ان کا موضوع ہی نہیں ہے اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا۔

حافظ نے بھی حوالوں وغیرہ میں بہت سی غلطیاں کی ہیں ان کو بعض اوقات قیود حدیث محفوظ نہ رہیں اور میں نے ان ہی قیود سے جوابدہی کی ہے۔

حقائق ومعارف کو سوائے شیخ اکبر کے سب سے زیادہ واضح کر سکتا ہوں اور وہ نصوص سے ثابت نہیں کرتے۔ میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔

فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھو جزء القراءۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین۔

اسی موقع پر بھی ۱۹ بخاری میں فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے دو غلطیاں ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ روایت عبد اللہ کی ہے جو صحابی ہیں تو مالک کی کہ وہ مسلمان بھی نہیں ہوا تھا دوسری یہ کہ بحینہ عبد اللہ کی ماں ہیں تو مالک کی۔ لہٰذا مالک بن بحینہ کہنا بھی غلط ہے۔

فرمایا:۔ کتاب الحیل میں امام بخاری نے حنفیہ کے خلاف بہت زور لگایا ہے اور ایک اعتراض کو بار بار دہرایا ہے۔ حالانکہ خود ہمارے یہاں بھی امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا کسی صورت سے جائز نہیں۔ لہٰذا جو لوگ حیلے کے مسائل لکھیں ان کو امام ابو یوسف کی یہ عبارت بھی ضرور نقل کرنی چاہئے تا کہ معلوم ہو جائے کہ دفع حقوق یا اثبات باطل کے لئے حیلہ جائز نہیں۔ البتہ اثبات حق یا دفع باطل کے لئے درست ہے یا مثلاً کوئی شخص اس طرح مبتلا ہو جائے کہ واجبات سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو اور ان کی وجہ سے قریب ہلاکت ہو اور مجبوراً ناداری کی وجہ سے اپنی گردن ان واجبات خداوندی سے چھڑانا چاہے تو اس کے لئے ہمارے یہاں حیلہ کی گنجائش ہے اور ایسی صورتوں کا جواز سب کے یہاں ملے گا اور امام محمد سے بھی منعی وغیرہ

نے ابطال حق کے لئے حیلہ کو مشروع نہیں لکھا ہے۔ جس سے حیلہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ دو چیزیں الگ الگ ہیں اور ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں امام بخاری نے چونکہ دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ اعتراض کر دیا۔ حالانکہ یہ بات ابتدائی کتابوں میں ہوتی ہے کہ کسی فعل کا عدم جواز اور ہے اور نفاذ اور شے۔ فقہ میں تو سقوط زکوٰۃ ہی کا ذکر ہوگا باقی اس کا یہ فعل دیانۃً ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ پھر کیا اعتراض رہا؟

اسی طرح امام بخاری نے اعتراض کر دیا کہ بعض الناس تعجیل زکوٰۃ کے بھی قائل ہیں حالانکہ اس بات کا تعلق بھی فقہ سے ہے اور شارح وقایہ نے تفصیل کی ہے کہ ذمہ مشغول ہو حق سے تو نفس وجوب ہے اور فارغ کرنا ذمہ کو تو وجوب ادا ہے تو ہمارے یہاں سبب وجوب ہونے پر نفس وجوب ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا جواز ہے نہ کہ وجوب سے بھی قبل کہ تعجیل کا اعتراض درست ہو۔

امام بخاری سے نقل ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے معرفت حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی کتاب سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے سنی سنائی معرفت ہے۔ [illegible] نہیں سنی ہے اور بہت کم چیزیں ان کو پہنچی ہیں۔ ہمارے یہاں اکراہ کی صورت یہ ہے کہ اپنی ذات یا قریبی رشتہ دار پر واردات گزر رہی ہو۔ مثلاً قتل نفس قطع عضو ضرب مبرح وغیرہ کی دھمکی اور بخاری یہ سمجھے کہ دوسرے پر گزرے تب بھی یہ اکراہ ہے حالانکہ کوئی ذی فہم بھی اس کو اس حالت میں مکرہ نہ کہے گا۔ یہ بات اور ہے کہ دین و شریعت کی رو سے دوسرے کی جان و مال کو بھی بچانا ضروری ہے۔ یوم المهاجرین الاولین بخاری ص ۱۰۴۳ پارہ ۲۹ باب "استقضاء الموالی واستعمالهم" پر فرمایا کہ دیکھئے یہاں امامت صلوٰۃ ہے اس کا یہاں کیا تعلق تھا؟ بخاری کا بھی یہ حال ہے کہ "زور والا مارے اور رونے نہ دے" پھر مسکرا کر فرمایا: "اب چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اس لئے ادب چھوٹ گیا"۔

ایک روز درس ہی میں فرمایا کہ احناف کی زیادتیوں پر ہمیشہ کلام کرنے کی عادت تھی لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا۔ اس لئے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی۔ اب

چونکہ آخر وقت ہے اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب میرے ضعیفوں کی ضعف پیری کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے مگر اس سے یہ ہرگز ہرگز مت سمجھنا کہ بخاری کی احادیث کی چند راویوں کے ضعف وغیرہ کی وجہ سے گر گئیں۔ اس لئے کہ ان کے متابعات دوسری کتب حدیث میں عمدہ راویوں سے موجود ہیں۔ اس لئے ان کی وجہ سے قوی ہو گئیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس روز درس بخاری شریف میں حضرت مخدوم و محترم مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مدظلہ مفتی راندیر و سورت بھی موجود تھے جو آج کل صدر مفتی دار العلوم دیوبند ہیں۔

"وہو وجہ صحیح" ص ۳۰۰ پارہ ۲۸ بخاری پر فرمایا کہ امام بخاری کو جو ہم سے قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اسی لئے اعتراض کو ہیر پھیر کر بار بار لا رہے ہیں۔ اور مقصود دل ٹھنڈا کرنا۔ اور مخالفت کا حق ادا کرنا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی وہی فقہ حنفی سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ کارفرما ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ یوں ہی مطلق نہیں ہے بلکہ اس کے قیود و شروط ہیں دوسرے وہ عقود و فسوخ میں ہے۔ املاک مرسلہ میں نہیں۔ اور اس محل میں بھی انشاء حکم کی صلاحیت موجود ہونا شرط ہے وغیرہ۔ جس کی تفصیل مبسوط میں سب سے بہتر ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل تک ائمہ حنفیہ پر رد و قدح نہ تھی اس فتنہ کے بعد سے یہ چیزیں پیدا ہوئیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو تنہا[1] محدث یا فقہ سے کم مناسبت والے تھے انہوں نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے لیکن جو محدث فقیہ بھی تھے وہ محتاط رہے اور بہت سے حضرات نے دفاع بھی کیا ہے بلکہ مناقب ائمہ پر کتابیں لکھیں۔

---

[1] راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو کچھ امام بخاری کے بارے میں حضرت امام اعظم قدس سرہ کے حق میں [illegible] وہ یہاں ایک جگہ درج کر دی گئی ہے اور خیال یہ ہے کہ [illegible] ملفوظات کی ترتیب کے وقت بحث میں [illegible] ہم یہ بھی کہتا ہوں کہ [illegible] جس کی شرح بہت طویل ہے اگر خدا نے توفیق دی تو ناظرین شرح بخاری (انوار الباری) کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تاہم آپ کی کچھ ضروری وضاحت [illegible] دوسرے محدثین کے [illegible] کا بھی بیان ہوگا۔

[illegible] مضمون پڑھ کر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے جو تبصرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ائمہ حنفیہ اور محدثین

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مستقل شیوہ ہے کہ وہ حنفیہ کے عیوب نکالتے ہیں اور مناقب چھپاتے ہیں اور شوافع کے ساتھ معاملہ برعکس کرتے ہیں ایک جگہ حافظ نے ابن عبداللہ کی طرف اختیار رفع یدین کی نسبت کی ہے حالانکہ وہ قول ابن عبدالحکم کا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل میں نے رفع یدین کے رسالہ میں کی ہے اسی طرح اور جگہ بھی حافظ نے نقل میں غلطی کی ہے یہ رجال حدیث کی غلطیاں ہیں۔

پھر فرمایا کہ محمد بن جعفر (غندر) نے امام زفر کی کتابیں دیکھ کر فقہ حاصل کیا ہے ان کی عبادت وزہد کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے محدثین نے ان کا حال بھی چھپایا ہے بصرہ والے امام ابوحنیفہ سے منحرف تھے لیکن جب یہ گئے تو لوگ ان کی طرف بہت مائل ہوئے اور دوسرے محدثین کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

حدیثیں اور مسائل تحقیق سنا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ سب امام ابوحنیفہ سے ہیں۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مستحق ہو یہ مسودہ طبع ہو کر ہر طبقہ میں مقبول ہو جائے۔ تبصرہ (از صدق جدید ۲۰ جون ۱۹۶۴ء)

صدق جدید: ماضی قریب میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی جس پایہ کے فاضل جلیل گزرے ہیں کسی پر مخفی نہیں۔ ان کے ملفوظات درس ان کے شاگرد خصوصی مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے قلم سے دو جلدوں کے مائندہ نقل میں شائع ہوئے ہیں اس کے ایک تازہ نمبر سے چند جستہ جستہ۔

انہوں نے درس بخاری میں فرمایا کہ ہمارا استاد ہیں امام اعظم کے حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں (تا یہ کیا چیز ہے)

اور اسی رنگ کی عبارتیں اور (بھی متعدد ہیں) یہ سب آخر کیا ہے؟ علامہ کشمیری امام بخاری کے منکر یا مخالف ہیں؟ یا ان کی کتاب کا شمار صحیح ترین، مستند کتابوں میں تسلیم نہیں کرتے؟ یقیناً نہیں علامہ ان کے پوری طرح معتقد ہیں ان کی اور ان کی کتاب کی عظمت کے ہر طرح قائل ہیں۔

لیکن علم کا حق اور سچائی کا حق ان کی ذات سے بھی بڑھ کر اپنے اوپر سمجھتے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں اپنی بصیرت کے مطابق انہیں ان کی علمی تحقیق میں کوئی خامی یا لغزش کی کوئی نظر آئی اس کا اظہار بھی برملا اور بے تکلف ان کی ذات کے ساتھ پورے احترام کو ملحوظ رکھ کر کر دیتے ہیں۔

اور خود امام بخاری کا بھی یہی طرز عمل اپنے معاصرین اور بزرگوں کے ساتھ تھا جیسا کہ ایک مدت اوپر کے حوالوں سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

یہی مسلک صحیح اور صائب ہے کل بھی یہی صحیح تھا اور آج بھی یہی صحیح ہے۔ یہ تقلید جامد کہ جو کچھ ہم سے پیشتر کے بزرگ فرما گئے ہیں بس وہی حرف آخر ہے۔ ہر حال میں اس پر ایمان رکھنا واجب نہ مقتضائے عقل ہے نہ مطلوب شریعت۔ بڑے سے بڑا فاضل و محقق بھی بہرحال ایک غیر معصوم بشر ہی ہوتا ہے"۔

طریقہ کی وجہ سے لوگ بہت مانوس ہوئے۔ فرمایا کہ بخاری و مسلم میں تو غزوۂ خندق میں صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔ مگر امام طحاوی نے معانی الآثار میں امام شافعی سے روایت کیا کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں اور اس کی سند قوی ہے اس پر فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ حتیٰ کہ امام طحاوی کے عیوب بھی لگائے ہیں حالانکہ امام طحاوی جب تک مصر میں رہے کوئی محدث نہیں پہنچا تھا جو ان سے حدیث کی اجازت نہ لیتا ہو اور وہ حدیث کے مسلم امام ہیں۔ امام طحاوی کا سوواں حصہ رکھنے والوں کی بھی حافظ نے تعریف کی ہے۔

حافظ عینی حافظ ابن حجر سے عمر میں بڑے تھے اور بعد تک زندہ رہے ہیں۔ حافظ نے حافظ عینی سے ایک حدیث صحیح مسلم کی اور دو حدیثیں مسند احمد کی سنی ہیں۔ یعنی اجازت حاصل کی ہے۔

ایک دفعہ فرمایا۔ حافظ کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں۔ دسیوں بیسیوں جگہ پر یہی دیکھا ایک روز فرمایا کہ ہمارے یہاں حافظ زیلعی سب سے زیادہ محتاط ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر سے بھی زیادہ ہیں مگر کاتبوں کی غلطیوں سے وہ بھی مجبور ہیں۔

ایک دفعہ دوسرے محدثین کے تذکرہ میں فرمایا کہ ابو داؤد امام صاحب کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں۔ امام بخاری مخالف ہیں۔ امام ترمذی معتدل ہیں۔ ان کے یہاں نہ تحقیر ہے نہ تعظیم۔

امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔ امام مسلم کا حال معلوم نہیں ہوا ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے۔ صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ شافعی ہیں۔

ابو نعیم صاحب حلیہ بھی امام ابو حنیفہ کے مخالف نہیں ہیں۔ اور ایک روایت بھی امام صاحب کی سند سے لاتے ہیں امام صاحب کا مسند بھی مرتب کیا ہے۔ خطیب بغدادی ائمہ حنفیہ کے مخالف ہیں۔

راقم الحروف مندرجہ بالا تصریحات کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امام صاحبؒ تمام ائمہ متبوعین میں علم و فضل کے اعتبار سے مقدم اور افضل ہیں جیسا کہ کتب تاریخ و مناقب سے ثابت ہے کہ امام مالک سے عمر میں بڑے تھے۔ امام

صاحب نے متعدد صحابہ کو دیکھا مگر امام مالک کو باوجود مدینہ طیبہ میں ولادت وسکونت کے یہ شرف حاصل نہیں۔ جب امام صاحب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے امام مالک ان سے علمی مذاکرات کرتے تھے۔ متعدد دفعہ پوری پوری رات اسی میں گزر جاتی تھی اور امام مالک ان کے علم وفضل کے بے حد معترف ومداح ہیں۔ امام مالک نے امام صاحب سے روایت بھی کی ہیں اور اسی لئے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ غیر معمولی استفادہ کیا ہے۔

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور امام صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ سب لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں۔ امام احمدؒ امام ابو یوسف کے شاگرد اور امام محمد سے مستفید ہیں۔

پھر امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام ترمذی وغیرہ سب امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے بہت بڑا علم اسحاق بن راہویہ سے حاصل کیا ہے جو عبداللہ بن مبارک کے خاص تلمیذ ہیں اور عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے خاص تلمیذ ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بہت زیادہ حقیر و بے بضاعت بجز ابن مدینی کے اور کسی کے سامنے نہیں پایا مگر یہ ابن مدینی مع امام احمد اور یحییٰ بن معین تینوں یحییٰ بن سعید القطان کے شاگرد ہیں اور اس شان سے کہ وہ عصر سے مغرب تک پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد کے ایک ستون سے کمر لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ یہ تینوں سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر ان کا درس سنتے اور احادیث ومسائل کے اشکالات حل کرتے تھے۔

مورخین نے لکھا کہ یحییٰ القطان کے علم وفضل کا رعب وجلال اس قدر تھا کہ نہ وہ خود ان تینوں کو بیٹھنے کے لئے فرماتے تھے اور نہ یہ خود بیٹھتے تھے۔

پھر دیکھئے یحییٰ القطان کو علامہ کردری نے امام صاحب کے اصحاب میں اور امام صاحب کے مذہب کے اہل شوریٰ میں ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور استفادہ کرتے تھے اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ تاریخ رجال کے سب سے پہلے مصنف ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"خدا گواہ ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بول سکتے "ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کسی کو صاحب الرائے نہیں پایا، اور ہم نے اکثر اقوال ان کے اختیار کیے ہیں"۔

حافظ حدیث مکی بن ابراہیم بلخیؒ کے امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔ اور بخاری شریف میں ان کی روایات سے امام بخاری نے بہت سی روایات لی ہیں۔ حتیٰ کہ بخاری شریف میں سب سے اعلیٰ درجہ کی ۲۲ احادیث جو ثلاثیات ہیں۔ ان میں سے بیس حدیثوں کے راوی حنفی ہیں اور گیارہ تو صرف مکی بن ابراہیم کی ہیں۔ گویا بخاری شریف کی اس بہت بڑی فضیلت کا باعث اکثر حنفی رواۃ ہیں۔

یہ بھی امام صاحب کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو امام صاحب کی خدمت میں رہ پڑے تھے اور رات دن استفادہ کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور عالم کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس کو احادیث کے متون و اسناد دونوں پوری طرح یاد ہوں۔

مناقب کردری میں اسماعیل بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم امام مکی کی مجلس میں حدیث کا درس لے رہے تھے۔ امام نے فرمانا شروع کیا یہ حدیث روایت کی ہم سے امام ابوحنیفہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریجؒ کی حدیث بیان کرو ابوحنیفہ سے روایت مت کرو۔

محدث مکی نے جواب دیا کہ "ہم بیوقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے۔ میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت سنو اور میری مجلس سے نکل جاؤ"۔

چنانچہ جب تک وہ شخص اٹھ کر نہیں چلا گیا۔ شیخ نے حدیث کی روایت نہیں کی اس کے جانے کے بعد پھر امام ابوحنیفہ سے ہی روایت بیان کی۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینی مناسب ہے کہ امام بخاری اور دوسرے بعد کے محدثین کے یہاں ثلاثیات بہت کم ہیں اور اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ امام بخاری کی ساری بخاری میں ۲۰، ۲۲ سے زیادہ نہیں اور امام صاحبؒ چونکہ متقدم اور تابعین سے ہیں۔ ان کی اکثر روایات ثلاثی

۱؎ واضح ہو کہ یہ محدث ابن جریجؒ امام صاحب کے بڑے مداح اور معترف علم و فضل تھے۔ ان کو جب امام صاحب کی خبر وفات پہنچی تو نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا کہ: "کیا ہی علم جاتا رہا"۔

ہیں بلکہ ثنائیات بھی ہیں۔ اسی لئے علامہ شعرانی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ حدیث کی تصدیق تھی میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول و ثقات تابعین سے مروی ہے مثلاً اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری وغیرہ سے۔ پس امام صاحب اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عادل ثقہ عالم اور بہترین بزرگ جن میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب نہیں۔

اور اسی لئے ائمہ حدیث اور علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ ائمہ متبوعین مجتہدین نے جن احادیث سے فقہ مرتب کی ہے وہ بعد کی احادیث سے زیادہ اوثق و معتمد تھیں۔

کیونکہ اول تو وہ حضرات ان سب محدثین متاخرین کے اساتذہ تھے پھر عہد رسالت و صحابہ سے زیادہ قریب تھے۔ جھوٹ کا شیوع بھی خیر القرون میں نہیں تھا۔ اس سے جو کچھ ضعف رواۃ کی وجہ سے پیدا ہوا وہ بعد کی پیداوار ہے۔

(۸۱) اسی پر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تعجب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اگر امام بخاری کو امام صاحب کے عقائد کے بارے میں کچھ تشفی نہیں تھی تو یہ کیا بات ہے کہ امام صاحب نے جن حضرات سے علم حاصل کیا جنہوں نے ان کو خود جانشین کیا تھا۔ مثلاً حماد نے اور پھر حماد کے بعد سب ہی نے متفقہ طور پر سے امام صاحب ہی کو ان کی مسند کا مستحق قرار دیا ہے ان سے تو امام بخاری روایت کرتے ہیں اور امام صاحب سے نہیں کرتے امام صاحب کے عقائد وہی تھے جو ان کے استاد حماد، علقمہ، ابراہیم نخعی وغیرہ کے تھے۔ مگر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الضعفاء میں امام صاحب کے مرجئی کہہ دیا ہے اور باقی سب اساتذہ و تلامذہ امام صاحب کے جن سے وہ روایت کرتے ہیں ان کے نزدیک وہ اچھے تھے۔

امام اعظمؒ مرجئی نہیں تھے

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کو جو رنجش امام صاحب کے متبعین سے پہنچی تھی اس کی وجہ سے امام صاحب پر مرجئہ میں سے ہونے کی تہمت لگا دی مگر ہم امام بخاری کی جلالت قدر سے اس کی توقع بھی نہیں کرتے اور اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا خیال ہوا۔

یہ بھی خیال رہے کہ اس قسم کی تلخی امام بخاری کے مزاج میں اپنے بعض شیوخ حمیدی

وغیرہ کی صحبت میں رہ کر پیدا ہوئی کیونکہ شیخ حمیدی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت و عصبیت سے کام لیتے تھے۔ پھر یہاں بھی مزاج میں بہت تیزی تھی۔ اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف بات کہہ دیتا تو سخت کلامی پر اتر آتے تھے۔ اس کو بے آبرو کر دیتے تھے اور غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو نہ رکھتے تھے۔

طبقات سبکی میں ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی کی مجلس میں ابن عبدالحکم اور بویطی کا جھگڑا ہوا۔ امام شافعی نے بویطی کی حمایت کی۔ ابن عبدالحکم نے کہا کہ آپ نے جھوٹ کہا اس پر حمیدی بولے "کہ تم بھی جھوٹے اور تمہارے باپ اور ماں بھی"۔

امام احمد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حمیدی بشر بن السری سے ناراض ہو گئے اور کہا کہ "جہمی" ہے۔ اس سے حدیث لینا جائز نہیں بشر نے حلف اٹھا کر حمیدی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ وہ جہمی عقیدہ نہیں رکھتے تب بھی ان سے صاف نہ ہوئے اور وہی بات کہتے رہے۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ میں نے خود بشر کو دیکھا کہ بیت اللہ کا استقبال کئے ہوئے ان لوگوں کے لئے بددعا کیا کرتے تھے۔ جنہوں نے ان کو جہمی کہہ کر بدنام کیا تھا اور کہتے تھے کہ خدا کی پناہ اس سے کہ میں جہمی ہوں۔

چنانچہ دوسرے ائمہ نے حمیدی کے خلاف بشر کی توثیق کی ہے اور احادیث بھی ان سے روایت کی ہیں امام بخاری نے فقہ شیخ حمیدی سے پڑھی ہے جو امام صاحب کی جلالت قدر سے ناواقف تھے۔ یا جان بوجھ کر امام صاحب کی تنقیص کیا کرتے تھے

علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بخاری میں کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی جس کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ "ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے"۔

حالانکہ اس کی وجہ سے بخاری میں روایات نہ لینا بڑا ہی کمزور پہلو تھا۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ملفوظات ہذا میں بھی فرمایا کہ امام بخاری بھی اس کو احادیث صحیحہ قویہ کے پیش نظر قائم نہ رکھ سکے۔ اگرچہ کتاب الایمان میں ان کو نہ لائے اور دوسری جگہ ان کو لانا پڑا۔

پھر یہ کہ اعمال کو مقاصد کا درجہ دینا یا ان کو جزو ایمان بتانا یوں بھی کسی طرح درست نہیں ہو

مسلک احناف سے قطع نظر شوافع اور دوسرے محققین ائمہ وسلف کا بھی یہ مسلک نہیں۔

امام رازی شافعی نے کتاب "مناقب الشافعی" میں لکھا ہے کہ امام شافعی پر بھی ایمان کے بارے میں متناقض باتوں کے قائل ہونے کا اعتراض ہوا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ ایمان کو تصدیق وعمل کا مجموعہ کہتے ہیں اور دوسری طرف اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا ایک جزو نہ رہا تو وہ مرکب بھی من حیث المرکب باقی نہ رہا۔ اسی لئے معتزلہ جس عمل کو جزو ایمان کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ پھر امام شافعیؒ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اصل ایمان تو اعتقاد واقرار ہی ہے باقی اعمال وہ ایمان کے توابع وثمرات ہیں۔ لیکن امام رازی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ اس جواب سے تو امام شافعی کا نظریہ باقی نہیں رہ سکتا۔

امام الحرمین جوینی شافعی نے اپنی عقائد وکلام کی مشہور تصنیف "کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد" کے صفحہ ۳۹۶ سے صفحہ ۳۹۸ تک ایمان کی تحقیق کی ہے اور دوسرے نظریات کے ساتھ اصحاب حدیث کا نظریہ۔ ایمان مجموعہ معرفت قلب اقرار لسان اور عمل بالارکان بتلا کر اس کی غلطی بتلائی ہے اور مذہب اہل حق یہی بتلایا ہے کہ حقیقۃ الایمان تو صرف تصدیق قلبی ہی ہے۔ لیکن تصدیق چونکہ کلام نفسی ہے اس لئے جب تک اس کا اظہار لسان سے نہ ہو اس کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے وہ بھی ضروری ہوا لیکن اعمال وعبادات کو جزء الایمان کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پھر دوسروں کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

اور یہی امام صاحب اور دوسرے ائمہ احناف کا بھی مسلک ہے۔ جیسا کہ تمام کتب عقائد وکلام میں مشرح ہے اس بحث کے متعلق امام اعظمؒ کی ایک تحریر موجود ہے۔ جو عثمان بتی کے خط کا جواب ہے اس سے امام صاحب کی دقت نظر اور ان کے مدارج اجتہادی برتری معلوم کی جا سکتی ہے۔ ہم نے سب اس قسم کے مباحث "انوار الباری" کے مقدمہ میں نقل کر دیئے ہیں۔

امام اعظمؒ نے فقہ اکبر میں مرجئہ فرقہ کی تردید کی ہے تمام علماء نے لکھا ہے کہ حنفیہ مرجئہ کو ناری کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

لیکن امام بخاری اپنے شیخ حمیدی کی طرح ان کو مرجئہ میں سے ہی کہے جا رہے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی

بن معین (امام بخاری کے استاذ) سے امام صاحب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ۔

ثقہ ہیں۔ میں نے کسی ایک شخص کو بھی انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا (الخیرات الحسان)

غرض جس طرح کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل ائمہ حنفیہ پر کوئی جرح نہیں تھی۔ دوسری صدی کے آخر تک جتنے بھی بڑے بڑے حضرات تھے۔ سب ہی امام صاحب کی مدح و توصیف کرتے ہیں پھر قرون مشہود لہا بالخیر کے گزر جانے پر کذب وافتراء اور غلط و جھوٹے پروپیگنڈے کے دور کا آغاز ہوا تو ایسے لوگ نکل آئے جو ائمہ متبوعین پر بھی افتراء کر کے ان کو مجروح کرنے کی سعی کرتے رہے اور اس سے ہمارے اکابر محدثین امام بخاری وغیرہ بھی متاثر ہو گئے۔

خود حافظ ابن حجر نے باوجود تعصب حنفیت و شافعیت کے مقدمہ فتح الباری میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور اسی طرح کتب رجال میں بھی اگرچہ اصحاب امام کے حالات میں اس اعتدال کو باقی نہیں رکھا۔ جس کی تفصیل مقدمہ انوار الباری میں پیش ہو چکی ہے۔

کتب اصول حدیث' کتاب المغنی شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار' الکفایہ فی علم الروایہ خطیب شافعی' التقریب نووی شافعی' مقدمہ ابن صلاح شافعی اور طبقات الشافعیہ علامہ سبکی شافعی میں جو اصول جرح و تعدیل بیان ہوئے ہیں۔ ان کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

ان کی رو سے امام صاحب پر جرح صحیح نہیں اور صاحب مجمع البحار نے تو پوری صراحت کے ساتھ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ اقوال کی تردید کی ہے اور عقل و نقل سے ان کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح کتب رجال و مناقب میں امام ذہبی شافعی امام نووی شافعی' حافظ صفی الدین خزرجی' امام یافعی شافعی' فقیہ ابن العماد حنبلی' حافظ ابن عبدالبر مالکی' شیخ ابن حجر مکی شافعی' امام سیوطی شافعی وغیرہ نے بھی امام صاحب کے صرف مناقب لکھے ہیں کوئی جرح نقل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروئے اصول روایت امام صاحب ہر طرح ثقہ ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی جرح لائق اعتبار نہیں۔

اس قسم کی اہم نقول بھی ہم انوار الباری کے مقدمہ میں شائع کر چکے ہیں۔ اس کے بعد عقلی طور سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جرح کا بڑا سبب امام صاحب کے کمالات کی وجہ سے حسد تھا جس کا

کچھ علاقہ نہیں تھا یا جہل تھا کہ امام صاحب کے صحیح نظریات سے واقفیت نہ ہوئی جیسا کہ امام اوزاعی (شام کے محدث اعظم) کو غلط فہمی ہوئی اور جب حضرت عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام صاحب) کے ذریعہ صحیح حالات کا علم ہوا تو نادم ہوئے اور معذرت کی۔

اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام صاحب کے مدارک اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالاتر تھے۔ یہ فہم کی نارسائی اختلاف کا سبب بن گئی پھر اختلاف نے جرح کا رنگ لے لیا۔ واضح ہو کہ امام صاحب کی غیر معمولی دقت نظر و بلندی فکر اور آپ کے مدارک اجتہاد کی برتری و تفوق کا اعتراف اس زمانہ کے اجلہ معاصرین و محدثین امام اعمش، شعبہ، ابوسلیمان، ابن مبارک، خارجہ بن مصعب وغیرہ نے کیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی ہم انوار الباری شرح بخاری میں کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسن بن صالح کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ ناسخ و منسوخ احادیث کا تحقیق سے تفحص کرنے والے تھے اور اس میں وہ لائق اتباع و پیروی تھے اس لئے جس بات تک اہل کوفہ نہیں پہنچ سکتے تھے امام صاحب اسے معلوم کر لیتے تھے۔

امام اعظمؒ کی عقل کامل تھی

علی بن عاصم کا قول ہے کہ آدمی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلہ میں اور امام ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو امام صاحب کا پلہ بھاری ہوتا۔

خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں ان میں صاحب عقل صرف تین چار دیکھے۔ ایک ان میں امام ابوحنیفہ تھے۔

محمد انصاری کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بھی دانشمندی کا اثر پایا جاتا ہے۔

درحقیقت امام عالی مقام کی انتہائی دانشمندی ہی تھی کہ اپنے سینکڑوں فضلائے نامدار شاگردوں سے چالیس اجلہ فقہاء و محدثین کی ایک مجلس بنا کر تیس سال مسلسل لگے رہ کر ایک ایسی فقہ مرتب کر گئے جو دوسری تمام فقہوں پر ہزار بار فائق ہے جس کا ہر ہر مسئلہ قرآن مجید، احادیث، آثار اور اجماع و قیاس صحیح پر مبنی ہے اور اس کی مقبولیت عنداللہ و عندالناس کا

ثبوت اس سے زیادہ کیا کہ ہر دور میں نصف یا دو ثلث امت محمدیہ اس کا متبع رہا۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں سیاسی و علمی فتنوں کی روک تھام بھی صرف اپنی عقل خداداد کی جو اس زمانہ میں انتہائی دشوار مرحلہ تھا۔

امام اعظمؒ اور مسئلہ خلق قرآن

دیکھئے خلق قرآن کا مسئلہ کس قدر نازک تھا۔ اور امام صاحب کی کمال فراست کہ اپنے ہزارہا تلامذہ پر ایسا کنٹرول کیا کہ کسی نے بھی ایسی بات نہ کہی جس سے فتنہ ہو۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے اپنی کتاب "الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء" میں ص ۱۹۵ وص ۱۹۶ پر امام ابو یوسف سے واقعہ نقل کیا ہے کہ امام صاحب مکہ معظمہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے روز کوفہ کی مسجد میں ہمارے پاس آیا اور سب حلقوں میں چکر لگا کر قرآن مجید کے بارے میں سوال کرنے لگا اور ان لوگوں نے مختلف جوابات دیئے میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی صورت میں مجسم شیطان تھا وہ پھر ہمارے حلقہ میں بھی آیا اور سوالات کئے ہم سب نے جواب دیا کہ ہمارے شیخ و استاد موجود نہیں ہیں اور ہم بغیر ان کے ان سے پہلے کوئی جواب دینا پسند نہیں کرتے۔

پھر جب امام صاحب واپس ہوئے تو ہم نے قادسیہ جا کر ان کا استقبال کیا۔ امام صاحب نے شہر کوفہ اور لوگوں کے حالات پوچھے ہم نے بتائے پھر دوسرے وقت اطمینان و سکون سے ہم نے عرض کیا کہ ہم سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ابھی وہ مسئلہ ہم نے ان سے بیان بھی نہیں کیا تھا اور دل ہی میں تھا کہ امام صاحب کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار دیکھے۔

آپ سمجھ گئے کہ کوئی خاص مسئلہ موجب فتنہ سامنے آیا ہے اور خیال کیا کہ ہم اس کا جواب دے چکے ہیں۔ یہی خیال برہمی کا سبب بنا۔ فرمایا:۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس طرح ہے اس کو سن کر امام صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہوئے۔ پھر فرمایا:۔ تم نے کیا جواب دیا؟ عرض کیا:۔ ہم نے کچھ جواب نہیں دیا اور ہم اس سے ڈرتے تھے۔ کوئی جواب دے دیں جو آپ کو پسند نہ ہو۔

اتنا سن کر امام صاحب پر مسرت و بشاشت کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ میری وصیت یاد رکھو اس بارے میں ہرگز کوئی بات نہ کہنا اور نہ دوسروں سے اس کے بارے میں سوال و جواب کرنا بس اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اس پر ایک حرف بھی نہ بڑھانا میرا خیال ہے کہ اس مسئلہ کی وجہ سے اہل اسلام سخت فتنہ میں پڑیں گے کہ ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی صورت ہو جائے گی۔

خدا ہمیں اور تمہیں شیطان رجیم کے مکائد سے محفوظ رکھے۔

امام صاحبؒ کے اس قسم کی پیش بینی و دور بینی اور دینی و دنیوی معاملات میں غیر معمولی احتیاط کے واقعات بہت ہیں ایک دفعہ امام صاحب کی وفات کے بعد امام ابو یوسف کے سامنے خلیفہ ہارون رشید نے بھی اعتراف کیا کہ امام صاحب پر اللہ رحمت کرے وہ عقل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہر آنکھوں سے ہم کو نظر نہیں آتا۔

خلق قرآن کے مسئلہ سے جو فتنۂ عظیم آئندہ رونما ہونے والا تھا اس کو بھی امام صاحب نے مدت پہلے دیکھ لیا تھا اور خود کو اور نیز اپنے سب اصحاب کو اس فتنہ سے بچا لے گئے۔ اگرچہ معاندین نے پھر بھی بدنام کرنا چاہا کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل تھے مگر امام احمد وغیرہ نے ہی آپ کی صفائی بھی امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف سے کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں معاندین و حاسدین نے امام صاحب پر جو الزامات و اتہامات گھڑے ہیں اور جھوٹی سندیں تک بنائی ہیں ان کی شیخ کوثری نے "تانیب الخطیب" اور حاشیہ "الاختلاف فی اللفظ" میں پوری طرح قلعی کھول دی ہے جو قابل دید ہے۔ ہم ان سے بھی ضروری نقول مقدمہ شرح بخاری اردو میں پیش کریں گے۔

مگر یہی مسئلہ امام احمد کے سامنے آیا۔ اور اس وقت چونکہ حکومت نے بزور ایک غلط چیز کو منوانا چاہا اس کو امام احمد کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ پھر یہی مسئلہ امام بخاری کے سامنے آیا اور امام بخاری کے سامنے اس مسئلہ کی ساری نزاکتیں امام احمد کے ابتلاء کی وجہ سے پیش آ چکی تھیں۔ جب وہ ۲۵۰ھ میں نیشاپور پہنچے ہیں تو شہر سے باہر جا کر امام ذہلی نے بڑی کثیر تعداد علماء و صلحاء و عوام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور امام بخاری کو دار البخاریین میں ٹھہرایا۔

امام ذہلی نے اسی وقت لوگوں سے کہا کہ مسائل کلام میں سے کوئی مسئلہ ان سے نہ پوچھنا۔ اس پر اگر لوگ احتیاط نہ کرتے تو خود امام بخاری کو محتاط رہنا چاہئے تھا مگر منقول ہے کہ دوسرے یا تیسرے ہی روز ایک شخص نے لفظ "بالقرآن" کے بارے میں سوال کیا امام بخاری نے جواب دیا۔

"ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال سے ہیں"۔

فوراً اسی جگہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ بعضوں نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں کہا یہاں تک کہ لوگوں میں اس سے کافی جدال و نزاع مچ گیا اور گھر کے مالکوں نے آ کر لوگوں کو نکالا۔ تاہم یہ قضیہ چلتا رہا اور امام ذہلی نے اعلان کر دیا کہ "قرآن خدا کا کلام غیر مخلوق ہے اور جو شخص کہے کہ میرا لفظ بالقرآن مخلوق ہے، وہ مبتدع ہے اس کے پاس بیٹھنا اور اس سے بات کرنا درست نہیں اور جو شخص اس کے بعد امام بخاری کے پاس جائے اس کو بھی متہم سمجھا جائے گا کیونکہ وہی شخص وہاں جائے گا جو ان کے عقیدہ کا ہوگا"۔

چنانچہ سوا ایک دو آدمیوں کے سب نے امام بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا اور وہ تنگ ہو کر نیشاپور سے چلے گئے اور خرتنگ جا کر مقیم ہوئے اور وہیں ۲۵۶ھ میں وفات پائی زیادہ تحقیقی بات یہ ہے کہ امام بخاری کو پہلی بار بخارا سے مسئلہ حرمت رضاع بلبن شاۃ کی وجہ سے نکلنا پڑا۔ دوسری بار مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے بخارا سے نکلے تیسری بار نیشاپور سے امام ذہلی کی وجہ سے مسئلہ مذکورہ میں اور چوتھی بار امیر بخارا کی وجہ سے نکلنا پڑا، جس کا قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

دارالحرب میں جواز عقود فاسدہ و باطلہ

۵ شوال ۱۳۳۹ھ تبلیغ کا کام کرنال جاتے ہوئے، احقر دیوبند حاضر خدمت اقدس ہوا اور بموجودگی مولانا محمود الرحمان صاحب جالونی احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے تو کیا کفار سے سود لینا جائز ہوگا؟ فرمایا جائز ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ جو روپیہ حاصل ہو وہ بھی جائز ہے؟ "جی ہاں" عقود فاسدہ بلکہ عقود باطلہ سے بھی جائز ہے مگر فتویٰ اس لئے نہیں دیتے کہ خطرہ ہے کہ لوگ یہ بھی نہ جانیں کہ شریعت میں سود حرام ہے"۔

اس کے بعد جب احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں ڈابھیل پہنچا اور درس بخاری میں دو سال

تک شرکت کا موقع ملا تو ۲ شعبان ۱۳۵۱ھ کو بخاری شریف کے درس میں ص ۴۲۳ میں "باب هل للاسیر ان یقتل او یخدع الذین اسروہ حتی ینجو من الکفرۃ" پر تقریر فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے۔

اسیر معاہد نہیں ہے

"حنفیہ فرماتے ہیں کہ اسیر معاہد نہیں ہے بجز فروج نساء کے کہ اس کو آسر (قید کرنے والے) کا مال و جان وغیرہ سب جائز و مباح ہے کیونکہ جو امور حرمت و عفت نساء کی جنس سے متعلق ہیں وہ ہر حال میں معصیت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے زمانہ میں علماء وقت نے فتویٰ تیار کیا تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہو گیا ہے جس پر حضرت شاہ صاحب موصوف نے بھی دستخط کئے تھے (یہ کمپنی کا زمانہ تھا اور بہادر شاہ تخت پر موجود تھا) پھر ایک سال بعد کچھ علماء نے معاہدہ کی آڑ لے کر ہندوستان کے دار الاسلام ہونے کا فتویٰ تیار کرنا چاہا جس پر حضرت موصوف نے سخت نکیر کی اور فرمایا کہ "علماء کو کیا ہو گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں یہاں معاہدہ وغیرہ کچھ نہیں ہے یہاں کے لوگ تو اسیر ہیں پھر کوئی جدید معاہدہ بھی نہیں ہوا ہے اور ہم میں چند نواب و رئیس ہوتے ہیں عام لوگوں کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں"۔

ہندوستان انگریزی دور میں

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا اگرچہ حکومت وقت کے ساتھ کوئی معاہدہ حقیقۃً نہیں ہے مگر عملاً معاہدہ کی صورت ضرور ہے کیونکہ حکومت کی طرف اپنے اموال و انفس کے معاملات و جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے رجوع کرنا اور اس سے مدد لینا یہ حکماً معاہدہ ہے یہ میری رائے ہے اگرچہ اس کو فقہاء میں سے کسی نے نہیں لکھا لہذا اس کی روشنی میں فقہی تفریعات بدل جائیں گی اور ہمارے لئے مثل قیدیوں کے سے احکام نہ ہوں گے البتہ اتنی بات اور ہے کہ یہ حکمی معاہدہ پہلے اموال و انفس دونوں میں تھا لیکن اب انفس کے بارے میں ختم ہو گیا ہے کہ وہ (اہل حکومت) ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے) اور اموال کے حق میں اب بھی معاہدہ باقی

ہے لہذا ان کے اموال کا سرقہ جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر ہم ان کے اموال بھی ان مالی حقوق کے عوض کے طور پر ہم حاصل کر سکیں جو ان پر ہمارے واجب ہیں تو درست ہے۔ مگر اس میں کوئی ذلت آمیز یا دناءت کا طریقہ اختیار کرنا دین اسلام کی عزت و سربلندی کے شایان شان نہیں ہے۔ اسی طرح قانون وقت کی گرفت سے بھی بچاؤ کر لینا ضروری ہے اور عام اموال کے بارے میں جب تک ہم مجبور ہو کر ان سے امن اعتماد دینے کا کھلا اعلان نہ کر دیں اس وقت تک ان کا احترام معاہد ہی کی طرح ہی کرنا چاہئے تاکہ اہل اسلام پر غدر و بدعہدی کا الزام نہ آئے حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کافر بدون معاہدہ کے بھی کسی مسلمان پر اطمینان و اعتماد کر لے تو مسلمان کو اس کے قتل و ایذا وغیرہ سے احتراز کرنا چاہئے اور بوقت مجبوری اس کے امن و اعتماد و ضمانت کو ختم کر دینا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا مسئلہ ہی سے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک عبارت یہاں آپ کے خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ پشاور دسمبر ۲۷ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہمارے علمائے احناف نے اس معاہدہ جس کو (معاہدۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم با یہود مدینہ) کو سامنے رکھ کر دار الحرب اور دار الامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

دار الاسلام و دار الحرب کا شرعی فرق

فقہائے احنافؒ نے دار الحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ (یعنی اگر کسی مسلمان مجاہد کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو دار الحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت)

عصمت کی دو قسمیں

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسلام لانے والے کی جان معصوم و محفوظ ہو جاتی ہے مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے

والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ جس کے توڑنے پر اس نفسِ معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔

ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم

(جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے) اس آیت کریمہ میں جزاء سے جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور قتل پر مقتول کی جان کا بدلہ (دیت یا قصاص) بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔ پس اگر مقتول مسلمان دارالاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں۔ اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لے آنے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دارالاسلام اور حکومت و شوکت اسلامیہ ہونا شرط ہے۔

میرا مقصود اس بحث کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں''۔ (مطبوعہ خطبہ صدارت ص ۲۶، ۲۷)

تنقیح مذاہب

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات گرامی کی توضیح و تنقیح کرتے ہوئے چند اہم و ضروری گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق۔

ہدایہ ص ۴۹۲/۳ کے متن میں "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" صرف امام ابو یوسف وشافعی کا خلاف ظاہر کیا ہے لیکن اس کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو طرفین (امام اعظم وامام محمد) کا لکھ کر امام ابو یوسف وائمہ ثلاثہ کا خلاف بتلایا ہے الدر المنتقی ص ۹/۲ میں بھی امام ابو یوسف کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کو لکھا ہے۔ نیز کنز الدقائق للعلامۃ المحدث العینی ص ۲۲۶ کتاب البیوع میں بھی اسی طرح ہے حالانکہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں پوری طرح طرفین کے ساتھ ہیں۔ بجز اس صورت کے کہ اس دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی معاہدۂ صلح موجود ہو ملاحظہ ہو المدونۃ الکبری ص ۱۸۱۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مسئلہ کی توضیح وتقویت کے لئے کافی ہے اور دوسرے دلائل نیز اس مسئلہ کے مالہ وما علیہ کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ انوار الباری میں ذکر کریں گے۔

مولانا گیلانی کا مضمون

اس سلسلہ میں ایک مفصل مضمون "مسئلہ سود و دار الحرب" کے عنوان سے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا نظر سے گزرا جو مولانا مودودی کی کتاب "سود" حصہ اول میں ص ۸ سے ص ۱۳۵ تک درج ہے اور اس پر ص ۱۳۶ سے ۲۰۶ تک مولانا مودودی کی تنقید چھپی ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے کافی حد تک مسئلہ کو منقح کر کے پیش کیا ہے مگر ان کی بعض تعبیرات مسامحت سے خالی نہیں۔

مولانا مودودی کا مضمون

مولانا مودودی نے مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر نہایت عمدہ اور دلنشین طرز میں لکھا ہے مگر چند غلطیاں ان سے بھی ہوئی ہیں جن کو ہم غلط فہمی کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ ص ۲۰۳ میں عنوان "قول فیصل" کے تحت ان کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہو جاتا ہے کہ "مولانا گیلانی کے استدلال کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے"۔ ہم مولانا مودودی کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور جدید مسائل کو سلجھے ہوئے دلنشین اور مدلل طرز میں لکھنے کے امتیازات کی بڑی قدر کرتے ہیں مگر جن مسائل میں وہ صرف اپنی ہی دیکھتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے یا کسی غلط فہمی کے تحت دوسروں کو

بھی مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں اس طرز فکر یا انداز تحریر کی داد دینے سے ہم قاصر ہیں۔ مسح جوربین، بندوق کے شکار کے بغیر ذبح، مسنون صف، غلاف کعبہ کی تعظیم کے لئے جلسوں جلوسوں کی مشروعیت، امامت نسواں کی شرعی حیثیت وغیرہ اور مسئلہ زیر بحث میں بھی ان سے ایسا ہی اختلاف ہے یہاں ہم اسی مسئلہ پر مختصر کچھ لکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

دارالحرب یا دارالکفر میں جواز و عدم جواز عقود فاسدہ کے مسئلہ میں اگر وہ امام ابو یوسف وغیرہ کے مسلک کو ترجیح دے کر عدم جواز کی شق کو ترجیح دیتے تو کوئی حرج نہ تھا۔ ہمارے بعض اکابر دیوبند نے بھی ایسا کیا ہے جیسا کہ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۲/۱۱ اور ص ۲/۱۲۳ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے ص ۱۶۵ میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے مسلک کو دوسرے ائمہ کے مسلک پر نہایت زوردار الفاظ میں ترجیح بھی دی ہے۔ انہوں نے لکھا:۔

''اس طرح قرآن و حدیث نے خود ہی دنیوی عصمت کو دینی عصمت سے الگ کر دیا ہے اور دونوں کے حدود بتا دیئے ہیں۔ تمام فقہائے اسلام میں صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی ایسے فقیہ ہیں جنہوں نے اس نازک اور پیچیدہ قانونی مسئلہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھا ہے امام ابو یوسف، امام محمد[1]، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر مجتہدین بھی ان دونوں قسم کی عصمتوں میں پوری پوری تمیز نہ کر سکے''۔

اس کے بعد مولانا نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فقہ حنفی کے متاخر شارحین کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بات سمجھنے میں غلطی پیش آیا ہے کہ وہ دارالحرب اور دارالکفر کا اصطلاحی فرق نہ کر سکے اور

---

[1] امام محمد پر بے جا تنقید: مولانا مودودی نے یہاں تو صرف متاخر شارحین فقہاء پر نقد کیا ہے لیکن دوسری جگہ امام محمد ایسے جلیل القدر مجتہد کو بھی مجروح کر دیا ہے مولانا گیلانی نے ص ۹۶ پر بحوالہ بخاری ص ۱۰۰ امام سعید بن مسیب امام محمد کا قول سیر کبیر سے نقل کیا تھا جو در حقیقت امام اعظم کے ارشاد و فتویٰ کی ترجمانی تھی۔ مگر مولانا مودودی نے اس پر حاشیہ لکھا:۔ "ان الفاظ کی عمومیت محل نظر ہے۔ اگرچہ امام محمدؒ نے لکھا ہے مگر اس کو بلا کسی قید و شرط کے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ جائز ہوگا کہ مسلمان دارالحرب میں جا کر شراب فروشی کرے یا قحبہ خانے کھول دے یا کوئی مسلمان عورت قحبہ گری کا پیشہ شروع کر دے (ص ۱۰۱) ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات میں نقل کر چکے ہیں کہ عقود فاسدہ کا جواز اس طرح نہیں کی شرط کے ساتھ صرف مالی معاملات بیع و شراء وغیرہ سے متعلق ہے اور ہر ذلت آمیز معاملات کے تمام طریقے یا جن کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور بلندی کو حرف آئے وہ سب ممنوع ہیں تو پھر یہاں بلا قید و شرط کی بحث چھیڑنے کا کیا حاصل ہے؟"

نیز مولانا مودودی نے بھی ص ۱۴۹ پر یہ امر تسلیم کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا نے اپنے اسی خیال کے تحت یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ امام صاحبؒ کے جواز عقود فاسدہ کے فیصلہ کا تعلق صرف دار الحرب سے ہے اور دار الحرب سے مراد صرف وہ دار الکفر ہے۔ جس سے بالفعل جنگ برپا ہو اور جن دیار کفر سے بالفعل جنگ برپا نہیں ہے وہ سب نہ دار الحرب ہیں اور نہ ان میں جواز مذکور کا مسئلہ جاری ہو سکتا ہے۔

فقہاء کے یہاں دار الحرب و دار الکفر کی تفریق نہیں ہے

مولانا مودودی کے نظریہ و استدلال کا محور یہی تفریق مذکور ہے۔ جس کے لئے وہ کوئی نقلی استدلال پیش نہیں کر سکے۔ اس کے برخلاف ہم سمجھتے ہیں کہ فقہاء و مجتہدین کے یہاں اس تفریق کا کوئی وجود نہیں ہے امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان دار الحرب میں جائے تو کیا اس کے اور حربی کے درمیان ربوا ہوگا؟ امام نے دریافت فرمایا۔ کیا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدۂ صلح ہے؟ سوال کرنے والوں نے کہا کہ نہیں اس پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں ربوی معاملات جائز ہیں۔ (المدونۃ الکبریٰ)

دیکھئے امام مالکؒ نے دار الحرب اور دار الکفر کا کوئی فرق نہیں کیا بلکہ اگر دار الحرب کی وہ اصطلاح ہوتی جو مولانا مودودی سمجھے ہیں تو امام مالکؒ کا سوال ہی بے محل ہو جاتا کما لا یخفیٰ۔

اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے جہاں اختلاف کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی حالت جنگ اور زمانۂ صلح کا کوئی فرق نہیں کیا گیا پھر عصمت مؤثمہ و عصمت مقومہ کی جو بحث ہوئی ہے اور اس پر مولانا مودودی کی بھی نظر ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ کا اصل مدار صرف اسی پر ہے نہ کہ دیار کفر کی تفریق مذکور پر۔

طرفین و امام مالکؒ کے مذہب کا فرق

واضح ہو کہ امام مالکؒ اور طرفین (امام اعظم و امام محمد) کے مذہب میں اتنا ہی فرق ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے زمانہ میں تمام دستوری قوانین و احکام کتاب و سنت کی روشنی میں مدون ہوئے تھے اور اسی زمانے کے فقہاء صرف مدارس کے اساتذہ نہ تھے۔ بلکہ وہی اسلامی سلطنتوں کی، باہمی و غیر مسلم سلطنتوں کی رعایا کے درمیان معاملات و تعلقات کی گوناگوں صورتوں اور قانونی مسائل کے فیصلے بھی کرتے تھے جب اس دور کے عام فقہاء کے لئے بھی اتنی بڑی اعتبار کی سند دی جا سکتی ہے تو امام محمدؒ جیسے جلیل القدر فقیہ و مجتہد کی نقل و تصریح کو نظرانداز کر دینا کیا موزوں ہے؟

کہ طرفین دار الحرب و دار الاسلام کی صلح کی صورت میں بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ شرح السیر الکبیر ص ۲۲۸ ج ۴ میں اس کی وجہ بھی لکھی ہے کہ "صلح کی وجہ سے دار الحرب دار الاسلام نہیں بن جاتا۔ مسلمانوں کے لئے بھی دار الحرب والوں کا مال ان کی خوشی و رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں غدر پایا جاتا ہے البتہ ان کی خوشی سے یہ معاملہ ہو تو غدر (دھوکہ) نہ ہوگا اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو جائے گا۔"

دار الحرب کے کفار مباح الدم نہیں ہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مطلق طور سے قائلین جواز کو یہ طعنہ دینا کہ انہوں نے غیر ذمی کفار کو مباح الدم والاموال قرار دے دیا ہے صحیح نہیں ہے اور اس قسم کی تیز قلم تعبیرات سے اپنے نظریہ کو قوت پہنچانا اور دوسروں کے استدلال کو گرانے کی سعی محمود نہیں ہے۔

ہمیں مولانا مودودی صاحب کی اس تعبیر سے بھی اختلاف ہے کہ ہندوستان ایک وقت میں افغانستان کے مسلمانوں کے لئے دار الحرب تھا۔ ایک زمانہ میں ترکوں کے لئے دار الحرب ہوا مگر اب یہ تمام مسلمان حکومتوں کے لئے "دار الصلح" ہے اول تو "دار الصلح" کی اصطلاح نئی ہے اور شاید دار الحرب کے مقابلے میں بنانے کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ لغوی معنی حرب پر پوری توجہ صرف ہوتی ہے ورنہ جیسا کہ ہم نے بتلایا فقہی اصطلاح کی رو سے دار الحرب و دار الکفر میں کوئی فرق نہیں ہے پھر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک دار الحرب والوں کی دو اسلامی ملکوں سے تو مثلاً صلح ہو اور چالیس دوسرے اسلامی ملکوں سے صلح کا کوئی معاہدہ و میثاق نہ ہو اور اس صورت میں اگر دار الحرب کے مسلمان اسلامی ملکوں سے استنصار فی الدین کریں تو کیا مذکورہ بالا دو ملکوں کے سوا کہ وہ میثاق کی وجہ سے مجبور ہوں گے۔ دوسرے چالیس اسلامی ملک بھی ان مظلوم مسلمانوں کی ہر قسم امداد و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے غرض محض حالت حرب بالفعل ختم ہو جانے سے کسی دار الحرب کو ایسے دار الصلح کی حیثیت دے دینا جس سے وہ فوراً تمام مسلمانوں کی حکومتوں کے لئے بطور معاہد و مصالح ملک کے ہو جائے ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

دارالحرب میں مسلمانوں کی سکونت

رہا یہ کہ دارالحرب میں مسلمانوں کے قیام کی مدت سال دو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی یا نہ ہونی چاہئے۔ یہ تحقیق بھی محل نظر ہے کیونکہ دارالحرب یا دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت ضرور مطلوب شرعی ہے۔ اور قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں اس کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے لئے بہ کثرت ارشادات ملتے ہیں مگر اس کے لئے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ٹھکانہ کا دارالاسلام میسر ہونا بھی ایک شرط ہے اور جب تک ایسا نہ ہو تو دارالحرب میں رہ کر ہی مسلمانوں کا اپنے انفرادی اجتماعی و مذہبی حقوق کیلئے پوری ہمت و جرأت کے ساتھ سعی کرنا فرض ہے اگر وہ مظلوم ہوں اور کوئی اسلامی حکومت ان کی مدد نہ کر سکے جب بھی بین الاقوامی قوانین اور ان کو ماننے و منوانے والی دنیا کی چھوٹی و بڑی طاقتیں تو ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ ؎ ہمت مرداں مدد خدا

بالغرض کسی دارالحرب میں اگر مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنا ہی ناممکن ہو جائے یا ان کی جان و مال مسلسل خطرات ہی کی نذر ہوتے رہیں تو وہاں سے ہجرت ضرور واجب ہو جائے گی۔ (اگرچہ یہ شرط پھر بھی باقی رہے گی کہ وہ دارالہجرت ٹھکانہ کا ہو)

غرض ہجرت خود ایک بہت بڑا جہاد ہے اس کے مصائب و آلام اور تکالیف شاقہ کا تحمل آسان نہیں۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے "ویحک ان شان الھجرۃ شدید" فرمایا (بخاری باب زکوٰۃ الابل)

اس لئے حالات و اسباب کے تحت ہجرت کے درجات استحباب سنیت و وجوب کا فیصلہ علماء وقت ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی ایک حکم دیار کفر کے سب مقامات و حالات کے لئے نہیں کیا جا سکتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

دارالحرب کی بسنے والی قوموں کا باہمی معاہدہ ضروری ہے

حضرت شاہ صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستان میں بسنے والی ہندو مسلمان دونوں قومیں ایک متفقہ معاہدہ کر لیں تاکہ کسی کے

دل میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے کہ آزادی کے زمانے میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد کو نقصان پہنچا سکے۔ اور اس منصفانہ معاہدہ کے ذریعے مسلمانوں کو مطمئن کر دیا جائے تو پھر ان کے لئے کوئی وجہ تشویش باقی نہیں رہتی۔ وہ حب وطن اور حب مذہب کے دلدادہ ہیں اور معاہدہ کی پابندی اور رواداری ان کا شعار ہے اگر ان کو آج کثرت کی تعدی و ظلم کے خطرہ سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ ہندوستان کی جانب سے ایسی ہی مدافعانہ طاقت ثابت ہوں گے۔ جس طرح اپنے وطن سے کوئی مدافعت کرتا ہے۔

دفاع وطن میں مسلمانوں کا حصہ

لہذا یہ خطرہ کہ آزادی کے وقت میں اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا۔ نہایت پست خیالی ہے اور اس کا نہایت سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے ہمسایوں کی طرف سے کسی معاہدہ کی وجہ سے مطمئن ہوں گے اور ہمسایوں کی تعدی اور ظلم کا شکار نہ ہوں گے تو ان کا رویہ اس وقت وہی ہوگا جو کسی شخص کا اس کے گھر پر حملہ کرنے کی حالت میں ہو اگرچہ حملہ آور اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہی ہو اس سے زیادہ ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ جب مسلمانان ہندوستان اپنے معاہدہ کی وجہ سے پابند ہوں اور غیر مسلم اقوام سے ان کا معاہدانہ برتاؤ واجب ہو تو ایسی حالت میں کسی مسلمان بادشاہ کو مذہباً اس کی اجازت بھی نہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے معاہدہ کو توڑے اور ہندوستان پر حملہ آور ہو بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ مسلمانان ہند کے اس معاہدہ کا پورا احترام کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم (کہ مسلمانوں کا عہد اور ذمہ داری ایک ہے ان میں سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کوئی عہد کرے تو دوسروں پر اس کا احترام لازم ہے)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے فرمایا: كل صلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا (سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے ہر قسم کی صلح جائز و درست ہے)

مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ و مخلصانہ معاہدہ کی ضرورت

میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ برادرانِ وطن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ معاہدہ کرتے ہیں اور اس معاہدہ کو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پورا کریں۔ سیاسی چالوں اور تفریق پالیسی سے کام نہ لیں تو مسلمانوں کو وفادار اور مخلص ہمسایہ پائیں گے کیونکہ مسلمان بحیثیت مذہب کے قرآن پاک کے حکم کے بموجب معاہدہ کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ (خطبہ صدارت ص ۳۰ و ص ۳۱)

دارالحرب و دارالاسلام کی تشریح

ان دونوں کی تفریق و تشریح ہم حضرت شاہ صاحب ہی کے ارشادات کی روشنی میں نوادر البیان ص ۹۹ ج ۱ میں درج کر چکے ہیں مختصر یہ کہ جس ملک میں اسلام کی شان و شوکت اور حکومت ہو اور وہاں کے حکام و ولاۃ سلاطین و ملوک مسلمان ہوں وہ دارالاسلام ہے خواہ وہاں کسی وجہ سے شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو۔ شامی ص ۲۷۳ ج ۳ میں اس کا فتویٰ موجود ہے کہ اگر سلاطین اسلام اپنے ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی قوت رکھتے ہیں اور باوجود اس کے نفاذ نہیں کرتے تو ایسا ملک دارالاسلام ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر

---

[۱] وجہ ما ظہر ان ما فی الشامی من جعل سم اللہ الخ سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسلامی ملک یا ریاست کسی غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار و تحت آ جائے [illegible] [۲] بعض لوگ ان دیار اسلامیہ کو اس وقت [illegible] سمجھتے جن میں کسی وجہ سے قوانین اسلامیہ کا نفاذ نہیں ہے بلکہ دیار کفر کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں یہ ان کی بڑی غلطی ہے یہ دیار اسلام بے شک محترم ہیں باوجود اس نقص کے بھی اسلامی شوکت و عظمت کے نشان یقیناً ہیں اور ان کی عظمت و برتری سے انکار جائز نہیں ہے۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔

[۲] اس وقت کی مناسبت سے حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی دام ظلہم (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال مفتی اعظم پاکستان) کے ارشادات رسالہ ''بینات'' کراچی ماہ فروری ۱۹۶۲ء کے ص ۲۵ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں چونکہ اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اس لئے وہ دارالاسلام نہیں ہے۔ وہ اسی طرف سے جو غلط فہمی کی بنا پر ہے [illegible] نہیں ہے یہ محض اعتراض اصطلاحی احکام سے ناواقفیت پر مبنی ہے اس لئے کہ [illegible] دارالاسلام ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ ملک میں اقتدار کس کا ہے؟ اگر اقتدار مسلمانوں کا ہے تو یہ دارالاسلام ہے اور اگر اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہے تو دارالحرب ہے۔ پاکستان میں اگر اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں تو یہ ہماری کمزوری ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے پاکستان دارالاسلام سے [illegible] (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ کسی غیر مسلم اقتدار کے ماتحت ہونے کی وجہ سے تنفیذ احکام پر قادر بھی نہ ہوں تب وہ ملک دار الاسلام نہ رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور وہاں کا امیر مسلمان ہے اور ملک میں اسلامی شوکت کارفرما ہو نیز اس امیر کو اندرون ریاست و ملک تنفیذ احکام وغیرہ کی پوری پوری آزادی ہو تو وہ ملک بھی دار الاسلام ہوگا جیسے انگریزوں کے دور حکومت میں ریاست ہائے حیدرآباد ٹونک و بھوپال وغیرہ تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اس کے برخلاف جس ملک میں کفر کی شوکت ہو ملک کا بڑا سربراہ غیر مسلم ہو اور وہاں تنفیذ احکام اسلامیہ کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو وہ دار الحرب ہے خواہ وہاں مسلمانوں کو ادا احکام شرعیہ کی اجازت ہو جیسے انگریزی دور میں تھی۔

دار الامان و دار الخوف کی تشریح

اس کے بعد دار الحرب کی دو[1] قسم ہیں۔ دار الامان اور دار الخوف' جہاں مسلمانوں کو پوری طرح جان و مال کا امن قانوناً و عملاً حاصل ہو وہ دار الامان ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ دار الخوف ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی مسجد میں لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو ان کو تو مجرم کہا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے مسجد کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسجد نہیں رہی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جنگ عظیم کے موقع پر جب انگریز ترکی حکومت کے خلاف جنگ کر رہے تھے تو ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء حضرت شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ نے بھی ترکی حکومت کی جنگ کو جہاد قرار دے کر اس کے لئے چندے کئے تھے۔ اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ انگریزوں کی فوج میں شامل ہو کر ترکی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جائیں گے۔ وہ کتے کی موت مریں گے حالانکہ ترکی کی حکومت اس وقت دینی اعتبار سے پاکستان سے کچھ بہتر نہ تھی۔

[1] عالمگیری کتاب السیر "فصل دخول المسلم فی دار الحرب بامان" میں ہے کہ اگر کوئی مسلم تاجر امان لے کر دار الحرب میں جائے تو اس پر حرام ہے کہ دار الحرب باشندوں کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے الا یہ کہ وہاں کا بادشاہ خود اس تاجر کے ساتھ بدعہدی کرے مثلاً اس کا مال غصب کرلے یا اس کو قید کر دے وغیرہ یا اس کی رعایا میں سے دوسرے لوگ اس تاجر کے ساتھ بدسلوکی کریں یعنی اس کی جان و مال و آبرو کو نقصان پہنچائیں اور بادشاہ وقت و حکام ان کو کسی زیادتی سے نہ روکیں تو اس وقت اس تاجر مستامن کو بھی کفار کے اموال و انفس سے تعرض کرنا جائز ہوگا۔ ص ۲۰۴ ج ۳ مطبوعہ مصطفائی لکھنؤ) اس سے معلوم ہوا کہ دار الامان میں مسلمانوں کے لئے صرف قانونی و دستوری عہد امان کافی نہیں ہے بلکہ اس کا عملی نفاذ بھی نہایت ضروری و اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

مستضعفین کے لئے عتاب اخروی کا خوف

ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی مہذب حکومت اپنے ملک کی کسی قوم یا اقلیت کے لئے ڈر و خوف کی پوزیشن میں رکھنا پسند نہیں کر سکتی۔ تاہم اگر ایسا نہیں ہو تو مسلمانوں کو وہاں کی خلاف آئین باتوں کو روکنے کے لئے کسی آئینی جدوجہد میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے اور خود اپنے کو مستضعفین فی الارض (دنیا کی بے یارومددگار قوم) سمجھ کر خاموش بیٹھنا چاہئے ورنہ وہ الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا؟ کے عتاب اخروی سے نہ بچ سکیں گے اور بظاہر یہاں ہجرت کا مفہوم متعارف معنی میں منحصر و محدود نہیں ہے کہ ساری قوم ہی ہجرت کر جائے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تھوڑے تھوڑے لوگ دنیا کے دوسرے حصوں میں جائیں اور اپنے حالات بتا کر سمجھا کر بین الاقوامی رائے عامہ کی مدد و نصرت حاصل کریں اس سے حالات سدھرنے کی بہت جلد شکل نکل سکتی ہے۔ واللہ المعین۔

بحالت موجودہ دارالحرب کے مسلمانوں کیلئے جواز سود

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا فقہ حنفی کا مسئلہ تو دارالحرب میں عقود فاسدہ و معاملات ربویہ کے جواز ہی کا ہے لیکن اس پر فتویٰ دینے سے ہمارے اکابر نے ہمیشہ احتراز کیا ہے بلکہ بعض اکابر نے براہ احتیاط و تقویٰ امام ابو یوسف کے مسلک کو ترجیح دی ہے تاکہ اسلامی احکام اقدار کی بے قدری یا ان سے عدم واقفیت کی نوبت نہ آ جائے۔ اس لئے دارالحرب میں بھی بغرض جلب منفعت بطور پیشہ یا کسب معاش کے لئے سودی کاروبار یا لاٹری وغیرہ کو اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔ البتہ املاک وغیرہ کے تحفظ کے لئے مخصوص حالات میں یہ کرنا ناگزیر ہو یا مروجہ مغربی اقتصادی نظام کے تحت کاروباری مخصوص ضرورتوں کے تحت بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں سے کم سے کم شرح سود پر جیسے کہ اس کے ذریعہ زیادہ منافع و تحفظ ضرورت کی تکمیل ہو سکتی ہے تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ اور اسی طرح بھی اگر اپنی مخصوص ضرورت سے منافع و رقوم زیادہ حاصل ہوں تو بھی قوم کو ضرورت مند مسلمانوں کی

اجتماعی[1] ضروریات پر خرچ کرنا چاہئے۔ اور ایسی رقوم سے ہر مرکزی جگہ پر بیت المال قائم کئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ اکثر دیار کفر کے مسلمانوں کے حالات نہایت پست ہوتے ہیں خصوصاً ایسے ملک میں جہاں وہ دوسری اکثریت والی قوموں کے بے جا تعصب و تنگ نظری کے شکار ہوتے ہیں اور باہمی نزاعات کے سبب اموال و انفس کے نقصانات اٹھانے پر مجبور ہوتے رہتے ہیں اور حکومت وقت بھی ان کے نقصانات کی تلافی نہیں کرتی۔ بعض دیار کفر میں تو مسلمانوں کو جگہ جگہ اور پے درپے مسلسل جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور فسادات کے وقت میں صرف مسلمانوں کے مکانوں دوکانوں اور جانوں کو غیر معمولی نقصانات پہنچتے ہیں تو ایسے حالات میں اگر تحفظ اموال و انفس و املاک کی غرض سے بیمہ کرا لیا جائے تو دار الحرب کی رخصتوں کا یہ استعمال بے محل نہ ہوگا جیسا کہ ابھی حال میں "مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ" نے بھی مخصوص حالات میں جواز کا فیصلہ کیا ہے۔ اور مخدوم محترم جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام ظلہم نے روزنامہ "دعوت" مورخہ ۱۰ فروری ۶۲ء میں اس فیصلہ کے پس منظر اور وجوہ و اسباب پر کافی و شافی بیان شائع کر دیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

اس ضمن میں اور بھی بہت سے اہم مسائل زیر بحث آ سکتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کا حل دیار کفر کے مسلمان باشندوں کی پسماندگی و لاچاریوں کا علاج موجودہ دور میں ہجرت کی شرعی حیثیت دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کے اسلامی و شرعی تعلقات کی نوعیت غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات و مراسم کی شرعی حدود اور ان کے ساتھ برادرانہ رواداری اور انسانی رشتہ سے زیادہ سے زیادہ علاقہ کی نوعیت کا تعین و نشان دہی جس کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے خطبہ صدارت میں ارشادات کئے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقع پر ہم ان سب مسائل پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ واللہ الموفق۔

مزید افادہ اور ضروری تشریح

دار الحرب (دار الکفر) اور دار الاسلام کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ

---

[1] شرح السیر الکبیر اور شامی و عالمگیری میں ہے کہ مسلمانوں کے جو اموال اہل حرب سے بغیر قتال کے دوسری جائز صورتوں سے حاصل ہوں ان کو مصالح مسلمین پر صرف کرنا چاہئے۔ "مؤلف"

مزید ارشادات انوار الباری ص ۱۳۵/۲۱/۲ میں بھی درج ہوئے ہیں ان کے علاوہ ملاحظہ ہو "مشکل الآثار امام طحاوی ص ۲۳۹/۳ جس میں امام محمدؒ کا استدلال حدیث سے بابت جواز ربا دارالحرب موجود ہے اور العرف الشذی ص ۳۰۳" ص ۲۸۹/ ص ۵۳۱/۲ بھی دیکھی جائے اور ان کی تائید مزید ذیل دوسرے ارشادات اکابر سے بھی لائق مطالعہ ہے:۔

رائے حضرت گنگوہیؒ درج شدہ آپ بیتی ص ۳۶۷/۲ نقل شدہ از الافاضات ۹/۲ ص ۳۰۶ حضرت تھانویؒ نے فرمایا:۔

(۱) "میں نے تو حضرت گنگوہیؒ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا علم بھی حضرت مولانا کو میں نے کرادیا لیکن شفقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا بلکہ جب میں نے والد صاحب مرحوم کی بینک کی رقم کے منافع کا حصہ ترکہ میں نہیں لیا اور اپنی رائے حرمت کی اطلاع بھی کردی تھی اور مولانا کے نزدیک اس میں گنجائش تھی تو مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ "پھر آپ اس سے (یعنی مجھ سے) نہ لینے کو کیوں نہیں فرمادیتے"؟

اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا "سبحان اللہ ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے کیا میں اس کو تقویٰ سے روکوں؟" تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو کیا ہوتے اس کا نام تقویٰ قرار دے کر لئے خوش ہوئے۔

غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ ہو اور محض دین کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک حضرت تھانویؒ کی نظر میں رجحان امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف تھا اور احتیاط وتقویٰ پر ہی عمل تھا۔

حضرت تھانویؒ کی رائے اور ارشادات

(۲) حضرت تھانویؒ کا دوسرا ملفوظ بابتہ رمضان المبارک ۴۹ھ ص ۱۲۶ بھی ملاحظہ ہو۔

"ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟"

ارشاد: عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حربیوں کا غلبہ ہو

سو اس معنی کر تو ہندوستان دار الحرب نہیں ہے کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں مگر فقہاء کی اصطلاح میں تعریف دار الحرب کی یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ مگر چونکہ دار الحرب کے نام سے پہلے غلط کام کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر دار الاسلام کہنا زیادہ اچھا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک دار الامن دوسرے دار الخوف۔ دار الخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفزدہ ہوں اور دار الامن وہ ہے جہاں مسلمان خوف زدہ نہ ہوں سو ہندوستان دار الامن ہے کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفزدہ نہیں اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے۔

اعتراض: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ غیر دار الاسلام میں عقد ربوا کو جائز کہتے ہیں دلیل یہ ہے کہ لا ربوا بین المسلم والحربی الخ

جواب: میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں اور بعض اکابر جائز فرماتے تھے۔ اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے بڑوں کی مخالفت کی میں نے جواب دیا مخالفت نہیں خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا میں نے تو احتیاط کو لیا اگر کوئی احتیاط کرے تو اس کا کیا حرج؟ احتیاط تو اولیٰ ہی ہے وہ بھی یہی فرماتے کہ احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات وجوب تو نہیں کہتے کہ لینا ربوا کا ضروری ہے جائز کہتے ہیں میں نے جو رسالہ اس میں لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دکھا دیا تھا آپ کی تعریف کی مگر خلاف مشہور ہونے کے سبب سے دستخط نہیں فرماتے اس کا نام "تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوا فی الہندوستان" ہے۔ اس کے بعد آخری ارشاد حضرت تھانویؒ ملاحظہ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری کا ارشاد

فتح پور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں دعوت مع احباب تھی جو حضرتؒ نے قبول فرمائی تھی۔ اس بارے میں حضرتؒ نے شب کے وقت اپنے ہمراہیان احباب سے فرمایا۔

"ان کے یہاں کھانے کو دل تو گوارا نہیں کرتا مگر انہوں نے اہانت کی ہے (مجمع الحبیب کے)

بیماری کے علاج کے سلسلہ میں ہے اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی ہے دعوت قبول بھی نہ کرتا بات یہ ہے کہ وکالت کی آمدنی میں فقہا کا کلام ہے گو وہ مقدمات سچے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام ہی نہیں ہے مگر رشوتوں سے آمدنی کا حصہ زیادہ آتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کافر حربی سے اس کی رضا سے اس کا مال لینا درست ہے۔ اس لئے امام صاحبؒ کے اس قول پر فتوے کی رو سے کھانا جائز ہے مگر میں احباب کو مطلع کرتا ہوں جن کا جی نہ چاہے وہ نہ جائیں کیونکہ میں کیوں باعث بنوں ان کے ابتلا ہونے کا۔

میں آزادی دیتا ہوں کہ جن صاحب کا جی چاہے شریک ہوں اور جن کا جی نہ چاہے وہ نہ شریک ہوں میں اپنے اوپر سب کا بار کیوں لوں؟

چونکہ فتوے سے جائز ہے اور میں نے اپنی دعوت قبول کرنے کی وجہ بھی بتلا دی پھر یہ کہ میں سراپا گنہگار ہوں میں تو کھا لوں گا۔ (ملفوظات ربیع ۱ تا جمادی ۲ - ۴۷ھ بزمانہ قیام تھج پور)

(۵) دار الحرب میں سود میرے اکابر کے نزدیک کفار سے جائز ہے۔ (ص ۱۰۱ مکتوبات علمیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

نوٹ:۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ فقہاء نے صرف دار الاسلام کے مسائل مدون کئے ہیں ضرورت ہے کہ دار الحرب کے مسائل بھی الگ سے تفصیل کے ساتھ مدون کر کے شائع کئے جائیں۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ بیشتر علماء بھی ان سے واقف نہیں ہیں۔

خلافت حضرت آدم علیہ السلام بوجہ فضیلت عبودیت

۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ بعد نماز جمعہ کی مجلس میں اپنے تلامذۂ حدیث وغیرہ کے لئے چند ارشادات فرمائے جو درج ذیل ہیں:۔

غالباً آج سال کا آخری[1] جمعہ ہے اپنے علم و تجربہ کے تحت چند چیزیں پیش کرتا ہوں۔

---

[1] یہ حضرتؒ نے درسی سال کے لحاظ سے فرمایا تھا (کیونکہ دورۂ تکمیل میں بھی ۱۰ شعبان تک سالانہ امتحان وغیرہ سے فراغت ہو جایا کرتی تھی اس وقت حضرت درس بخاری شریف کے آخری اسباق پڑھا رہے تھے۔ ۱۹ شعبان المعظم ۵۱ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۳۲ء یکشنبہ کو ۱۰ بجے صبح کے وقت بخاری شریف ختم کرائی تھی اور یہ حضرتؒ کا آخری درس تھا کیونکہ اگلے سال بوجہ شدت علالت دار الحدیث تشریف نہ لے جا سکے اور ۳ صفر ۵۲ھ کی شب میں انتقال

علم وعبادت

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض ومعروض پہلے ہی ہو چکی تھی۔ پھر جب یہ مکالمہ (یا مناظرہ ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھا دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرمادی یعنی ارشاد خداوندی عطاء منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے سفک دماء وفساد فی الارض کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے صرف انی اعلم مالا تعلمون فرمادیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے۔ پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی غایت تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا۔ اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی۔ حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا۔ بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ واستغفار عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت ونیازمندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خصوصیت فضیلت اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصف علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا۔ جس کو سب معلوم کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ مدار فضیلت تھا بخلاف وصف عبودیت کے کہ وہ مستور وپوشیدہ وصف تھا۔ جس کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس قصہ سے ۱۱۵ اصول دین کے نکالے ہیں اور وہی اسلام کی اساس وبنیاد ہیں۔

عبدیت سب سے اونچا مقام ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سے سب سے بڑا لقب عبدہ ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام عبدیت ہی کا بتلایا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۵۵/۱ میں بھی عبودیت سیدنا آدم علیہ السلام کو مناظر خلافت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کریں (مؤلف)

حضرات علماء اسلام کا ارشاد ہے کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو دولت معراج حاصل ہوئی اسی لئے واقعہ اسراء میں عبد کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی تو دولت شفاعت پائی۔ واللہ اعلم۔

امام رازیؒ نے اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسا لقب و وصف سب سے زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا وصف عبدیت (تیرا بندہ ہونا) اس لئے سورۂ اسراء میں آپ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (بحوالہ سیرۃ المصطفےٰ ص ۱۳۱/۱)

عبدیت و مسئلہ تقدیر

فرمایا: یہی عبدیت مناظرۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جا کر کھلی ہے کہ دوسرے عالم میں تقدیر کے تحت اپنا عاجز ہونا ظاہر کیا جا سکتا ہے درحقیقت ہماری نگاہ جس سطح پر پڑ رہی ہے تقدیر اس سے وراء ہے اور گو تقدیر خداوندی ہی ہمارے سارے اسباب و مسببات کو بیکار کر رہی ہے مگر جب وہ سامنے نہیں ہے تو اس سے آڑ پکڑنا بھی نادرست ہے۔

علم وسیلہ ہے

فرمایا: علم وسیلہ ہے جس کا حسن تب ہی ظاہر ہوگا کہ وہ مقصود تک پہنچا دے۔ ھتف العلم بالعمل فان اجاب و الا ارتحل (علم عمل کو آواز دیتا ہے اور بلاتا ہے اگر عمل ساتھ آ جائے ٹھہرا ورنہ وہ علم بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے چنانچہ میں نے کل عمر میں نہیں دیکھا کہ عاملی وکذ گاری کچھ بینات میں لگے ہو۔

فضیلت علم

فرمایا: ابن ماجہ میں حدیث ہے "الدنیا ملعونۃ ملعون مافیہا الا ذکر اللہ

وما والاہ وعالم و متعلم " (دنیا پر لعنت و پھٹکار مگر خدا کی یاد اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم یا متعلم) اسی حدیث اور شریعت سے معلوم ہوا کہ طاعات اور معاصی دونوں کو متشکل کر کے جہنم میں پہنچایا جائے گا اور ارشاد ہے (بری خواہشات و ارادے) بھی متشکل کی جائیں گی اور ہر چیز کی صورت آنکھوں سے نظر آئے گی نیز منذری کی "الترغیب والترہیب" میں ہے کہ طاعت جنت میں اور جو غیر اللہ ہے وہ جہنم میں جائے گی۔

مطالعہ کتب کی اہمیت

فارغ التحصیل طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ گھر جا کر مطالعہ کتب ضرور کرتے رہنا کیونکہ علم کسب و محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے آدمی کو پہلے ہی سے کتاب دیکھنے کا قصد کر لینا چاہئے ورنہ تم نہ پڑھے ہدایہ بخاری شریف وغیرہ پر نظر رکھے اور علماء عارفین کی کتابیں بھی دیکھے بہت سی جگہ احادیث کی حقیقت کو انہوں نے محدثین سے بھی زیادہ اچھا سمجھا ہے۔ مثلاً احادیث متعلقہ احوال بعد الموت لیکن جو عارف شریعت سے ناواقف ہو اس کی کتاب دیکھنا مضر ہوگا۔ سنا ہے کہ پہلے لمعات اور اس کی شرح عارف جامی کی دہلی کے علماء کو پڑھائی جاتی تھی میں چاہتا ہوں کہ حجۃ اللہ البالغہ اور الطاف القدس بھی مطالعہ میں رکھنا۔

حدیث ان تعبد اللہ کی حقیقت

حدیث جبرئیل علیہ السلام ان تعبد اللہ کانک تراہ میں فرمایا عارفین کی توجیہ زیادہ صحیح ہے کہ "جس راستہ سے بندہ خدا کے پاس جاتا ہے اسی راستہ سے خدا آتا ہے"۔ محدثین نے اس کو تشبیہ دیا ہے جانا کہ یہ معاملہ جزئیہ کا بیان ہوا ہے۔ شارحین حدیث کی مراد تک نہیں رسائی ہے اور عارفین حقیقت کو پہنچ گئے۔

حدیث کنت بصرہ کی حقیقت

اسی کے قریب حدیث کنت بصرہ الذی یبصر بہ بھی ہے اس کو بھی علماء ظاہر نے خدا کی مرضیات پر چلنا سمجھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں جوارح پر خدا تعالیٰ کا پورا تصرف ہو جانا مراد ہے جس کو عارفین نے فنا سے تعبیر کیا ہے یعنی ظاہر میں عبدیت اور باطن میں تصرف خداوندی کا وجود۔

اماکنِ مقدسہ کا تقدس

احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ مکہ معظمہ میں جو موتمر عالم اسلامی ملک عبدالعزیز بن سعود نے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں طلب کی تھی۔ وہ کیوں ناکام ہوئی؟ جواب میں فرمایا کہ "ملک میں ذوق کی کمی تھی اور علماء میں علم کی۔"

پہلے ہم اس موتمر کا حال فتح الملہم سے نقل کرتے ہیں حضرت علامہ عثمانیؒ نے ۱۳۴۴ھ میں لکھا۔

قولہ فتخذہ مصلی الخ علامہ نووی نے فرمایا: "اس جملہ سے صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت و استحباب نکلتا ہے اور جس موضع میں انہوں نے نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا؟ پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نبی اکرم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے اور جہاں جہاں حضور نے نماز پڑھی ہے ان میں نماز پڑھنے کا التزام کرنا بخاری شریف کے "باب المساجد بین مکۃ والمدینہ" سے بھی ثابت ہے اور ہم بعض احادیث اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سفر اسراء میں حضور علیہ السلام کو براق سے اتر کر مدینہ منورہ و طور سیناء مدین (مسکن شعیب) و بیت اللحم (جائے ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف اور دوسری کتب حدیث میں ہے۔

ان تمام نصوص سے آثار الصالحین اور ان کی مواضع صلوٰۃ سے تبرک حاصل کرنے کی مشروعیت نکلتی ہے۔ اگرچہ سنن و مستحبات کے بارے میں ایسا غلو بھی نہ چاہیے کہ ان کو فرائض و واجبات کے درجہ میں سمجھ لیا جائے (کہ حالت سفر میں ہوں تو سفر کو توڑ کر بلا وقت

---

[1] حضرت عمرؓ نے ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں کو غلو سے بچانے کے لئے متنبہ کیا تھا کہ انبیاء کی اتباع پر چلنے کی تمام تر سعی کرو اور ان یادگاروں کے لئے مخصوص اہتمام کے بجائے نہ کرو یعنی جب فرض کے لئے سفر کرو تو اگر ضرورت ہو تو ان جگہوں پر نفل نماز پڑھنے کا اہتمام کرو۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد صرف غلو سے بچانا تھا یہ نہیں کہ ان کے نزدیک ان کی کوئی وقعت ہی نہ تھی جو ان کو نظر انداز کر دیا جائے (زیارۃ الاولیاء) علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا استدلال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو حضرت عمرؓ کی تنبیہ مذکور سے مطلقاً آثار کی تابعیت ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے وہ لا حاصل اور بے موقع ہے جبکہ خود حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ میں کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے کہا کہ صخرہ کے پاس پڑھئے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں میں تو اس جگہ پڑھوں گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نماز فرض بھی ضرور وہاں اتر کر نوافل پڑھیں گویا فرائض کی طرح اہتمام کریں)

ہم نے سلطان عبدالعزیز اور اکابر علماء نجد سے ۱۳۴۴ھ میں موتمر عالم اسلامی کے موقع پر اس مسئلہ میں گفتگو کی اور ان کے سامنے یہ آثار پیش کئے جن سے ان کے اس زعم کی نفی ہوتی تھی کہ امکنہ و مواضع سے تبرک حاصل کرنا بدعت یا غیر مشروع ہے تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے اور بطور معارضہ کے صرف قطع شجرہ والا قصہ پیش کر سکے جو کہ طبقات ابن سعد میں ہے جبکہ وہ منقطع بھی ہے کیونکہ حضرت نافع نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا (کما فی التہذیب) پھر یہ کہ وہ مرفوع حدیث کے درجہ کی چیز بھی نہ تھی اور صرف حضرت عمرؓ کا اجتہاد تھا۔ جو کہ آپ نے مصلح سد ذرائع کے لئے اختیار کیا تھا وہ بیان مسئلہ یا فیصلہ کی صورت نہ تھی۔ واللہ اعلم (فتح الملہم ص ۲۲۳/۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قطع شجرہ کا سبب

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قطع شجرہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی تعیین و تشخیص پر دو صحابی کا بھی اتفاق نہ رہا تھا تو جس طرح مآثر متعینہ مقدسہ کی عظمت و اہمیت کو نظر انداز کرنا نادرست ہے اسی طرح مآثر غیر متعینہ کو مآثر مقدسہ کا درجہ دے دینا بھی قابل رد ہے۔ اسی لئے قطع کرا دیا تھا اور اچھا کیا

حضرتؒ نے فرمایا کہ افعال حج کیا ہیں وہ بھی تو اکابر انبیاء و صالحین کے مآثر اور یادگاریں ہی تو ہیں اور یہ امکنہ و مواضع کی تقدیس اور ان سے استبراک نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ حضرات مقدس تھے تو ان کی یادگاروں کو بھی تقدیس و عظمت کا حصہ ملا اسی لئے سارے اکابر امت نے فیصلہ کیا کہ نبی اکرم افضل المرسلین و افضل مخلوقات ہیں تو ان کا مضجع مقدس و مطہر بھی افضل الموجودات ہوا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو بھی رد کر دیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں مگر آپ کا مضجع مبارک افضل الامکنہ نہیں ہے اور پھر انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جہاں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔ اس موقع پر ذکر المضجع والی روایت بخاری اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا ایک دوسرے صحابی سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت پر تکرار و اصرار بھی حافظہ میں تازہ کرلیں تو بہتر ہے کیونکہ ظاہر ہے مدینہ طیبہ کی افضلیت صرف مرقد نبوی اور آپ کے مآثر مقدسہ کی وجہ سے ہی ہو سکتی تھی اور تھی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

نے یہ اصول بھی بنا دیا کہ امکنہ و مواضع کی کوئی تقدیس ہی نہیں ہے اور افسوس ہے کہ یہی نظریہ تمام سلفی حضرات اور غیر مقلدین کا بھی ہے۔

مولد نبوی کا تقدس مثل مولد مسیح

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ اور آپ کے اہل علم رفقاء سے ایک چوک یہ بھی ہو گئی کہ جب مولد نبوی کا مسئلہ پیش ہوا تو طبرانی و بزار وغیرہ کے حوالے سے حدیث اسراء پیش کی جس میں حضور علیہ السلام کا بیت اللحم میں براق سے اتر کر دو رکعت پڑھنا مروی ہے یعنی یہاں صرف اس لئے اترے اور نماز پڑھی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے جس کے بارے میں پہلے ہی سے علامہ ابن القیم نے زاد المعاد ص ۳/۳۴ میں پیش بندی کر رکھی تھی کہ بیت اللحم میں اترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے۔
اس وقت ہمارے علماء کو صرف طبرانی و بزار وغیرہ کے حوالہ پر اقتصار نہیں کرنا تھا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے کہ بیت اللحم میں اترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث صحیح و قوی تو نسائی شریف میں بھی موجود ہے جس کا درجہ صحت و قوت میں رجال میں زیادہ شدت کی وجہ سے بعض جگہ بخاری شریف سے بھی اوپر مانا گیا ہے اور اس حدیث کے بھی سارے رجال امام نسائی کے ثقہ و ثبت ہیں پھر اس کو علامہ ابن القیم "ولم یصح ذلک عنہ البتۃ" کیسے کہہ سکتے ہیں؟ نجدی علماء تو خوش ہو گئے ہوں گے کہ موتمر میں آنے والے دنیائے اسلام کے سارے علماء بھی

حدیث نسائی سے ناواقفیت

حدیث نسائی سے ناواقف ہیں اور ابن القیم کی بات خوب بن گئی۔ واضح ہو کہ بیت اللحم میں اتر کر نماز پڑھنے کی حدیث نسائی کے علاوہ بزار ابن ابی حاتم طبرانی و بیہقی میں بھی صحیح کے ساتھ ہے اور خصائص کبریٰ سیوطی ص ۱۵۳/۱ اور زرقانی شرح مواہب ص ۶/۳۰ میں بھی درج ہے حضرت تھانوی کی نشر الطیب ص ۴۳ میں اور سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور سیرۃ کبریٰ رنگین دلاوری ص ۲۳۱ میں بھی موجود ہے۔
یہی تین کتابیں سیرۃ کے موضوع پر نہایت عمدہ اور جامع بھی ہیں۔ افسوس ہے کہ سیرۃ النبی

ایسی مشہور و معروف کتاب بھی بعض نہایت اہم حالات سے خالی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے نبی کی زندگی کے حالات ذکر کئے تو معراج و اسراء جیسے اہم مضمون کو حذف کر دیا اور بعد کی جلدوں میں حضرت سید صاحبؒ نے زیادہ توسیع تو ضرور کیا مگر اس زمانہ میں وہ علامہ ابن القیم کی تحقیقات پر زیادہ انحصار و اعتماد کرتے تھے جس کی تلافی کے لئے پھر ان کو وقت نہ مل سکا وللہ الامر من قبل و من بعد

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء میں علم کی کمی تھی بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف نجدی علماء میں بلکہ ہمارے علماء میں بھی کمی تھی۔ کاش! حضرت شاہ صاحبؒ اس موتمر میں جاتے تو کچھ اور ہی سماں ہوتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مقدمہ بہاولپور میں بیسیوں کتابوں کے مضامین اور حوالے زبانی لکھوا دیئے تھے وہ موتمر میں ہوتے تو آج ہم علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم سے مرعوب ہو کر اور اپنی کم علمی کی وجہ سے موجودہ زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔

حدیث طواف زاد المعاد کا ثبوت

راقم الحروف تو ایسے مواقع پر اپنے دوستوں سے کہہ دیا کرتا ہے کہ علامہ ابن القیم نے بڑے طمطراق سے حکم کر دیا کہ حدیث نزول و صلوۃ بیت اللحم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی پوچھے کہ جناب خدائے تعالیٰ کے طواف فی الارض والی طویل حدیث ڈیڑھ دو صفحہ کی جو آپ نے زاد المعاد ص ۵۹/۵۳ جلد سوم میں درج کی ہے اور بہت ہی توثیق بھی اس کی کی ہے اس کی صحت و قوت تو آج تک بھی ثابت نہ ہو سکی بلکہ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی نے تو علامہ ابن القیم کے ضعیف فی الرجال ہونے کے لئے وہی حدیث مثال میں پیش بھی کر دی ہے اور اس پر رد کرتے ہوئے نقد شدید بھی کیا ہے۔

علامہ ابن القیم پر ضرورت سے زیادہ فریفتہ ہونے والے سلفی و ندوی دوستوں کو بخاری کی حدیث سے بھی ان کا انکار یا بقول حافظ ابن حجر غفلت سے غافل نہ ہونا چاہئے جو ابراہیم و آل ابراہیم کے بارے میں ہوا ہے۔ اور یہ غفلت و انکار نہ صرف ان سے بلکہ علامہ ابن تیمیہ سے بھی ہوا ہے ہم اس کو انوار الباری میں بھی لکھ چکے ہیں والامر الی اللہ سبحانہ (ملاحظہ ہو ۱۲ جز ۲ الفاظ ص ۱۳۲/۱۳۰ (ص ۳۰۱)

فتح الباری اور فتح الملہم کی مسامحت

فتح الباری ص ۱۳۹/۱ ج میں بھی حدیث نزول وصلوٰۃ بیت اللحم نسائی بزار وطبرانی کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہے۔ مگر کچھ ابہام کے ساتھ اور غالباً اسی سے علامہ ابن القیم نے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ واللہ اعلم۔

فتح الملہم جلد اول میں حدیث اسراء کے تحت نسائی شریف کا حوالہ صرف نزول مدینہ کے لئے دیا گیا اور بیت لحم میں اترنے ونماز پڑھنے کے لئے حوالہ بزار وطبرانی کا دیا ہے جبکہ نسائی شریف میں بھی ان دونوں باتوں کا ذکر موجود ہے۔ بات تو لمبی ہو رہی ہے مگر اس جگہ خود حضرت علامہ عثمانی کا موتمر کے سلسلہ میں ایک ملفوظ گرامی بھی پیش کرنے کے قابل ہے جو آپ نے قیام حجاز کے زمانہ میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بعد نماز مغرب ارشاد فرمایا تھا۔

"میں نے محمد علی وغیرہ سے کہہ دیا تھا کہ ملوکیت وجمہوریت وغیرہ کے جھگڑے تو تم جانو ہم نہیں بولیں گے اور مسائل میں تم دخل نہ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے میں اور مفتی کفایت اللہ صاحب تھے۔ نیز مولوی احمد سعید صاحب اور مولوی عبدالحلیم بطور سیکریٹریان تھے۔ سید سلیمان ندوی صاحب خلافت کی طرف سے تھے۔ میں نے سلطان کی مجلس میں مآثر پر تقریر کی ان کے علماء نے کہا تھا کہ تبرک بالصالحین کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے اجزاء سے جیسے حضور علیہ السلام کے موئے مبارک وغیرہ تو اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ زمانہ صحابہ سے بھی ثابت ہے لیکن اماکن وبقاع سے نہیں مانتے کیونکہ بے ثبوت ہے میں نے اس پر کہا کہ نہیں تبرک بالاماکن بھی ثابت ہے۔

حدیث حضرت عتبان سے استدلال

بخاری میں حضرت عتبان بن مالک صحابی کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا "جب بارش اور سیل آتا ہے تو میں جماعت میں حاضر ہونے سے معذور ہوتا ہوں۔ آپ میرے گھر میں کسی جگہ دو رکعت نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسی کو مصلیٰ بنالوں" فرمایا اچھا اور دوسرے وقت تشریف لے گئے اور ایک جگہ نماز ادا فرمائی۔

آثار امکنہ مقدسہ مکہ معظمہ سے غفلت

تو اس حدیث سے تبرک بالامکنہ بھی اور تبرک طلب کرنا بھی دونوں ثابت ہوتے ہیں۔

دوسرے حافظ نے بھی فتح الباری میں مسند بزار وغیرہ سے حدیث نقل کی ہے کہ لیلۃ الاسراء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یثرب سے گزرے تو حضرت جبرائیل نے ٹھہرالیا، پھر مدین پر بھی ٹھہرایا کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن ہے۔ پھر طور پہاڑ پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی جگہ ہے۔ پھر بیت لحم پر ٹھہرایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کا غار حرا (قدیم عبادت گاہ) مدین سے بھی کم ہے کہ اس پر پہرا بٹھلا دیا ہے اور بیت خدیجہؓ طور سے بھی کم ہے کہ اس کا اثر مٹا دیا گیا۔ حالانکہ وہاں برسوں وحی نازل ہوئی اور طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ حرم میں بیت اللہ کے بعد اس سے مقدس تر مقام نہیں ہے اور کیا حضور علیہ السلام کا مولد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مولد سے بھی کم مرتبہ ہے کہ اس کا نشان بھی مٹا دیا گیا وغیرہ۔

سجدہ عبادت و سجدہ تعظیمی کا فرق

میں نے کہا کہ مقابر کے بارے میں خیر ہم زیادہ کچھ نہیں کہتے اگرچہ سجدۂ قبر کو بت پرست کے سجدہ کی طرح نہیں کہیں گے کہ وہ عبادت کے طور پر ہے اور یہ تعظیم کے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک حرام یہ تعظیمی بھی ہے۔ مگر مآثر میں ہم کو زیادہ اختلاف ہے۔ اس پر سلطان نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہ منہ میں جھاگ آگئے کہا کہ عبادت کیا ہے؟ مطلب یہ کہ تم نے جو سجدہ کی تقسیم کی وہ غلط ہے کیونکہ عبادت تو نہایت تذلل کا نام ہے۔ پھر ہر دو ساجد عابد غیر اللہ ہوئے بلا فرق۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر ہر سجدہ عبادت ہے تو ہر ساجد عابد اور ہر مسجود معبود ہونا چاہئے حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام مسجود ہوئے ہیں اور ان کو کسی نے بھی معبود نہیں سمجھا۔ دوسرے قرآن مجید میں ہر جگہ یہ ہے کہ یہ ساری قومیں خدا ہی کی عبادت کرتی ہیں اور مستحق عبادت کسی قوم نے بھی غیر اللہ کو نہیں بنایا البتہ معبود غیر اللہ کو ضرور بنایا ہے۔

تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا واقعہ دیکھئے کہ اس میں آپ نے غیر اللہ کو معبود بنانے سے روکا ہے۔ پھر آگے ہی چند آیات کے بعد ہے کہ سب بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا

تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے کیوں نہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں معبود بناتے ہو؟ اس پر سلطان خاموش ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ ہمیں آپ کی تقریر سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خصوصاً اس لئے کہ تم نے جو کچھ کہا وہ کتاب و سنت سے کہا اور تم ہمارے علماء سے گفتگو کرو پھر تم اور وہ جو فیصلہ کر دو گے عبدالعزیز کی گردن (اشارہ کر کے کہا) اس کے نیچے ہوگی۔

پھر دوسرے موقعوں پر ان کے بڑے علماء خصوصاً عبداللہ بن بلیہد سے گفتگوئیں ہوئیں کیونکہ موتمر ۱۵ یوم تک رہی اور ہم ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔

میں نے مآثر تکفیر اہل قبلہ اور تقلید وغیرہ پر تقریریں کیں عبداللہ موصوف نے مآثر کے جواب میں ہماری دلیلوں پر کچھ نہیں کہا۔ بلکہ صرف معارضہ کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے بیعۃ الرضوان والے شجرہ کو کٹوا دیا تھا۔

میں نے اس پر کہا کہ وہ صحاح ستہ یا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے صرف طبقات ابن سعدؒ (ص ۱۰۰/۲) میں ہے اسی سے سب نے لیا ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ نافعؒ اور حضرت عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ پھر میں نے کہا کہ ہم صحیح بھی مان لیں تو کم از کم جو ہمارا مسلک ہے وہ بھی تو حدیث سے ثابت ہے لہٰذا اس کو بدعت تو نہ کہنا چاہئے یوں آپ کی مصالح جو بھی متقاضی ہوں لیکن مصلحت کا بھی یہ حال ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ فعل اس وقت کیا تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی لہٰذا وہ حق بمصلحت درست طریقہ تھا۔ اور اب تم نے جو کچھ کیا

[ل] قطع شجرہ کا سبب عدم تعیین تھا: دوسری روایت خود طبقات ابن سعد میں ہی اس کے خلاف بھی ہے کہ بیعت رضوان کے کئی سال بعد ہم سے اس درخت کا اتفاق ہوا مگر اسے پہچان نہ سکے اور اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ درخت کونسا تھا (ص ۱۰۵/۲) دوسری روایت بخاری و مسلم اور طبقات ابن سعد میں حضرت سعید بن المسیب (مشہور تابعی جلیل القدر) سے ہے کہ ان کے والد بیعت رضوان میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ دوسرے سال جب ہم عمرۃ القضاء کے لئے گئے تو ہم اس درخت کو بھول چکے تھے تلاش کرنے پر بھی ہم اسے نہ پا سکے۔

تیسری روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں جب حدیبیہ کے مقام سے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ درخت کہاں ہے۔ کسی نے کچھ جواب دیا تو کسی نے کہا کہ فلاں درخت ہے اور کسی نے کہا کہ فلاں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا چھوڑو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

(تفہیم القرآن ص ۵۵/۵ و معارف القرآن ص ۱۸۱/۸ و فتح الباری ص ۵۰۸/۷ و مسلم ص ۲/۱۲۹)

ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے تھی کہ عدم تعیین کی وجہ سے ہی حضرت عمرؓ نے درخت کٹوایا تھا۔ (مؤلف)

اسی کی وجہ سے تمام مسلمان برگشتہ ہیں۔ یہ مصلحت کے بھی خلاف کیا ہے۔

تقلید پر جب گفتگو ہوئی تو میں نے کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہم امام احمدؒ کے مقلد ہیں الا یہ کہ کوئی حدیث صریح، صحیح، غیر منسوخ، غیر مخصص اور غیر معارض الا اقوی منہ قول امام کے خلاف ہو تو اس کی وجہ سے تو ہم امام کو ترک کر دیں گے لیکن رہیں گے پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرہ ہی میں اس سے نہ نکلیں گے۔

اسی لئے ہم نے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے تفردات کو اختیار نہیں کیا۔ متعدد مسائل میں مثلاً طلاق ثلاث مجلس واحدہ وغیرہ میں۔

میں نے کہا کہ بالکل یہی طریق تقلید ہم احناف ہندوستان کا بھی ہے۔ پھر ہم کو مشرک کیوں سمجھا جاتا ہے اور ہمارے مقابلہ میں ہندوستان کے غیر مقلدوں کو کیوں اچھا سمجھا جاتا ہے؟

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے اس کے بعد مکہ معظمہ کے مآثر و مشاہد مقدسہ متبرکہ کا بھی ذکر فرمایا اور بتلایا کہ مجھے حرمین کے مآثر کی زیارت کا ہمیشہ اشتیاق رہا ہے اسی لئے ترکی دور میں بھی ان کو دیکھا تھا اور نجدی میں بھی دیکھے جن میں بہت سے تو بالکل ہی ختم کر دیئے گئے ہیں اور جنت بقیع تک کی بھی کچھ قبریں اکھڑی ہوئی دیکھیں۔ ویا للاسف

غار حراء

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں غار حراء پر حاضر ہوا مکہ معظمہ سے وہاں تک دو رویہ کوہستانی سلسلہ ہے ان کے درمیان میں سے گزر کر ۳ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی پر یہ غار ہے میں وہاں ایک شب رہا وہاں ایک بدو رہتا تھا جس نے ٹھنڈے پانی کا انتظام کر رکھا تھا۔ عصر کے بعد چل کر مغرب کی نماز پہاڑ کے دامن میں پڑھی پھر اوپر جا کر عشاء کی نماز پڑھی۔ تقریباً ایک میل چڑھائی ہے اوپر جا کر میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اب جس کا جو جی چاہے کرے۔ ہم نہیں کریں گے۔ یہ غار گوشہ کمرہ ہے۔ اندر ایک صاحب عبادت میں مشغول تھے۔ وہ ۱۱ بجے نکلے تو میں داخل ہوا اور صبح تک نوافل پڑھتا رہا۔ صبح کو واپس ہوئے جمعہ کا دن تھا۔

غار ثور

یہ مکہ معظمہ سے کافی فاصلہ پر ہے اور مدینہ کے دونوں متعارف راستوں سے الگ واقع

ہے۔ ۲-۳ میل کی چڑھائی میں اوپر واقع ہے۔ غار اندر سے بڑا ہے مگر داخل ہونے کی جگہ چھوٹی ہے اوپر کو بہتے ہوئے اس پر گنبد سا ہونے کی وجہ سے غار پوشیدہ ہے لیکن ترکوں نے دوسری طرف سے بڑا دروازہ بنادیا ہے تاکہ اندر جانے میں سہولت ہو میں تو چھوٹے منہ ہی سے داخل و خارج ہوا۔ اندر جاکر اپنا بدن کرتہ کھول کر خوب پتھروں سے مس کیا (یہ تھا ہمارے اکابر کا طریقہ جس کو نجدی بدعتی نام رکھتے ہیں)

مولد النبی علیہ السلام

ترکوں کے وقت وہاں حاضر ہوا تو جگہ بنی ہوئی تھی اور ایک گہرا گڑھا بنا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھک کر نیچے تک بدن سے مس کرایا۔

مسکن حضرت خدیجہؓ

یہ بھی دیکھا محدث طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ بیت اللہ کے بعد اس سے زیادہ متبرک مقام مکہ میں نہیں ہے۔ مگر اب ابن سعود نے ان دونوں مقامات کے نشان مٹا دیئے ہیں۔

حضرتؒ نے دار ارقم اور شعب ابی طالب وغیرہ کا بھی ذکر کیا اور ایک خاص واقعہ بھی ابن سعود کے تدبر و سیاست کا ذکر کیا جو قابل ذکر ہے فرمایا کہ ابن سعود بہت مدبر اور بہادر ہیں۔ محمل مصری پر جب گولیاں چل گئیں تو عرفات کے مقام پر یہ پیش آیا کہ تھوڑی دیر تک ہم نے آوازیں سنیں۔ غالباً ۱۱ نجدی شہید ہوگئے اس سال ۵۰ ہزار نجدی حج کے لئے آئے تھے۔ سخت ہنگامہ اور حج کے جاتے رہنے کا بھی خطرہ تھا۔ مصری صرف پانچ سو تھے۔ پہلے ابن سعود نے بھائی کو بھیجا، مگر نجدی نہ مانے، پھر بیٹے کو سمجھانے کے لئے بھیجا تب بھی نہ مانے تو ابن سعود خود مجمع میں گھس گئے (حالانکہ ارکان دولت اور فوج نے تنہا جانے سے روکا بھی) اور جا کر اول کہا۔ عباد اللہ! اتقوا اللہ، اور پھر سمجھایا کہ یہ موقع درگزر کا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی مارے گئے ہیں۔ ابن سعود نے اپنا سینہ کھول دیا کہ اچھا پہلے اس کو چھلنی کردو۔ پھر مصریوں سے بدلہ لینا۔ اس پر سب نجدی ٹھنڈے ہوگئے اور تھوڑی دیر میں بالکل امن و امان ہوگیا۔ ہم کو یہ تدبر و سیاست دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔

فائدہ: حضرت مولانا سراج احمد صاحب نے بیان کیا کہ مولانا شبیر احمد صاحب جب پہلا حج کے لئے گئے تھے تو حضرت مولانا شفیع الدین صاحب (نگینوی بجنوری) نے ان سے کہا تھا کہ طواف وداع کے بعد باب الوداع سے باہر نہ ہوں بلکہ وہاں تک جا کر باب ابراہیم کی طرف لوٹ کر وہاں سے نکل جانا اس طرح پھر حج نصیب ہونے کی امید ہے چنانچہ مولانا نے ایسا ہی کیا۔

جب راقم الحروف اور مولانا بنوری ۱۹۳۷ء میں حج پر گئے تھے۔ (اور وہیں سے مصر بھی گئے تھے) تو حضرت مولانا شفیع الدین سے اکثر ملتے تھے اور انہوں نے ہی ہمارے ساتھ ایک صاحب کو کر دیا تھا جس نے مکہ معظمہ کے تمام مآثر و مشاہد کی نشان دہی کر کے زیارت کرائی تھی ورنہ ہمارے لئے مشکل پیش آتی کیونکہ نجدیوں نے مآثر کے خلاف ہونے کی وجہ سے اکثر کے نشانات نظروں سے اوجھل کر دیئے تھے۔ والی اللہ المشتکیٰ

ذکر دار ارقم و دیگر مآثر و اماکن مکہ معظمہ

واضح ہو کہ مسجد حرام کے شرق میں جبل ابوقبیس کے نیچے محلہ قشاشیہ تھا دار ارقم بھی اسی محلہ میں تھا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اسی مکان میں پیش آیا تھا۔ کوہ صفا پر چڑھتے ہوئے بجانب راست پڑتا اور دروازہ شرقی رخ پر کھلتا تھا۔ بیت اللہ شریف کے کنجی بردار خاندان کے لوگ بھی اسی محلہ میں آباد تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا مکان بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت ۲۸ سال رہی اور حضرت فاطمہؓ اور دیگر صاحبزادیاں اور صاحبزادگان بھی سب وہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور ابوسفیانؓ کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ دوسرا محلہ غزہ مسجد حرام کے شمال و مشرق میں واقع تھا۔ غزہ کے شمال میں شعب بنی عامر ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد (جائے ولادت) ہے اور اسی کے قریب آپ کے چچا ابو طالب کا مکان یعنی مولد سیدنا علیؓ ہے اور قبل اسلام عام خاندان عبدالمطلب کے مکانات اسی محلہ میں تھے اور مسجد حرام کے شمال و غرب میں محلہ شامیہ ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اپنے سفر نامہ حج ۱۳۴۷ھ میں اس دور کے حالات بڑی تحقیق سے لکھے تھے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ مکہ معظمہ میں اس وقت مسجد حرام کے علاوہ بڑی ۹۱

مساجد اور ۲۰ چھوٹی تھیں۔ ۴ مدرسے اور ۳۰ مکتب تھے اور دو بڑے کتب خانے بھی تھے وغیرہ۔

آخری سطور

حرمین شریفین کے مآثر و مشاہد مقدسہ پر الگ سے مستقل کتاب چاہئے۔ سفر حج و زیارت کے ذیل میں ان اماکن اجابت پر حاضری اور دعا سے کتنے عظیم الشان فوائد و منافع کا حصول ہوتا تھا وہ بیان و دلیل کا محتاج نہیں۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث گزری ہے کہ ایک صحابی عتبان بن مالک نے کسی حاجت سے درخواست پیش کر کے حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرائی تھی۔ باذوق لوگوں کے لئے اس میں کتنے سبق تھے۔ ارکان حج کی ادائیگی بھی اپنے قدیم بزرگوں کے مآثر کی یاد دلانے کا ہی ایک عمل ہے۔ خیال کیا جائے سید المرسلین افضل الخلق و محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مآثر و مشاہد مقدسہ کی یاد دلانے کا عمل برعکس بدعت کا مستحق کیوں قرار دے دیا گیا؟ شاید بدذوقی کا اس سے بڑا شاہکار دنیا میں نہ ملے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مولد نبوی میں حضرت ابو طالب کے ساتھ ۲۶ سال گزارے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان کے دولت کدہ میں ۲۴ سال سکونت کی۔ اسی زمانے میں تین سال آپ نے شعب ابی طالب میں محصوری کے دن بھی گزارے پھر یہ بھی دیکھئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپ پر ۲۴ ہزار بار وحی الٰہی اتری ہے۔ جو قرآن مجید کی صورت میں متلو بھی ہے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں میں ہی اس عظیم تعداد کا ورود ہوا ہے۔

اگر حقیقت پر نظر ہو تو وحی الٰہی کا تو ایک ہی بار کسی جگہ میں اترنا اس کو آسمان رفعت پر پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ۲۴ ہزار بار ان مقامات مقدسہ میں وحی اتری ہے۔ اس کے ساتھ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے اپنے روحانی اشغال اور عبادات و مجاہدات بھی جو ان اماکن مقدسہ میں شب و روز اور اوقات طویل مدتوں تک ہوتے رہے ان کا بھی تصور کیا جائے تو بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر نہایت ہی حیرت اس پر بھی ہے کہ صحابہ کرام تو حضور علیہ السلام کی ۲-۳ منٹ کی نماز کی جگہ کو متبرک جان کر اپنے لئے مصلے بنائیں اور آج ہم ان جگہوں کو بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں عبادتیں اور ریاضتیں کیں

اتفاق اس برکت سے کہتے ہیں تھوڑی سی مدت کے اندر حضور علیہ السلام معراج اعظم سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اور یہاں ہزار سال کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے جہاں کوئی نبی و رسول بھی نہ پہنچا تھا اور وہاں سے بے بہا ایسے بے شمار کمالات و فضائل لے کر لوٹے کہ جو چشم فلک نے کسی بھی دوسرے کے لئے نہ دیکھے تھے۔ ایسے عقل بشر کو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں؟ پھر بھی اگر ان مقامات مقدسہ کو اسلاف معتبر کر کے سمجھا جائے اور ایسے عظیم مآثر و مشاہد کو مٹانے پر غرور سے اور تعجیل کرنے کی سعی کی جائے تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ یہ سلطان ابن سعود کی بدذوقی یا کم ذوقی ہی تھی تو اور کیا تھا۔ اور علماء نجد کے علم کی بھی ضرور کمی کہ پورے دلائل کتاب و سنت کو ملحوظ نہ رکھ سکے اور ساری دنیائے اسلام کے جو علماء موتمر میں شریک ہوئے ان کے بھی علم کی کمی کا شکوہ بجا ہی ہے۔ سارے دلائل سامنے نہ کر سکے اور ان سب کو ہم اس سے قاصر رہے۔

بس یہاں مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے صرف ایک جملہ کی تشریح اور اس کا واضح کر سامنے کرنا تھا۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ زیر ترتیب اس مجموعہ میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔

عاجزانہ گزارش

حسب روایت علامہ حقانی موتمر میں علماء نجد نے کہا تھا کہ "ہم امام احمد کے مقلد ہیں اور کسی حدیث صحیح و قوی کی وجہ سے قول امام کو ترک بھی کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرہ سے نہیں نکل سکتے۔" یہ بہت مبارک اور صحیح فکر ہے اور کہا تھا کہ "ہم نے علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تفردات کو اختیار نہیں کیا" یہ بھی بہت صحیح قدم ہے۔ مگر ابھی تک بجز مسئلہ طلاق ثلاث کے اور تفردات کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور موتمر مذکور کو تقریباً ۶۳ سال ہو گئے ہیں۔ مثلاً یہ اماکن متبرکہ کی حفاظت و بحالی کا عالمی مطالبہ ہوا تھا وہ ہے جو سارے عالم اسلام کے مسلمانوں کا ہے۔ اس لئے بھی یہ فوری توجہ کا مستحق ہے۔ آیا وہ کب تک پورا ہو سکے گا!

حضرات علماء سعودیہ کی خدمت میں یہ بھی عرض ہے کہ امام احمد کا تفرد بھی ان کی طرح جمہور سلف و خلف کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں تفریق اور امام احمد کے معتبر ہونے سے انکار یہ بھی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے تفردات میں سے ہے اور یہ امر ابی حدیث صحیح و قوی مروی ہے

نسائی شریف کے بھی خلاف ہے۔

اگر حدیث صحیح و قوی کی وجہ سے امام عالی مقام امام احمدؒ کا قول ترک کیا جا سکتا ہے تو ان دونوں حضرات کا قول کیوں قابل ترک نہیں ہے؟ اور عالی قدر شاہ فہد معظم کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان و توفیق سے ملوکیت کا ساٹھ سالہ دور ختم کر کے اب خدمت حرمین کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور خادم الحرمین الشریفین کا محبوب لقب اختیار کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ارض حجاز مقدس میں حرمین شریفین اور ان کے تمام مآثر و مشاہد دنیا کے وہ عظیم ترین و جلیل القدر حصے ہیں کہ ان کا مرتبہ و تقدس تمام ارضی و سماوی حصوں سے زیادہ وافضل و اکرم عند اللہ ہے، اس لئے ان کی پوری حفاظت بکل معنی الکلمہ ان کا فرض ہے، جس کی تائید و نصرت دنیا کے ہر مسلمان کی بھی ذمہ داری ہے۔ واللہ الموفق

حکومت سعودیہ کی تائید و نصرت

اس درخواست کے ساتھ ہم اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جو گرانقدر خدمات اعیان سعودی عرب نے حرمین شریفین کی ترقیات اور حجاج کی عظیم تر سہولتوں اور امن و امان کے لئے کی ہیں وہ سارے مسلمانان عالم کی طرف سے عظیم شکریہ کے مستحق ہیں اور ان کی ہر قسم کی تائید و نصرت موجودہ حکومت سعودیہ کے لئے وقف ہے اور رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مولد نبوی کا واجب الاحترام ہونا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے ذکر کیا کہ بہاولپور کے مشہور مقدمہ قادیانیوں کے ایام میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب احترام ہوتی ہے۔

شب معراج میں بیت لحم کی نماز و نزول گیارہ کتب حدیث میں ہے

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! یہ جگہ "بیت اللحم" ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

یہ حدیث کیا وہ کتابوں سے نکال کر دی تھی۔ مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابن سعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبداللہ بن بلیہد کی طرف دیکھا کہ جواب دے تو قاضی صاحب موصوف نے پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے۔ اس پر میں نے ابن سعود سے کہا فقط نجد میں ہی محدثین حضرات نہیں ہیں۔ دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں (افسوس کہ مولانا نے ان سب کیا رہ کتب حدیث کا حوالہ نہ دیا جن میں امام نسائیؒ سرفہرست تھے اور علامہ بیہقی بھی مع تصحیح کے اور رجال کی بحث بھی کر کے خوب قائل کر سکتے تھے نیز ابن قیم کی زاد المعاد والی انکار صحت والی بات کا حوالہ دے کر اس کا رد بھی اچھی طرح سے کرتے اور زاد المعاد کی ص ۳۲۵/۳ والی حدیث طواف بھی پیش کر کے مولانا عبدالحیؒ کا نقد شدید بھی ابن سعود و علماء سعودیہ کو سنا دیتے۔ مگر یہ سب تو صرف حضرت شاہ صاحبؒ ہی کر سکتے تھے اگرچہ جتنا کام مولانا نے کیا بظاہر دنیا کے علماء اسلام میں سے اور کسی نے وہ بھی نہیں کیا اس لئے یہی غنیمت ہوا)۔

لفظ سیدنا کیلئے نجدی علماء کا تشدد

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب نجدیوں کی حکومت آئی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم مدنیؒ حج کو تشریف لے گئے تو میں بھی ساتھ گیا تھا۔ حضرت کی بذل المجہود کا جو حصہ طبع ہو گیا تھا وہ نجدیوں نے قبضہ میں کر لیا۔ حضرت خود ابن سعود سے اور کتاب چھڑوا کر لائے۔ پھر علماء نجد نے اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ تم لوگ سیدنا کیوں لکھتے ہو اس کا ثبوت کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا حدیث میں آتا نہیں انا سید ولد آدم ولا فخر۔ اس میں "انا سید کا لفظ" آیا نہیں؟ لاجواب ہو گئے۔

حضرت سہارنپوریؒ فرماتے تھے کوئی اللہ کا بندہ ہو تو ان نجدیوں کی اصلاح کر دے حالانکہ خود بھی ماشاء اللہ حضرت سہارنپوری کفر و شرک اور بدعات کے رد میں شمشیر برہنہ تھے۔ پھر بھی ان نجدیوں کی سختیاں دیکھ کر یہ فرمایا کرتے تھے۔ (ص ۳۰ ملفوظات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مرتبہ حضرت مولانا محمد انوریؒ)

حضرت سہارنپوریؒ نے پھر ہجرت مدینہ طیبہ بھی اختیار فرمائی تھی اور برسوں تک وہاں بھی

احقاقِ حق اور اصلاحِ نجدیوں کا فریضہ بڑی جرأت کے ساتھ خود ادا کرتے رہے۔ بڑے محدث اور متبحر عالم بھی تھے۔ اسی لئے حرمین و نجد کے تمام علماء بھی ان سے متاثر تھے سہ پہر کا مسئلہ بھی انہوں نے نجدی علماء سے منوالیا تھا۔ مگر شیخ ابن باز نے تازہ کردیا ہے اور وہی اس وقت سب سے زیادہ متعصب بھی ہیں۔ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں بھی جب دوسرے علماء سعودیہ نے علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے تفرد کو ترک کر کے جمہور کا مسلک مان لیا تو ان کو پھر بھی اختلاف ہی رہا۔

پاکستان سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ رمضان شریف میں اور حج پر بھی بکثرت جاتے تھے تو وہ بھی نجدی علماء سے خوب ہی بحثیں کرتے تھے اور بہت سی باتیں ان سے منوا بھی لی تھیں۔

۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں جب ہم دونوں حج اور مصر کے سفر پر گئے تھے تو حکومتی شعبہ ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے رئیس شیخ سلیمان الصنیع بڑے متبحر، واسع الاطلاع عالم تھے جن کے ساتھ ہماری مجلسیں بکثرت رہتی تھیں۔ وہ معترف تھے کہ صحیح علم علماء دیوبند ہی کے پاس ہے اور جب بھی ہمارے علماء پوری طرح متوجہ ہو کر علوم متقدمین کا مطالعہ کریں گے تو تمہاری ضرور موافقت کرلیں گے۔

کاش! ان کی یہ پیش گوئی جلد پوری ہو اور ہم بھی اپنے اکابر کے علوم و تحقیقات کو پیش کرنے کے اہل و قابل ہوں۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد

اماکنِ مقدسہ میں انجذابِ قلوب الی اللہ ہوتا ہے

فائدہ: تفسیر مظہری ص ۱۲۸/۱ میں قولہ تعالیٰ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی" کے تحت مفصل تفسیر و تحقیق کے بعد تحریر فرمایا: "یہاں اہل اعتبار نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس مقام میں کوئی شخص اہل اللہ میں سے کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس سے قلوب کا انجذاب حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور اس جگہ نیکیاں کرنے سے ان کا اجر مضاعف ہو جاتا ہے اور برائیوں کا گناہ بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔" فلیعتبر المعتبرون۔

اہلِ نجد کے قبضہ حرمین سے متعلق تاریخی واقعات

جامع ملفوظات احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے جو فرمایا کہ

ہم نے خوب تحریر کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کے کمزور دلائل ہمارے لکھنے کے سامنے پہلے سے تھے اور وہ دلائل وہی تھے جو علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم سے ان کو ورثہ میں ملے تھے اور جن کی بناء پر تقریباً ایک سو سال قبل بھی خود شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سرکردگی میں حرمین شریفین کے مآثر و مشاہد کو مٹایا گیا تھا اور کافی قتل و خونریزی بھی ہوئی تھی مگر وہ قبضہ عارضی تھا اور ترکوں نے جلد ہی پھر سے حکومت حاصل کر لی تھی۔ پھر ۱۳۴۴ھ میں نجدیوں نے دوبارہ قبضہ کیا تو جواب تک ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں حکومت نجدیہ سعودیہ کی موجودہ خدمات ترقی و توسیع حرمین اور حجاج کے لئے سکون و امن و راحت کے اعلیٰ انتظامات وغیرہ نہایت قابل قدر ہیں مگر مآثر و مشاہد کی تقدیس و حفاظت کی بات جہاں تک ہے وہ بھی عالم اسلامی کے تمام اکابر علماء اور مسلمانوں کے اجماع واتفاق کے تحت ہونی چاہئے اور ہمیں امید ہے کہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد خلد اللہ ملکہ و سلطانہ اس طرف جلد توجہ فرمائیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

علامہ کشمیری کے فیصلوں کی قدر و قیمت

اوپر کا عنوان ہم نے اس لئے درج کیا ہے کہ حضرت علامہ کشمیری ایسی عالی علمی شخصیت کا فیصلہ سامنے آ جائے کہ حضور کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے اور امام نسائی وغیرہ کی روایت کردہ حدیث نزول بالصلوٰۃ بیت لحم والی نہایت پختہ اور زیادہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ صرف علامہ ابن قیم کے انکار صحت سے رد نہیں ہو سکتی بلکہ علماء سعودیہ نے جس طرح طلاق ثلاث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے تفرد کو فیصلہ جمہور کے مقابلے میں رد کر دیا ہے اسی طرح وہ بحث و تحقیق کے بعد مآثر و مشاہد وغیرہ کے بارے میں بھی ان دونوں حضرات کے تفرد کو مرجوح قرار دے کر جمہور سلف و خلف کے فیصلوں کو نافذ کرائیں۔ ولہم الاجر والمنۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سلفی اور نجدی بھائیوں کو سوچنا چاہئے کہ جب ایک صالح شخص کے کسی مقام میں صرف قیام سے وہ جگہ اتنی متبرک ہو جاتی ہے تو اگر وہاں وہ عبادت و ریاضت بھی کرے تو اس سے

ظاہر ہے کہ اس جگہ کا مرتبہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ جس طرح وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی تو اس کے قریب نماز طواف واجب یا مستحب قرار پائی اور خود حضرت عمرؓ نے وحی سے قبل ہی اس کو نماز کی جگہ بنانے کی خواہش و تمنا کی تھی جس کو ابن تیمیہ وغیرہ مآثر کا مخالف سمجھتے تھے۔

مآثر و اماکن مقدسہ نبویہ کی نشان دہی و حفاظت ضروری ہے

پھر ظاہر ہے کہ جن اماکن مقدسہ میں افضل الخلق و سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے برسوں اقامت کی، عبادات کیں اور وہاں وحی الٰہی ایسی مقدس ترین چیز کا بھی نزول اجلال ہوتا رہا تو وہ مقامات معظم و متبرک کیوں نہ ہوں گے اور مقام ابراہیم کی طرح ان کی بھی حفاظت کیوں ضروری نہ ہوگی؟

اس میں بھی عقل ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا دفاع

ارواح ثلاثہ ص ۳۳ میں واقعہ درج ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس کچھ لوگ جمع تھے ان میں سے کسی نے شیخ موصوف کی مذمت اور تفسیق و تکفیر کی کہ اس نے ابن تیمیہ و ابن قیم ایسے بدعتیوں کے دین کو چمکانا چاہا۔ شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر افسوس کیا اور اس کو ایسی بات کہنے سے روکا پھر فرمایا کہ محمد بن عبدالوہاب بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان اور متبع سنت تھے۔ مگر بعض مسائل میں مقتضائے عقل کو ترک کیا ہے اور ابن تیمیہ و ابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے۔ ان سے غلطی ممکن ہے تو بایں غلطی کی بناء پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم فعال طواف تھی اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا۔ محمد بن عبدالوہاب اپنی نادانی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گئے اور اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا۔ جس

سے تمام مسجد گندگیوں اور پیشاب سے بھر گئی۔ سو گویا ان کی غلطی تھی مگر ان کا منشا اتباع سنت تھا۔ اس لئے اس کو برا نہ کہنا چاہئے (ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ علامہ کشمیری اس کی مثال تکبیر مسلسل میں جلد بازی بتایا کرتے تھے۔)

معلوم ہوا کہ اتباع سنت کے لئے بھی عقل کی رہنمائی ضروری ہے اور اس کے بغیر بڑوں سے بھی بڑی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔

کلام باری وصوت وحرف

حضرت شاہ صاحبؒ نے عقائد اسلام کی بحث کے ضمن میں فرمایا۔ ایک کلام نفسی ہوتا ہے دوسرا کلام لفظی علامہ اشعری وغیرہ متکلمین اسلام نے حق تعالیٰ کے لئے کلام نفسی مانا ہے اور وہ قدیم ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے صرف کلام لفظی کا اقرار کیا اور کلام نفسی کا انکار کیا ہے حالانکہ وہ بلا شک و شبہ ثابت و محقق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کا انکار محض بڑے عجب کی بات ہے اس کو حضرتؒ نے تعلل کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا۔ (تعلل ایک کثیر المعانی لفظ ہے جس میں بہت وسعت آ جاتا ہے)

صوت باری اور امام بخاری کا تفرد

اس کی تفصیل فیض الباری ص ۵۳۲/۵۲۸ جلد رابع میں بھی بقدر ضرورت درج ہو گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ البتہ صوت کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ صوت کو امام بخاری نے اطلاق کیا بخلاف جمہور کے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا ہے۔ جبکہ دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے پھر فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اگر اس کو مانا ہی جائے تو اس قید و شرط کے ساتھ کہ اس کو اصوات خلق کے مشابہ نہ قرار دیا جائے اور دوسرے علماء نے اس کو یا تو صوت ملائکہ قرار دیا ہے یا ایسی آواز جو اس محل و موقع میں پیدا کر دی گئی ہے۔ امام بخاری نے اس محل و موقع کی آواز کو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے صوت باری سمجھا کہ وہ دور و نزدیک سے برابر سنی جاتی تھی۔ جو ظاہر عجیب بات ہے اگر فرشتے کی آواز ہوتی تو اس میں یہ عجیب و غریب صفت نہ ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر شیخ اکبر کا قول بھی نقل کیا کہ صوت باری کی صفت یہ

ہے کہ وہ تمام جہات سے برابر سنی جاسکتی ہے، نور صوت صلصلہ جس سے حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے، اس کی شان بھی ایسی ہی ہے اور اسی لئے دوسرے شارحین کے خلاف میرا رجحان بھی امام بخاری کی طرف ایسا ہی ہے کہ باری تعالیٰ کیلئے صوت ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرمایا۔ "شیخ عزالدین بن عبدالسلام شافعیؒ بڑے ولی اللہ نہایت محقق اور اجل عالم گزرے ہیں جن کی جلالت القدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر کے شہزادوں کو بازار میں بیچا تھا کہ وہ عبید اور بیت المال کی ملکیت ہیں"۔

احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ ان کی وفات ۶۶۰ھ میں ہوئی اور یہ حافظ ابن تیمیہ سے کچھ قبل ہوئے ہیں۔ "حرف و صوت کا فتنہ ان ہی کے دور میں ہوا تھا" جس کی تفصیل

۱؎ ایک اہم غلطی کا ازالہ: احقر بجنوری نے انوار الباری جلد ہشتم میں عقائد کی بحث درج کی ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے بھی "تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری" جلد ہشتم میں (جس کی طباعت مکمل ہو جلدوں کے بعد ہی مقدم کر دی گئی ہے) کتاب التوحید کی احادیث حوالوں کے ساتھ درج کی ہیں اس کے مطالعہ سے میں نے بھی استفادہ کیا۔ مگر جو بات ص ۲۰۳ میں نقل ہوئی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مسئلہ حرف و صوت میں ثبات کو ترجیح دی ہے۔ پھر آگے بھی لکھا کہ یہ بات محدثین کے نظریہ کے مطابق تو درست ہے مگر متکلمین اس کلام قدیم پاک میں اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ ہم تو مشکل ہے کیونکہ صرف صوت کی حد تک تو امام بخاری و شاہ صاحب کے نظریات ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔ باقی حروف، کلمات اور دلالت وغیرہ کو تو امام بخاری بھی باری تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کرتے تھے، نہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا ہے، لہٰذا یا صوت کے ساتھ حرف کا لفظ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے، کیونکہ مسئلہ حرف و صوت کی تو ایک مستقل اصطلاح بن گئی ہے، اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) کے زمانہ میں تو اس پر بہت بڑا فتنہ بھی اٹھا تھا اور اس وقت سے برابر متاخرین حنابلہؒ متکلمین کے دوسرے علماء اسلام کے ساتھ مجادلات رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو السیف الصقیل ص ۱۰۶/۱۰۵ تحفۃ القاری ص ۱۵۱/۱۵۰ کتاب الاسماء والصفات بیہقی مع التعلیقات محمد زاہد الکوثری ص ۲۷۵ و فیض الباری ص ۲/۲۲۰ وغیرہ۔

چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف کاتب کے سہو یا غلطی سے ایک غلط بات منسوب ہو گئی اس لئے اس کا تدارک یہاں ضروری سمجھا گیا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ جمہور کے متبع تھے، اور یہ بھی حضرت شاہ صاحب کی وسعت نظر کی بہت بڑی منقبت یہی ہے کہ آپ نے باوجود اس قدر تبحر علمی و وسعت معلومات کے بھی جمہور سلف و خلف کے خلاف کوئی رائے قائم نہیں کی، اسی لئے آپ کے یہاں تفردات نہیں ہیں۔ علامہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ تفرد کوئی منقبت نہیں ہے۔ یہاں جو مسئلہ ہے وہ صرف شاہ صاحب کا امام بخاری سے الگ تھلگ ایک رائے ہے جس کو حضرت نے تفرد وغیرہ کے طور پر اختیار ہی نہیں فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں میری تقریریں ہوئی تھیں۔ بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

مطبوعہ رسالہ "ایضاح الکلام فیما جری للعز بن عبدالسلام فی مسئلۃ الکلام" بھی دیکھی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ متاخرین حنابلہ میں سے مخالفین اشاعرہ نے کلام باری تعالیٰ کے حرف وصوت سے مرکب ہونے کا بڑا پروپیگنڈہ کیا تھا اور اس دور کے سلاطین و امراء کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ اس وقت شیخ عزالدین نے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دیا کہ ان سب کے مقابلہ پر کلمۂ حق بلند کیا تھا اور ثابت کر دیا تھا کہ تمام سلف اور امام احمد و اصحاب احمد پر بہتان ہے کہ وہ کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب مانتے تھے اس پر حنابلۂ وقت نے ان کی شکایت ملک اشرف تک پہنچا کر ان کو قتل و حبس کرانے کی سعی کی تھی اور نظر بند کرا دیا تھا۔ فتویٰ وغیرہ سے بھی روک دیا گیا تھا۔ پھر شیخ وقت علامہ کبیر جمال الدین حصیری حنفی سلطان اشرف سے ملے اور شیخ کا برحق ہونا اور حنابلہ کا غلطی پر ہونا ثابت کیا۔ جس پر سلطان کو ندامت ہوئی اور شیخ کی نہایت تعظیم و توقیر کی۔ اس کے بعد حنابلہ کا زور ٹوٹ گیا۔

علامہ ابن تیمیہ قیام حوادث باللہ کے قائل تھے

واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام حوادث حرف وصوت وغیرہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مانتے ہیں۔ پوری تفصیل مع ان کے تفردات اصول وعقائد براہین ص ۱۸۱/۷۳ میں دیکھی جائے۔ حافظ ابن قیم نے بھی اپنے عقیدۂ نونیہ میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا جس کا رد علامہ کوثری نے تعلیقات السیف الصقیل میں کیا ہے اور وہاں شیخ عزالدین و دیگر اکابر امت کے فتاویٰ نقل کر دیے ہیں۔ (۳/۳۲) نیز ملاحظہ ہو انوار الباری ص ۲۳۳/۱)

ان فتاویٰ سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی جو کفر ہے۔

حضرتؒ نے اپنے قصیدۂ حدوث عالم کی ابتداء اس شعر سے فرمائی۔

تعالیٰ الذی کان ولم یک ماسوی　　واول ما جلی العماء بمصطفیٰ

(ضرب الخاتم علی حدوث العالم)

حضرت علامہ کشمیریؒ کے ضرب الخاتم کا ذکر

یہ قصیدہ ۲۰ صفحات میں مجلس علمی ڈابھیل و کراچی سے شائع ہوا ہے اس کے کل ۲۳۸

شعر ہیں، یہی وہ مشہور و معروف قصیدہ ہے جس کے لئے ترکی کے شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے فرمایا تھا کہ میں اس مختصر رسالہ کو محقق صدر شیرازی کے "اسفار اربعہ" کی چار ضخیم جلدوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور علامہ کوثری نے بھی اس کو بہت پسند کیا تھا۔ علامہ اقبال تو اس کے بہت ہی گرویدہ تھے اور اس کی مشکلات کو حضرت شاہ صاحب سے پوری طرح حل کیا تھا۔ بعض علماء پنجاب کی روایت ہے کہ حضرت نے اس کے حل میں ۲۰۰ صفحات کے نوٹ لکھے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس رسالہ کو جتنا علامہ اقبال نے مجھ سے سمجھا ہے اس قدر دوسرے علماء نے بھی نہیں سمجھا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ علامہ اقبال نے خود بھی علوم عربیہ اسلامیہ کی پوری تحصیل کی تھی اور وہ اس کے متمنی رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند کے بجائے لاہور ہی کو مرکز بنائیں اور آپ سے استفادہ کر کے فقہ کے جدید مسائل حل کرائیں۔ پھر حضرتؒ کی وفات کے بعد احقر مؤلف سے بھی مکاتبت کی اور کسی اعلیٰ استعداد والے عالم کی تلاش میں رہے جس کو اپنے پاس رکھ کر یہ کام کریں، مگر افسوس کہ ایسا عالم فارغ میسر نہ ہو سکا۔

حضرتؒ کا یہ رسالہ بھی علوم و حقائق عالیہ کا بے بہا خزانہ ہے۔ اور شرح مع تخریج حوالجات کا محتاج ہے کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت یہ خدمت کسی عالم سے لے لیں۔ ان کی بڑی قدرت ہے اگرچہ بظاہر علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے تو مایوسی ہے۔ جس طرح بقول حضرت تھانویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت صرف اوپر کے شعر پر کچھ لکھتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا "وہ ذات باری جل ذکرہٗ تنہا قدیم و متعالی ہے جو ازل سے اس وقت سے ہے کہ کوئی دوسرا موجود نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے اپنے فیض وانعام عمیم سے عالم خلق کو پیدا کیا اور پھر ان کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمایا"۔

فتح الباری میں علامہ ابن تیمیہ کے قول حوادث لا اول لہا کا رد

حضرتؒ کے اس شعر کے پہلے مصرعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس نے حوادث لا اول لہا کا نظریہ اپنایا وہ غلطی پر ہے اور یہی بات حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۳/۳۱۸ میں لکھی ہے اور حدیث بخاری کی روشنی میں تفصیلی بحث کر کے علامہ ابن تیمیہ کا رد کیا ہے جو متعدد بار اس نظریہ کے قائل ہوئے اور علامہ عینی نے بھی ایسی ہی تحریر کر دیا ہے (ملاحظہ ہو انوار الباری ج

(۱/۸۶) اسی طرح قیام حوادث بالباری کا نظریہ بھی غلط ثابت ہوا اور حوادث کے قدیم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ہے جس کے دلائل دوسرے بھی ہیں۔

حضور علیہ السلام کی نبوت زمانہ بعثت سے پہلے بھی

دوسرے مصرعہ میں حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام اول الخلق ہیں اور آپ کے علاوہ دوسری تمام مخلوقات سب آپ کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔ لہذا عرش، لوح، قلم وغیرہ بھی بعد کے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی طرح ہمارے حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کے شروع میں نور محمدی کا ہونا قائم کر کے احادیث صحیحہ کے حوالے سے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ دوسری اشیاء تھیں۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے اس مضمون کو پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک شعر فارسی میں بھی حدوث عالم اور صورت خلق اشیاء کے بارے میں بہت مشہور ہے۔

بہ دریائے کما موج دارد   حباب انگیخت حادث نام کردند

اس سے یہ بھی اشارہ فرمایا کہ تمام عالم و عالمیان کی حقیقت حباب جیسی ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ ہی باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حضرتؒ نے لفظ "تعالیٰ" سے حق تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ذات باری تشبیہ و تجسیم سے بھی منزہ ہے اور آپ نے اکفار الملحدین ص ۳۳ میں بھی علامہ محقق قونوی کا قول نقل فرمایا ہے کہ قولہ "بذنب" سے اشارہ ہوا ہے کہ یہ بات صرف گناہ و معصیت تک ہے۔ ورنہ فساد عقیدہ ہو تو ضرور تکفیر کی جائے گی جیسے مجسمہ، مشبہ وغیرہم کے حق میں مذکور ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں بھی بحث ایمان میں اسی طرح ہے اور المعتقد میں امام طحاوی نے اور امام غزالی نے الاقتصاد میں بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کتاب المناقب ترمذی ص ۲/۲۰۱) کے تحت حدیث ابی ہریرہؓ درس ترمذی میں فرمایا۔ قولہ

متی و جبت لک النبوۃ الخ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے نبی ہو چکے تھے اور احکام نبوت بھی اسی وقت سے ان پر جاری ہو گئے تھے۔ بخلاف دوسرے انبیاء سابقین کے کہ ان پر احکام نبوت ان کی بعثت کے بعد جاری ہوئے ہیں جیسا کہ مولانا جامی نے بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام تبۂ عمر سے پہلے ہی نبی ہو گئے تھے۔ (العرف الشذی ص ۵۹۵)

حافظ ابن تیمیہ عرش کو قدیم مانتے تھے

(۱۵۱) فرمایا۔ حافظ ابن تیمیہ نے کہا کہ عرش قدیم ہے کیونکہ استواء (بمعنی جلوس و استقرار) ہے اس پر خدا کا حالانکہ حدیث ترمذی میں خلق عرش مذکور ہے۔ تو یہ اس کی کس چیز کی اپنے ذہن کے ساتھ جو شخص کوئی بھی وہی رہی۔ (درس بخاری ص ۱۰۲۱ کتاب الرد علی الجہمیہ) اور درس حدیث دیوبند کے زمانہ میں بھی حضرت نے علامہ ابن تیمیہ کے استواء بمعنی استقرار و جلوس مراد لینے پر سخت نقد کیا تھا جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے بعض صحیح احادیث کو گرا دیا ہے

ایک روز بعد عصر کی مجلس میں حافظ ابن تیمیہ کا ذکر فرمایا اور بعض صحیح احادیث کو اپنے مزعومات کے خلاف ہونے کی وجہ سے گرانے پر فرمایا کہ "ابن تیمیہ سمجھ گئے تھے کہ خدا نے دین ان کی اپنی سمجھ کے معیار سے اترا ہے اس لئے اتنی جرأت کر گئے ہیں"۔

جامع ملفوظات بجنوری عرض کرتا ہے کہ مجھے یہ بات اور وہ مجلس اب تقریباً ۴۵ سال گزرنے پر بھی اس طرح یاد ہے جیسے اب اسی جگہ بیٹھ کر حضرت سے سن رہا ہوں۔

اس پر یاد آیا کہ علامہ ذہبی نے بھی حافظ ابن تیمیہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی نادر جرأت سے ایسی باتیں بھی کہہ دی ہیں کہ جن کے کہنے کی علماء سلف میں سے کسی نے جرأت نہیں کی تھی۔

تقویۃ الایمان کا ذکر

حضرت نے فرمایا۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا رسالہ رد بدعت میں

"ایضاح الحق الصریح" بہت اچھا ہے اور میں تقویۃ الایمان سے زیادہ راضی نہیں ہوں یہ ضرورت وقت کے ماتحت لکھی تھی حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب، مومن خاں شاعر (یہ جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد) مولوی رشید الدین خاں صاحب (یہ بھی جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد تھے) پانچواں نام احقر کو یاد نہیں رہا (ارواح ثلاثہ ص ۹۱ میں بھی یہ قصہ ہے اور نام زیادہ ہیں) ان پانچ اشخاص کو یہ کام سپرد ہوا تھا کہ تقویۃ الایمان کے الفاظ و مضامین پر غور کریں اور بدلنے کا بھی اختیار دیا گیا تھا۔ ان میں سے تین کی ایک جماعت ہوگئی اور دو کی ایک جماعت ہوگئی ایک نے کہا کہ یہ الفاظ مناسب نہیں ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ یہ بات بھی صاف صاف کہنی چاہئے اور بغیر تیز کلامی کے نکھار نہیں ہوتا۔ حضرتؒ کے سامنے اس رسالہ کی مصلحت نقطۂ نظر سے بھی خامیاں ضروری ہوں گی۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اس لئے راضی نہیں ہوں کہ محض ان عبارات کی وجہ سے بہت سے جھگڑے ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ منصب امامت اور اصول فقہ کا رسالہ بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ اور یہی بات کہ "میں راضی نہیں ہوں اس رسالہ سے" مجھے مرحوم حضرت مولانا نانوتویؒ سے بھی پہنچی ہے حالانکہ وہ بلاکے تھے۔ مولانا اسمٰعیلؒ کی محبت میں اور مجھے سب سے زیادہ محبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور پھر حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے ہے اسی خاندان میں سے مذکورہ بالا قصہ مجھ کو نہایت موثق ذرائع سے پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

رائے گرامی حضرت مدنیؒ

آپ فرماتے تھے کہ رسالہ تقویۃ الایمان میں حذف و الحاق ہوا ہے۔ اس لئے اس کی نسبت حضرت شہیدؒ کی طرف صحیح نہیں ہے اور یہ احقر نے انوار الباری میں عرض کیا تھا کہ میں اس نسبت میں اس لئے بھی متردد ہوا کہ یہ کتاب عقائد میں ہے جن کے لئے قطعیات کی ضرورت ہے۔ جبکہ اس میں حدیث اطیط بھی مذکور ہے جو شاذ و منکر ہے۔ اگرچہ ابوداؤد کی ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے بقول علامہ ذہبی وغیرہ ایسی احادیث پر بھی سکوت کیا ہے۔ جو واضح ضعیف رواۃ کی وجہ سے ظاہر الضعف والنکارۃ تھیں اور یہ حدیث نیز ثنیہ اوعال والی حدیث بھی نہایت منکر و شاذ ہے اگر یہ پوری تصنیف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تو وہ ایسی

ضعیف حدیث سے عقائد کے لئے استدلال کرتے جس سے عقائد تو کیا احکام بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس پر مجھے حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ نے خط لکھا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا جبکہ حافظ ابن القیمؒ نے حدیث اطیط کی تصحیح کی ہے میں نے حضرت کو لکھا کہ حافظ ابن القیم تو بقول علامہ ذہبی وغیرہ خود ضعیف فی الرجال ہیں ان کی تصحیح کا حوالہ صحیح نہیں اس کو حضرت مولانا عبدالحیؒ نے بھی نقل کیا ہے اور مثال میں زاد المعاد کی طویل حدیث خدا کے طواف فی الارض کی درج کی ہے جس کی حافظ ابن القیمؒ نے بڑے شدومد سے تصحیح کی ہے جبکہ جمہور محدثین نے اس کی نہایت تضعیف کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت نے سکوت فرمایا۔

پھر جب بذل المجہود شرح ابوداؤد کی طباعت مصر میں شروع ہوئی تو میں نے حضرت کو توجہ دلائی کہ ان دونوں احادیث پر جو کلام محدثین نے کیا ہے وہ حاشیہ میں شائع کر دیا جائے۔

حضرت نے لکھا کہ جو حضرات طباعت کے لئے مصر گئے ہیں وہ یہ کام نہ کر سکیں گے اور ان پر جو کلام آپ نے کیا ہے اور مدرسہ کے نسخہ پر یہاں بھی موجود ہے اس کی نقل بھجوا رہا ہوں۔ حضرت نے اس کی نقل کرا کر مجھے رجسٹری ڈاک سے ارسال فرمائی تھی مگر وہ میرے پاس سے ضائع ہوگئی۔ تو پھر محترم حضرت مولانا محمد یونس صاحب دام ظلہم کو میں نے لکھا کہ نقل دوبارہ بھیج دیں۔ اس پر مولانا نے ۶ فروری ۷۸ء کو خود اپنے مبارک قلم سے نقل کر کے ارسال فرمائی جس میں ابوداؤد کی حدیث اطیط اور حدیث ثمانیہ اوعال دونوں کے رجال پر کلام اور شاذ و منکر ہونے کی تفصیل ہے۔ علامہ کوثریؒ نے بھی اپنی تعلیقات میں ان پر مدلل نقد کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث اور بذل المجہود

چونکہ یہ ایک نہایت اہم حدیثی تحقیق ہے اور ان دونوں احادیث سے سلفی حضرات بھی برابر استدلال کرتے ہیں اس لئے اس کا بذل المجہود کے حاشیہ پر چھپ جانا نہایت اہم اور ضروری تھا مگر افسوس ہے کہ وہ طبع نہ ہو سکا۔

علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کا دارمی کی کتاب النقض کو مستدل بنانا

واضح ہو کہ حدیث اطیط کی وجہ سے سلفی حضرات نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے لئے دنیا کی تمام مادی اشیاء سے بھی زیادہ ثقل مانتے ہیں اور دارمی سجزی م ۲۸۲ھ نے

اپنی کتاب مختصر میں بھی اس کو نقل کیا ہے جس میں حق تعالیٰ کے لئے قیام اور جلوس وغیرہ بھی ثابت کیا ہے۔ پھر اس کو علامہ ابن تیمیہ نے موافقۃ المعقول (بر حاشیہ منہاج السنۃ) میں بھی نقل کیا ہے اور علامہ ابن القیم نے نونیہ و جیوش ص ۸۸ میں اس کتاب الدارمی اور ان کی ایک دوسری کتاب کے بارے میں لکھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان دونوں کتابوں کے لئے بہت ہی شدید وصیت کرتے تھے اور ان کی نہایت ہی تعظیم کیا کرتے تھے اور یہ کہ ان دونوں کتابوں میں توحید باری کا اثبات اور اسماء و صفات خداوندی کی تقریر و تائید عقل و نقل کے ذریعہ اتنی کی گئی ہے جو دوسری کتب میں نہیں ہے۔ (مقالات کوثری ص ۳۲۸)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی اس حدیث کو صحیح و قوی سمجھتے تھے اور کتاب النقض کی تمام دوسری باتوں کو بھی درست سمجھتے تھے یہ حال ہے ہمارے سلفی حضرات کے بڑے مقتداؤں کا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ دارمی وہ صاحب سنن مشہور دارمی نہیں ہیں۔ جن کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں دونوں کے تذکرے محفوظ ہیں۔ اور کتاب النقض مذکورہ کا مکمل و مدلل رد "مقالات کوثری" میں مطالعہ کیا جائے۔

طلبہ حدیث کے لئے کام کی بات یہ بھی ہے کہ بقول علامہ نووی سنن ابی داؤد میں اتنی ظاہرۃ الضعف احادیث بھی ہیں جن کی حیثیت امام نے واضح نہیں کی ہے حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن رجب حنبلی نے بھی اسی کے قریب کہا ہے (مقالات کوثری ص ۴۳) یہ بات بعض بڑے اساتذہ حدیث سے بھی مخفی رہتی ہے اور حضرت شیخ الحدیث ایسے متبحر و جید عالم حدیث کا تقدیر رجال مذکور سے اعتنا نہ فرمانا بھی اوپر کے واقعہ سے واضح ہے کیونکہ مصری مطبوعہ کے حاشیہ بذل المجہود میں مذکور بر عکس حاشیہ کا اندراج نہایت اہم و ضروری تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو تحقیقی بات ساری دنیا نے علم حدیث کو سنانی اور پہنچانی تھی وہ صرف ایک مدرسے کے نسخے کے حاشیہ میں لکھی رہنے دی گئی اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟

امام ابوداؤد کی حدیث الطیر و حدیث ثمانیہ اوعال پر رجالی و حدیثی بحث علامہ کوثری وغیرہ نے بھی خوب کر دی ہے اس کو بھی ضرور مطالعہ کیا جائے۔ واللہ الموفق

حدیثی فائدہ

زیر بحث حدیث ضعیف و منکر ابوداؤد کی ہے۔ جس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وجہ سے اس کا عرش بوجھل کجاوہ کی طرح چرچر ہوتا ہے دوسری حدیث ترمذی و ابن ماجہ کی ہے جس میں ہے کہ آسمانوں میں فرشتوں کے اژدحام اور بوجھ کی وجہ سے بوجھل کجاوہ کی طرح چرچر کی آواز ہوتی ہے۔ وہ حدیث صحیح ہے۔

محدثین نے بشرط صحت الحدیث عرش کو عظمت خداوندی کے تحت متاثر مانا ہے۔ حضرت حق جل مجدہ کے لئے ثقل اور بوجھ کا مطلب نہیں لیا ہے جو سلفی لیتے ہیں اور بقول حضرت شیخ الحدیث علامہ ابن القیم نے تو اس حدیث ضعیف و منکر کی مستقل طور سے تصحیح بھی کردی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص جلیلہ و مناقب عالیہ

حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحبؒ نے مختلف اوقات میں جو حضور علیہ السلام کے خصوصی مناقب و مدائح پر روشنی ڈالی ہے ان کو ہم یہاں ایک جگہ پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں کیونکہ یہ نہایت اہم علمی باب ہے۔ واللہ المستعان۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے قصیدہ قصائد و آب حیات وغیرہ اور حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب و مواعظ النور الاعظم والخیر وغیرہ نہایت اہم ہیں۔ جن سے حضور علیہ السلام کے ساتھ عظیم رابطہ تعلق و محبت و عظمت پیدا ہوتا ہے جو شرعاً مطلوب و موجب ازدیاد ایمان ہے۔

اول الخلق

قولہ متی وجبت لک النبوۃ؟ کے تحت درس ترمذی شریف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کے احکام حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سے جاری ہوچکے تھے اور آپ اسی وقت سے نبی تھے۔ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے لئے احکام نبوت کا اجراء ان کی بعثت کے بعد ہوا ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ نے بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام نشاۃ عنصریہ سے بھی پہلے نبی ہوچکے تھے (العرف الشذی ص ۵۳۰ ابواب المناقب)

حدیث ترمذی اول ما خلق اللہ القلم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں اول المخلوقات نور النبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی وارد ہے۔ جس کو علامہ محدث قسطلانی شارح بخاری نے المواہب اللدنیہ میں بطریق حاکم روایت کیا ہے اور ترجیح حدیث ترمذی مذکور پر حدیث نوری کو ہے۔ (العرف الشذی ص ۵۱۲)

حضرتؒ نے اپنے قصیدۂ حدوث عالم کو اس شعر سے شروع کیا ہے۔

تعالیٰ الذی کان ولم یک ماسوی　　واول ما جلی العماء بمصطفیٰ

(وہ بہت ہی عظیم وبرتر ذات ہے جو ازل سے ہے کہ اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے عالم نابود کو سرور عالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ منور و روشن فرمایا ہے) حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کے شروع میں ''نور محمدی'' کا بیان لکھا اور احادیث سے اولیت نور محمدی کو ثابت کیا۔

اشکال وجواب

حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوث عالم کے اثبات پر بہترین دلائل قائم کئے ہیں اور عالم کو قدیم ماننے والوں پر اتمام حجت کردی ہے۔ مثلاً ایک بڑا اشکال ان کا یہ تھا کہ عالم کو قدیم نہ ماننے سے حق تعالیٰ کا غیر متناہی سابق وقت میں معطل رہنا لازم آتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے نہایت مسکت جواب دیا کہ اس وقت صفات ربانیہ میں سے وحدت مطلقہ کا ظہور تھا۔ جو حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ وبرتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے۔ عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں (وغیرہ وغیرہ تحقیقات عالیہ نادرہ)

افضل الخلق

حضرت شاہ صاحبؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں ایک نعتیہ فارسی کے کچھ اشعار پہلے نقل ہو گئے ہیں۔ اس کے چند اشعار جو خاص طور سے آپ کے برتر عالم و سرور عالم و افضل خلائق ہونے پر دلیل ہیں بطور تذکرہ پیش ہیں۔

آئینہ ارض و سما مرآت نور کبریا   سید و سرور علیٰ شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
سید عالم رسول و حبیب رب العالمین   آنکہ می بود او نبی کآدم بد اندر ماء و طین
شہسوار سدرہ و معراج و سیاح قباب   در مقام قرب حق بر مقصد او فتح باب
کاندر آنجا نور حق بود و نبود کس حجاب   دید او شئی آنچہ دیدہ کس نشنید و ندید

دوسرے اشعار میں آپ نے حسب ذیل لقب ذکر کئے ہیں۔

امام الانبیاء، سید مخلوق، خیر و خیر، مولیٰ خیر الرسل، خیر الاحباب، آفتاب وفخر کونین، غرض حسب اعزاز ناموس کبریا افضل الاولین والآخرین تمام انبیاء سے زیادہ افضل و اکمل زمین کا وہ حصہ مبارک ام القریٰ تھی اور ان کے آثار اقدام سے مدینہ طیبہ کے راستے کی خاک دنیا کی تمام محبوب چیزوں سے زیادہ خوشبودار و بہتر قرار پائی۔

اس تفصیلی نظر سے امت محمدیہ کے اس اجماعی فیصلہ کی قدر و قیمت بھی بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس بقعہ مبارکہ میں حضور علیہ السلام مستقل طور سے استراحت فرما ہیں وہ زمین کا حصہ زمین و آسمان کے ہر حصہ سے زیادہ افضل و اشرف ہے اور جو لوگ اس اجماعی فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسی طرح جن جن امکنہ ارض وغیرہ کو بھی افضل الخلائق صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرف فرمایا ہے وہ سب بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق افضل الاماکن قرار پاتے ہیں۔ والحق احق بالقبول لہٰذا علامہ ابن تیمیہ کا یہ زعم کہ اماکن میں کوئی تفوق نہیں ہے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام احب الخلق الی اللہ ہیں (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضور علیہ السلام اکرم الخلق علی اللہ بھی ہیں (مشکوٰۃ ص ۵۱۴)

عرش اعظم پر پورا کلمہ طیبہ لکھا ہونا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الخلق واحب الخلق واکرم الخلق ہونے کی دلیل ہے۔

مستغاث خلق یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بعد سب ہی آپ کی نگاہ التفات و کرم کے محتاج وامیدوار ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے اسی نعتیہ کا آخری شعر یہ ہے۔

مستغیث امت غریب است اے مراد عالی مقام   در صلا آر از بارگاہت در رسید این قصید

شاید اس دور عروج تجددیت میں آپ یہاں کچھ عجیب سی بات محسوس کر رہا ہوں مگر میرے نزدیک اظہار و اعلان حق میں کوئی چیز بھی مانع نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ "تو را تیغ ترے زبان جو دو، تجھ کو ملا پائی" اور میری افتاد طبعی بھی اسی کے متقاضی ہے۔

حضرتؒ کے افادات مسئلہ توسل کے بارے میں بھی مشکلات القرآن میں درج ہوئے ہیں اور راقم الحروف نے بھی حضرت کی رہنمائی کے تحت تفسیر فتح العزیز سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے افادات بھی نقل کر دیئے تھے۔ ان کا مطالعہ کیا جائے ص ۱۹ و ص ۲۰ درج ذیل آیت وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا! اللھم انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الخ و آیت فتلقی آدم من ربہ کلمات و قولہ تعالیٰ لآدم لولا محمد لما خلقتک (ص ۷۷ و ص ۷۸)

شفاء السقام للمحدث العلامۃ السبکیؒ ص ۱۲۰ تا ۱۲۴ میں بھی حدیث توسل آدم کی تصحیح ہے اور اس میں بھی حدیث لولا محمد ما خلقت آدم ولولاہ ما خلقت الجنۃ والنار کی تخریج و تصحیح ہے۔ نیز علامہ سبکیؒ نے لکھا کہ توسل، استعانت، تشفع، توجہ و استغاثہ کے الفاظ ہم معنی ہیں اور سب کا استعمال درست ہے۔

حدیث لولاک

چونکہ مشہور عام حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے دوسری روایات صحیحہ کی وجہ سے اس کا مضمون درست قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی ص ۷۷/۱ مکتوب نمبر ۲۲۲ میں لولاہ لما خلق اللہ الخلق ولما اظہر الربوبیۃ والی روایت درج فرمائی ہے اور اس کے حاشیہ میں دوسری درج ذیل روایات بھی نقل ہوئی ہیں۔ ولولاہ لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنۃ (مسند الفردوس دیلمی) لولاہ ما خلقتک خطابا لآدم ولا خلقت سماء ولا ارضا (المواہب) لولا محمد ما خلقتک (حاکم) فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار (حاکم و اقرہ السبکی)

حضرت تھانویؒ نے نشر الطیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کا نام عرش پر آسمان

وزمخشری وغیرہ سے ۴۰۰ سال قبل لکھا ہوا تھا اور آپ نے ہی سب سے پہلے الست بربکم کا جواب دیا تھا اور خلق عالم سے مقصود بھی آپ ہی تھے اور حضرت مجددؒ نے لکھا کہ حق تعالیٰ کو اپنی ربوبیت کا اظہار مقصود ہوا اس لئے حضور علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

رد ابن تیمیہ وافادہ سبکی

علامہ سبکی نے ص ۱۴۲ میں یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو توسل آدم والی حدیث کو لغو و باطل قرار دیا ہے وہ اگر تصحیح حاکم پر مطلع ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے اور راوی حدیث عبدالرحمن بن زید کے ضعف کی وجہ سے بھی حدیث کو نہیں گرا سکتے تھے۔ کیونکہ ان کا ضعف بھی اس درجہ کا نہیں تھا کہ ان کی روایت کو باطل کہا جا سکے۔

علامہ سبکی نے یہ بھی فرمایا کہ اس امر عظیم وجلیل "توسل" کو ممنوع قرار دینے کی جرأت کوئی مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ جبکہ شریعت وعقل اس کو کسی طرح بھی رد نہیں کر سکتیں اور احادیث صحیحہ بھی اس کو صحیح ودرست ومطلوب طریقہ قرار دے رہی ہیں۔ پھر علامہ نے توسل نوح وابراہیم وغیرہما کی طرف بھی اشارہ کیا جن کو بعض مفسرین نے نقل کیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا کہ حضور علیہ السلام سے توسل آپ کی بعثت سے قبل بھی رہا اور حیات دنیوی میں بھی تھا اور حیات برزخی میں بھی برابر رہا ہے اور رہے گا۔ پھر آخرت میں بصورت شفاعت اس کا ظہور ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضور علیہ السلام یکتا وبے مثال ہیں

"حضور علیہ السلام یکتا وبے مثال تھے" حضرت شاہ صاحبؒ کے دوسرے قصیدہ کے یہ اشعار بھی ہیں۔

معراج تو کرسی شدہ و سبع سماوات　　فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری
بر فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت　　ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری
آدم بہ صف محشر و ذریت آدم　　در ظل لوایت کہ اہالی و اسیری
یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا　　تا مرکز عالم توئی بے مثل ونظیری
ادراک تو ختم است وکمال است بجا ختم　　عبرت بجواہم کہ در دور اخیری

ای لقب تو وہ مرتب مرکز ایماں ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر آیات تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری
آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری
کانرا کہ جزا خواندہ آں عین عمل ہست بگذر ز خفاف ، بنگر آنچہ پذیری
اے ختم رسل امت تو خیر امم ہست چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصل اخیری

حضور علیہ السلام کے کمالات نبویہ

ان فصیح و بلیغ نعتیہ اشعار میں کتنے کچھ علوم عالیہ سمو دیئے گئے ہیں۔ وہ حیران کن اور وجد آفریں ہیں۔ معراج اعظم نبوی کی سرگذشت روز محشر میں کمالات نبویہ کا ظہور ہر دو عالم میں آپ کی یکتائی و بے مثالی کا اثبات آپ کا مرکز ایمانی ہونا اور صاحب کمالات خاتمیت آیات قرآنی کے ذریعہ آپ کی ہمہ دانی و ہمہ گیری اور عقیدۂ تقدیر کا یک حرفی سہل و ممتنع حل جس سے ساری دنیا کی عقول عاجز ہیں۔ پھر جہاں آپ مرکز ایمان ہیں کہ سارے مومنین عالم کے ایمانوں کے تار آپ کے قلب منور و معظم سے جڑے ہوئے ہیں آپ مرکز عالم بھی ہیں کہ عظیم تر ساری مخلوق بطور دائرہ عظیمہ ہے جس کا مرکز و محور ذات گرامی صاحب لولاک ہے۔ حسب تصریح حضرت مجدد سرہندی قدس سرہ مشیت ایزدی میں اپنی ربوبیت کا اظہار ہوا اور دنیا کے ہزار ہا عالم پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم کو پیدا فرمایا اس لئے آپ مرکز وجود بھی ہیں اور سب سے پہلے آپ کے قلب منور کو حق تعالیٰ جل ذکرہ نے نور نبوت عطا فرما کر مرکز دین بھی بنایا اور آپ مرکز عالم تھے اس لئے یکتا و بے مثال و بے نظیر بھی ہوئے۔

حضرت تھانوی کا افادہ

حضرت تھانویؒ نے فرمایا "میرا مذہب یہ ہے کہ سب مسلمان بزرگ ہیں اور ولی ہیں قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور اس سے تمام اہل ایمان کی ولایت عامہ ثابت ہوتی ہے اور بڑا درجہ یہی ہے ان کا نور ایمان اگر ذرہ برابر بھی منکشف ہو جائے تو چاند و سورج یکدم اس کے سامنے ماند ہو جائیں۔ ملفوظات یومیہ ۱۲ محرم ۱۳۵۲ھ

پہلے آ چکا ہے کہ وہ حق میں تھا تو ۔ یہاں تک جب حضور اکرم ﷺ بھی حاضر تھے ...

انبیاء علیہم السلام کی سواریاں

براق ۔ روز محشر میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اونٹنیوں وغیرہ پر سوار ہو کر میدان حشر میں آئیں گے مگر حضور علیہ السلام کی سواری اس دن بھی براق ہوگی کما فی الحدیث (مشکوٰۃ ص ۷۷)

اذان بلال بروز حشر

اذان بلال روز حشر ۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت بلال جنت کی ایک اونٹنی پر سوار ہو کر میدان حشر میں اذان پڑھتے ہوں گے تو جب وہ "اشہد ان محمدا رسول اللہ" پکاریں گے تو سارے انبیاء اور ان کی امتیں بھی کہیں گی کہ ہم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں ۔ (مشکوٰۃ ص ۷۷)

رویت باری تعالیٰ جل مجدہ

رویت باری تعالیٰ ۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے افادات عالیہ میں اس امر کی بڑی تحقیق کی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لیلۃ المعراج میں حق تعالیٰ کی بڑی رویت حاصل ہوئی ہے ۔ جو اس عالم کے سوا دوسرے عالم میں تھی ۔ (مشکلات القرآن و امالی درس حدیث وغیرہ)

تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت حاصل تھی

معرفۃ الانبیاء علیہم السلام ۔ حضرت شاہ صاحب نے ثابت کیا کہ تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت اور آپ پر ایمان کی دولت حاصل تھی اور یہ بھی کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ و شریعت ہی اصل قبلہ اور شریعت کبریٰ ہے اور جو خصوصیات نبی اکرم ﷺ کی ہیں وہ بہت مقربین کو حاصل نہیں ہیں ۔ (مشکلات ص ۷۷ و ۷۸)

ایمان قبل الظہور ۔ حضور علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ بجز آپ کے اور کسی نبی پر اس کی بعثت و ظہور سے پہلے ایمان نہیں لایا گیا ۔ (مشکلات ص ۷۶ و ۷۷)

خصائص و فضائل امت محمدیہ

حضرت شاہ صاحب نے احادیث کی روشنی میں ان فضائل و خصائص کا بھی ذکر کیا ہے جو صرف

امت محمدیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حاصل ہوئے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۰۸ ص ۱۸۱)

نزول وحی ۲۴ ہزار مرتبہ

چوبیس ہزار بار نزول وحی۔ اکابر محدثین نے یہ عظیم تعداد حضور علیہ السلام کے لئے نقل کی ہے۔ جبکہ دوسرے انبیاء کے لئے بہت کم تعداد نقل کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کلام ودیدار خداوندی

دیدار خداوندی:۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں کلام بلا واسطہ اور دیدار خداوندی دونوں عظیم نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔

اس بحث کو مکمل طور سے ہم انوار الباری جلد پنجم میں مع اقوال اکابر امت درج کر چکے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے نشر الطیب میں توقف اختیار کیا اور سیرۃ کبریٰ و سیرۃ المصطفےٰ جلد اول و سیرۃ النبی حصہ سوم بھی قابل مطالعہ ہے اس کے بعد منکشف ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کتنی بلند پایہ ہے قدس سرہ العزیز۔

ایسے اہم مباحث میں جہاں بڑے بڑوں سے بھی مسامحات ہوگئی ہیں۔ حضرتؒ کی تحقیقات عالیہ پڑھنے کے لائق ہیں۔

راقم آثم کا تاثر یہ بھی ہے کہ حدیث قدسی کنت کنزا مخفیا میں جو مقصد تخلیق عالم اپنی معرفت کا حصول بتلایا گیا اور آیت قرآنی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں اپنی عبادت کا مقصود ہونا بتلایا گیا وہ بھی ظاہر ہے کہ معرفت خداوندی ہی پر موقوف ہے۔ بلا معرفت ذات و صفات کے معبود حقیقی کا صحیح تعین نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اعمال تعبدی کی صحت عقائد صحیحہ پر موقوف ہے اور علماء کے نزدیک فرق باطلہ مشبہ و مجسمہ وغیرہم سب عابدین اوثان و اصنام کے درجہ میں رکھے گئے ہیں۔

شاید اسی لئے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو رؤیت عینی اور کلام بلا واسطہ کے ذریعہ وہ عین الیقین کا مرتبہ بھی حاصل کرا دیا گیا جو پہلے سے وحی خداوندی بلا واسطہ اور رؤیت قلبی کے ذریعہ آپ کو بطور حق الیقین حاصل ہو چکا تھا۔

(نوٹ) اس حدیث قدسی کی تخریج اور توثیق محدثانہ طور پر ابھی تک نظر سے نہیں گزری، تلاش جاری ہے۔ والامر الی اللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی افادات

مشکلات القرآن میں سورۂ نجم کی تفسیر ص ۲۳۰ سے ص ۲۵۷ تک بے مثل نوادر علمیہ کا مجموعہ ہے۔ پھر ص ۲۴۰ پر قصیدۂ معراجیہ کے ۱۲۸ اشعار حرز جاں بنانے کے لائق ہیں جن میں فرمایا کہ خلاصۂ تاریخ ہم نے پوری بحث و تحقیق کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیت عینی ثابت شدہ ہے کما اختارہ [illegible] اور اسی کو حبر امت ابن عم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے اور امام احمدؒ نے بھی اسی تحقیق کی توثیق کی ہے۔ نعم رؤیۃ الرب ان بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیت عینی ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ جس کو دنیا کے لوگ خواب ہی جیسی چیز خیال کر سکتے ہیں۔ یعنی اتنی بڑی بات ان کے ادراک سے ورا الورا ہے۔

نوٹ: انوار الباری جلد نہم میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور حافظ ابن حجر و علامہ مفسر ابن کثیرؒ کے تسامحات کا بھی ردو ازالہ کیا گیا ہے۔

دارالکفر کے ساکن مسلمانوں کی امداد

حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو حکم آیت وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم میں بیان ہوا ہے وہ دینی جہاد کے معاملات سے متعلق ہے۔ اگر دارالکفر کے ساکن مسلمان کسی دینی جہاد میں دارالاسلام کے ساکن مسلمانوں سے امداد طلب کریں تو ان پر امداد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے کوئی ناجنگ معاہدہ دارالاسلام والوں سے ان مقاتلین کفار کا ہو تو اس کے قائم رہتے ہوئے وہ مسلمانان دارالکفر کی امداد نہیں کر سکتے۔ یعنی اس معاہدہ کو ختم کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس تعبیر کا تعلق ظلم کی صورت سے نہیں ہے۔ یعنی اگر مسلمانان دارالکفر مظلوم ہوں تو ان کی امداد دارالاسلام کے مسلمانوں پر بہر صورت فرض و واجب ہے اور کوئی معاہدہ اس میں حارج نہ ہوگا کیونکہ جو مظلوم

انسان کی امداد بہر حال ضروری و فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر دارالاسلام کے اندر بھی کچھ مسلمان دوسرے مسلمانوں پر ظلم کریں تو ان کو بھی ظلم سے چھڑانا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ حضرت نے اس کے لئے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ بھی ص ۳۳۸ ج ۲ و ص ۳۳۰ ج ۴ پیش کیا ہے۔ گویا "فی الدین" کی صراحت کی وجہ سے صرف قتال دینی ہی مراد لینا چاہئے اور ظلم اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحب تفسیر کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور کوئی بات بھی اکابر مفسرین یا جمہور سلف و خلف کی رائے کے خلاف پسند و اختیار نہیں کرتے تھے۔ آپ کی تالیف لطیف مشکلات القرآن اور فوائد علامہ عثمانی میں آپ کے افادات اس پر شاہد عدل ہیں۔

کتب تفسیر کی کثرت اور معیار تحقیق

حضرتؒ سے یہ بھی نقل ہوا کہ اب تو دو لاکھ کتب تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ پھر ان میں سے کتنی ایسی ہیں کہ ان کی صحت کلی پر بھروسہ کیا جا سکے اس کا فیصلہ نہایت ہی دشوار ہے قرآن مجید کے سوا کسی کتاب کو بھی اغلاط اور تسامحات سے منزہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ محدثین کی تحقیقات میں وزن سب سے زیادہ ہے۔ اسی لئے تفسیر ابن کثیر وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں مگر ان سے بھی متعدد مقامات میں تسامح ہو گیا ہے جس کی نشان دہی بھی علامہ کوثری وغیرہ نے کی ہے۔

تاہم یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ اس ایک صدی کے اندر جو کتب تفاسیر شائع ہوئیں وہ بڑی حد تک غیر معیاری ہیں۔ تفسیر المنار مصری ہو یا سرسید کی تفسیر ہندی عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہو یا مولانا آزاد کی ترجمان القرآن مولانا عبید اللہ سندھی کی جدید تفسیر ہو یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن مولانا فراہی کی تفسیر ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن وغیرہ ان سب میں عمدہ تفسیری مواد کے ساتھ آزادی رائے اور تفردات کے نمونے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ان سب میں سے تفہیم القرآن قابل ترجیح ہے اور جن جن مقامات میں تفاسیر جمہور کے مطابق انہوں نے تشریحات و تعبیرات کی ہیں وہ قابل قدر ہیں لیکن جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہو کر اپنے تفردات رقم کرتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ

قابل قبول نہیں ہو سکتے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہم نے انوار الباری میں کئی مواضع پر نقد کیا ہے۔ مزید نقد تو انوار الباری سے فارغ ہو کر ہو سکے گا ان شاء اللہ۔ ہم نے تفہیم کی ۶ جلدوں میں ایک سو کے قریب مقامات نشانات لگائے ہیں۔

ہمارے نزدیک تفسیر بالرائے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ دوسری آیات اور پھر احادیث و آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں آیات قرآنی کا حل پیش کیا جائے اور دوسرے قرآنی واقعات کو تاریخی روپ میں رکھا جائے جن لوگوں نے اس کے برعکس طریقہ اپنایا ہے وہ تفسیر بالرائے کی غلطی سے نہیں بچ سکے ہیں۔ اسی لئے آخری دور میں محدث حضرت تھانوی علامہ عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے بعد کسی اردو تفسیر پر بھی مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ فراہی، شیخ محمد عبدہ و مولانا آزاد وغیرہ پر نقد

رسالہ برہان ماہ جون و جولائی ۸۸ء کے دو شماروں میں محترم جناب مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون بابت تفسیر علامہ فراہی پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اس دور میں بھی احقاق حق کا حق ادا کرنے والے موجود ہیں جس طرح نظریہ ارتقاء کے بارے میں محترم جناب مولانا محمد شہاب الدین صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون برہان کے مئی و جون ۸۸ء میں شائع شدہ بھی نہایت اہم ضروری اور معلومات عامہ وخاصہ کا حامل ہے اور خاص طور سے انہوں نے جو نقد علماء مصر شیخ محمد عبدہ وغیرہ و سرسید و علامہ شبلی و مولانا آزاد و حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی روش پر کیا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء و کثر امثالہ

ہمارے علماء دیوبند میں سے مولانا عبیداللہ سندھی کی تفسیر میں بھی بکثرت تفردات ہیں اور جس زمانہ میں وہ باہر سے آکر دہلی میں مقیم تھے اور بعض فضلائے دیوبند نے بھی ان کے تفردات کی تائید کر دی تھی تو محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے راقم حروف کو لکھا تھا۔ ”بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جا رہا ہے؟“ حتیٰ کہ اس جماعت کا بڑا حصہ انقلابی تحریک سے متاثر ہو کر بدعت کا شکار کیوں ہو گئے!

دور حاضر کے مفسرین کی بے احتیاطی

افسوس ہے کہ آخری دور کی متعدد تفاسیر اردو میں ایسی شائع شدہ ہیں جن کے مصنف

قاعدے سے پورے عالم بھی نہیں ہیں جبکہ "کلام الملوک ملوک الکلام" کے قاعدے سے سارے بادشاہوں کے بادشاہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ضرورت ہے مفسر قرآن مجید کو جامع معقول و منقول بحر العلوم ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، حضرت علامہ عثمانی وغیرہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حل مشکلات القرآن کے لئے جو طریقہ اور نمونہ پیش فرمایا وہ بھی اہل علم و مفسرین کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدوث عالم اور وجود صانع کی تحقیق

فرمایا تمام عالم حادث و مخلوق ہے وہ نہ جنس و مادہ کے لحاظ سے قدیم ہے اور نہ وہ قدیم بالنوع ہے۔ اسی لئے عرش کو جن لوگوں نے قدیم کہا وہ بھی غلط ہے۔ ترمذی شریف میں عرش کو مخلوق کہا گیا ہے تو پھر اس کو قدیم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ (ابن ماجہ اور مسند امام احمد کا حوالہ بھی ص ۹۰۷، ۱/۱۲ معجم المفہرس میں ہے)

جس حدیث کی طرف حضرتؒ نے اشارہ فرمایا وہ کتاب التفسیر کی سورۂ ہود کی پہلی حدیث ابو رزین والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پانی پر پیدا کیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کی تخلیق پانی کے بعد ہوئی ہے علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم چونکہ استواء کو بمعنی استقرار و جلوس لیتے ہیں اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ عرش قدیم بالنوع ہے اور ازل سے ہی کوئی نہ کوئی عرش رہا ہے جس پر حق تعالیٰ کا جلوس و استقرار رہا ہے۔ علامہ ابن قیم نے ان اشعار کو نقل کیا ہے جن میں ہے کہ نہ خدا کے عرش پر جلوس کا انکار کرو اور نہ اس کا انکار کرو کہ خدا اپنے عرش پر اپنے ساتھ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھائے گا۔ اور اپنے قصیدۂ نونیہ میں ان لوگوں پر شدید ترین طعن کیا ہے جو خدا کو عرش پر متمکن و جالس نہیں مانتے اور کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے عرش کو خدا سے خالی یا الگ خیال کیا ہے لیکن زاد المعاد میں جو علامہ ابن القیم نے خدا کے طواف فی الارض کی طویل حدیث ذکر کر کے اس کی نہایت توثیق بھی کی ہے تو کیا اس وقت بھی خدا اپنے عرش سے الگ نہیں ہوگا؟

سلفی جواب دیں۔ یہی بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ "حوادث لا اول لہا" کے بھی قائل ہیں جس پر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اکابر علماء نے سخت نکیر کی ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے دیوبند کے زمانہ درس میں بھی فرمایا تھا کہ علامہ ابن تیمیہ بہت بڑے عالم و متبحر ہیں مگر وہ مستقر اور ہیولیٰ خداوندی کا عقیدہ، اگر آ جائیں تو ان کو یہاں دارالحدیث میں داخل نہ ہونے دوں گا۔

یہاں یہ ذکر ضمناً آ گیا ورنہ حدوث عالم اور خدا کے خالق و قدیم ہونے کا مسئلہ نہایت ہی تحقیقی و اہم علمی بحث ہے۔ علماء اسلام نے ہمیشہ عقلی و نقلی دلائل قائم کئے ہیں۔ کیونکہ مادیئین و دہریوں کے نزدیک یہ عالم بغیر کسی خالق و رب قدیم کے خود بخود ہی موجود ہو گیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ایک مادہ مطلق موجود تھا اور پھر حرکت سے اس میں حرارت پیدا ہوئی اور شمس وغیرہ بن گئے اس کے بعد نباتات پھر حیوانات بنے اور بندر سے ترقی کر کے انسان بن گئے۔ ڈاروِن کا فلسفہ و نظریہ خاص طور سے اس سلسلہ میں مشہور ہوا جو صانع عالم کا قائل نہیں تھا۔ (حضرت تھانویؒ نے بھی اشرف الجواب حصہ چہارم میں اس نظریہ کو رد کیا ہے)

حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ نے حدوث عالم اور وجود صانع پر دلائل ذکر کئے ہیں اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوث عالم پر کئی سو اشعار میں دلائل جمع کئے ہیں۔ پھر نثر میں بھی "مرقاۃ الطارم" کے نام سے نہایت محققانہ رسالہ عربی میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس اہم ترین عقیدہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ سے کامل و مکمل استفادہ کیا ہے اور حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ کو جتنی زیادہ کوشش سے ڈاکٹر اقبال نے مجھ سے سمجھ لیا ہے اتنی میرے حدیث کے تلامذہ نے بھی کوشش نہیں کی ہے۔

رسالہ برہان ماہ مئی و جون ۸۸ء میں محترم مولانا محمد شہاب الدین ندوی کا مضمون باب نظریہ ارتقاء پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ محترم نے بڑا ہی اہم علمی مضمون لکھا ہے اور ان کے مفصل مضمون قرآن عظیم اور نظریہ ارتقاء کو بھی پڑھنے کا اشتیاق ہوا۔

اس مضمون کو پڑھ کر علامہ مصر محمد عبدہ وغیرہ اور ہندوستان کے علامہ مولانا آزاد حضرت سید صاحب، علامہ شبلی اور سرسید و ڈاکٹر اقبال کی مسامحات پر مطلع ہو کر بڑا افسوس ہوا اور حیرت بھی، غالباً ڈاکٹر اقبال کی غلطی تو حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ سے پہلے کی ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک تو "حدوث عالم" کے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانی تھی اور یہ دکھلانا تھا کہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح میں بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

دوسرے اپنی اس مسرت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ ہمارے محترم علماء ندوہ نے احقاق حق کے لئے بہت ہی مبارک علمی قدم اٹھایا ہے۔ جزاھم اللہ خیر او کثر اللہ امثالھم۔

نظریہ ارتقاء کا ابطال

نظریہ ارتقاء پر شہاب الدین صاحب کے مقالہ کا ذکر تو ابھی ہوا اور برہان کے دونوں شماروں میں آپ کے بلند پایہ ریمارکس قابل مطالعہ ہیں۔ آپ نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ ڈارون کا نظریہ خود یورپ کے دانشمندوں میں بھی لائق پذیرائی نہیں ہوا تھا اور اب تو محققین و اہل بصیرت اس مفروضے سے اپنی بیزاری کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس کو جن علماء اسلام نے ایک متفق علیہ مسئلہ یا ثابت شدہ حقیقت خیال کر لیا تھا۔ ان سے بڑی لغزش اور بے احتیاطی ہو گئی تھی آپ نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ اس بے بنیاد نظریہ کو محض مادہ پرست ہی مذہب کی ضد میں اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں ورنہ اس میں اب کوئی جان باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں محققین کے اعتراضات کا ایک دفتر سامنے آ چکا ہے اس کے علاوہ مولانا فراہیؒ کی تفسیر پر جو نہایت عمدہ تنقید محترم مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی کی طرف سے برہان ماہ جون و جولائی ۸۸ء میں شائع ہوئی ہے وہ بھی نہایت قابل قدر ہے۔

امید ہے ایسے تحقیقی مقالات رسالہ "معارف" میں بھی شائع کئے جائیں گے۔

حق العبد

مولوی حسن شاہ صاحب تلمیذ دورۂ حدیث نے دریافت کیا کہ ایک شخص پر کسی کا مالی حق ہے اور صاحب حق زندہ ہے اور یہ شخص اس قدر مال صدقہ کرنا چاہتا ہے تو حق ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک صاحب حق یا اس کا کوئی وارث زندہ ہے اسی کو دینا ضروری ہے اور گو فقہاء نے نہیں لکھا مگر میرے نزدیک صدقہ بھی کر دے گا تو تخفیف ضرور ہو جائے گی۔

یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی طرح سے وہ مال اس کے گھر پہنچا دے تب بھی اس کا حق ادا ہو جائے گا۔

حلف مع الحنث

فرمایا اگر چند حلف مع الحنث جمع ہو جائیں تو ایک ہی مجلس کے ہوں تو ایک کفارہ کافی ہو گا ورنہ نہیں اور شامی نے جو ایک کا کافی ہونا لکھا ہے تو دوسری جگہ تفصیل کے موقع پر وہی لکھا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

مسائل کی ترجیح ذریعہ احادیث صحیحہ

فرمایا میری عادت ہے کہ اولاً وہ قول لیتا ہوں جس کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے اس کے بعد وہ قول لیتا ہوں جو امام طحاویؒ کا مختار ہو اور امام طحاوی کو کرخی پر ترجیح دیتا ہوں اگرچہ امام طحاوی مصر میں اور کرخی بغداد میں رہے ہیں لیکن حدیث کا علم طحاوی کا بڑھا ہوا ہے مع تفقہ صحیح کے۔

فقہاء کے مراتب

فرمایا کہ فقہاء میں سے شمس الائمہ حلوانی کو شمس الائمہ سرخسی پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ حلوانی مسئلہ مختلف فیہا بین الائمہ میں نہایت صحیح قول اختیار کرتے ہیں پس میں بھی ان ہی کے مختار کو لیتا ہوں۔ اس کے بعد شامی صاحب ہدایہ صاحب بدائع و فتاویٰ قاضی خاں اور صدر الائمہ و فخر الائمہ وغیرہ سب برابر ہیں۔

تقلید شخصی ضروری ہے

فرمایا علامہ شامی نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص تلفیق تو نہیں کر سکتا کہ کسی جزو میں کسی کے مذہب پر اور کسی جزو میں کسی کے مذہب پر عمل کرے البتہ یہ کر سکتا ہے (جو دلائل کو نہ سمجھتا ہو اور علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتا ہو) کہ کسی وقت کی نماز کسی کے مذہب پر پڑھ لے اور کسی وقت کی کسی کے مذہب پر پڑھ لے۔ (حضرتؒ نے شامی جلد اول سے عبارت پڑھ کر سنائی) پھر فرمایا کہ اسی قسم کا مضمون بحر الرائق کے باب قضاء الفوائت اور شیخ ابن ہمام کی تحریر کے آخر میں بھی ہے حالانکہ یہ غلط محض ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا تشدد

وہ بھی اپنے زور بیان سے یہی ثابت کیا کرتے ہیں کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں تقلید درست نہیں ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ صحابہ وتابعین کے وقت میں تقلید کہاں تھی؟

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کے وقت میں بھی تقلید تھی کیونکہ جو جس کا شاگرد ہوتا تھا تمام باتوں میں اسی کی تحقیقات پر عمل کرتا تھا اور جہاں کہیں اختلاف زیادہ ہوا تو مرتبہ کے اعتبار سے بھی فیصلہ ہوتا تھا۔ مثلاً خلفائے راشدین کے فرمان پر عمل کرتے تھے۔

غرض اس وقت دسیوں، بیسیوں مجتہد تھے اور ہر ایک کی علیحدہ تقلید ہوتی تھی۔ باقی یہ نہ تھا کہ کسی وقت کسی کے قول پر عمل ہوتا اور دوسرے وقت دوسرے کے۔

البتہ یہ ضرور تھا کہ مثلاً مس ذکر کو ناقض وضو سمجھا لیکن کسی وقت نماز پڑھ لی بغیر اس کے مقتضی پر عمل کئے ہوئے کہ تحقیقات اپنی رکھتے تھے مگر ساتھ ہی نصوص احادیث کا بھی پاس رکھتے تھے اور صرف مجتہد فیہ غیر منصوص مسائل میں ایک دوسرے کی تقلید ہی تھی۔ پھر میں کہتا ہوں کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کا ترک اس امر کو مستلزم ہے کہ دین میں تناقض لازم آجائے اور یہ بعض جگہ تو صریح ہوگا مثلاً جبکہ ہر مجتہد کے اصول علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک تو ایک چیز کو حرام کہتا ہے دوسرا اس کو فرض وواجب ایک حلال کہتا ہے دوسرا حرام وغیرہ۔

پس تارک تقلید صریح تناقض میں پڑ جائے گا۔ حالانکہ دین میں تناقض قطعاً نہیں ہو سکتا اور صحیح دراصل ایک ہی چیز ہوگی۔ پھر بعض جگہ ظاہری تناقض تو نہ ہوگا لیکن اندرونی طور پر موجود ہوگا۔ مثلاً مفقود کا مسئلہ کہ اس میں امام مالک کے مذہب پر فتوے دیتے ہیں اور بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے صرف ایک جزئی چھوڑی ہے حالانکہ اصولاً صریح تناقض نکلے گا' کیونکہ ہمارے امام صاحب کا اصول ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے اور تفریق بغیر طلاق کے نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف امام مالک کا اصول یہ ہے کہ اکثر مدت حمل چار سال ہیں اور بوقت اعسار زوج قاضی کو تفریق کا حق حاصل ہے۔ جو حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہے۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں سب معسر (تنگدست) ہی تھے۔ پھر کوئی بھی جزئی ایسی نہیں ہے جہاں تفریق کرائی گئی ہو الا سعید بن مسیب کا واقعہ کہ وہ شواذ سے

ہے جس سے ناقصوں کے ہوتے ہوئے جو چیز نہ ہونی ثابت نہیں ہو سکتی۔

پس مالکیہ کا مسئلہ ہے کہ صریح تناقض باعتبار اصول ہو جاتا ہے کہ اسی پر مسئلہ مفقود کا اختلاف ہے۔ (مالکیہ چار سال کے بعد مفقود کی صورت میں اضرار کے باعث تفریق کا جواز کرتے ہیں جو باصول حنفیہ قطعاً ناجائز ہے۔ کما لا یخفی) اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ کہیں اندرونی و بیرونی کوئی تناقض نہیں معلوم ہوتا لیکن اول تو ہمیں سارے اصول مذاہب کے نہیں پہنچے پھر کیسے کہیں کہ باہم متناقض ہیں یا نہیں۔ دوسرے جزوی اختلافات خود بتلاتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں کسی اصول میں اختلاف ضرور ہوگا اور تناقض۔

غرض یہ کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید ضروری ہے ورنہ دین صریح تناقض میں آ جائے گا اور محض خواہشات کے موافق رہ جائے گا۔ جیسے غیر مقلد کرتے ہیں۔

دوسرے مذاہب فقہیہ پر فتوے

مولوی ریاست خاں صاحب نے کہا کہ پھر دوسرے مذاہب پر جو فتوے دیتے ہیں وہ درست نہ ہوں گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرا ان پر بھی یہی اعتراض ہے۔ دوسرے یہ کہ ضرورت پڑتی ہیں اور ضرورت کا باب دوسرا ہے۔ میرا مقصد شامی وغیرہ کی غلطی ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خواہشات پر رکھ دیا ہے پس یہ سوال مذکور بحث میں قلت تدبر کے باعث ہے۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ صورت دنیوی امور میں بھی پیش آتی ہے کہ جب دوسرے لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ اچھا بھائی جس طرح تمہاری رائے ہو کرو، یعنی ضرورت کے وقت دوسرے کی رائے پر عمل کرتے ہیں باوجودیکہ وہ خلاف رائے ہوتا ہے۔

مسجد نبوی کا احترام اور دوسرے امکنہ کا تقدس و تبرک

حضرتؒ نے فرمایا کہ یوں تو تمام مساجد کا عام طور سے یہ احترام ہے کہ وہاں شور و غل یا بلند آواز کرنا لڑنا جھگڑنا ممنوع ہے مگر مسجد نبوی کا احترام اور بھی زیادہ ہے اسی لئے امام مالکؒ نے امیر المومنین ابو جعفر کو مسجد نبوی میں بلند آواز کرکے بات کرنے پر ٹوک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ قرآن مجید

میں ادب سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز نبی کریم کے روبرو اونچی نہ کرو اس سے ڈر ہے کہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں (حجرات) اس کے ساتھ امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عظمت و احترام وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسی زندگی میں تھی پوری روایت سندوں کے ساتھ انوار الباری ص ۱۲۹/۱۱ میں شفاء السقام ص ۶۹ وغیرہ سے نقل کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس روایت کو گرانے کی سعی کی ہے اس کا رد بھی پوری طرح کر دیا گیا ہے۔

شیخ محمد عبدالوہاب کا ذکر

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی چند کتابیں دیکھی ہیں وہ بے محل آیات تلاوت کر دیتے ہیں جس طرح آج کل کے غیر مقلدین بھی بہت سی آیات کو عدم تقلید پر اتارا کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک مسجد نبوی کا کوئی احترام حضور علیہ السلام کی وجہ سے نہیں ہے اور بعض نجدیوں سے یہ بھی سنا کہ یہاں کیا رکھا ہوا ہے؟ اور ان کے بعض متوسلین سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مسجد نبوی میں امام ان وقت بہت زور زور سے کہتے ہیں واللہ اعلم۔

راقم الحروف کے نزدیک اختلاف کی بڑی جڑ امکنہ کے تقدس سے انکار ہے۔ اگر اس بارے میں علماء سعودیہ دوسرے علماء اسلام کے ساتھ بیٹھ کر تحقیق کر کے اتفاقی نقطہ طے کر لیں تو بڑی اہم علمی خدمت انجام پا سکتی ہے۔ جس طرح علماء سعودیہ نے طلاق ثلاث میں جمہور کی رائے مان لی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ایک اہم سوال

کوئی ان سے پوچھے کہ اگر وہاں کچھ نہیں رکھا تو حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کے قدموں میں دفن ہونے کی تمنا کیوں کی تھی اور بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ان سے نقل ہوئے ہیں کہ میرے لئے اس مقصد سے زیادہ کوئی بھی چیز اہم و اعظم نہیں ہے اور اگر واقعی امکنہ میں کوئی تقدس نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے فرمانے پر بیت اللحم (جائے ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں براق

سے اتر کر دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی؟

یہ حدیث نسائی شریف کی ہے جس کا انکار ان کے بڑے علامہ ابن تیمیہؒ بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ جس طرح اعیان سعودیہ اکابر حجاج عالم کی پذیرائی کر کے ان کو غلاف کعبہ کا تبرک بھی عطا کرتے ہیں اسی طرح سارے حجاج عالم اسلام کو کھلے دل سے قائل ہو کر حرمین شریفین کے سارے اماکن مقدسہ متبرکہ کی حفاظت و زیارت سے بھی مطمئن و مسرور کیا کریں۔ کیونکہ امام نسائی کی روایت کردہ حدیث صحیح اور حضرت عمرؓ کے ارشاد مذکور بخاری و امام مالکؒ کی رائے مبارک کے مقابلہ میں بعد کے کسی بھی بڑے کی بات بالاتر نہیں ہو سکتی۔ امید ہے سلفی نجدی بھائی اس قبول حق کی فرصت کو غنیمت سمجھیں گے۔

ابن سعود وغیرہ کی مخالفت حنفیت

وقت درس بخاری شریف میں ۹۸ھ/۲۹ء حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ابن سعود وغیرہ اپنے بعض متبوعین کے اتباع میں حنفیت کے سخت مخالف ہیں۔ جس کے لئے میں مشہور شعر اذا کان الغراب دلیل قوم الخ پڑھا کرتا ہوں۔ اسی لئے انہوں نے تبرکات کو مٹا دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ کا سبب

ان کا بڑا استدلال حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ سے ہے میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ وہ درخت متعین نہیں تھا اور روایت ہے کہ دو صحابی بھی اس پر متفق نہیں رہے تھے اور جب غلط تعظیم ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی بھی یہی رائے تھی یعنی تبرک ہونے سے انکار نہیں فرمایا اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ متبرک تو ضرور تھا مگر متعین نہ رہا تھا۔

جماعت ثانیہ

مدینہ میں مسئلہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں جماعت کرے تو بلا کراہت ادا ہوگی۔ یہ مسئلہ کہیں اور نہیں ہے غالباً یہ عام کتب میں اتنا ہے کہ مسجد میں جماعت نہ ملے تو گھر جا کر جماعت کر کے پڑھ لے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اگر صحابہ کی نماز جماعت سے رہ جاتی تھی تو وہ الگ الگ پڑھ لیتے تھے اور مسجد میں جماعت ثانیہ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا رسالہ دیکھو۔

اگر جگہ چھوڑ کر جماعت کرے تو امام ابو یوسفؒ سے (کبیری شرح منیہ میں ہے کہ) جائز بلا کراہت ہے۔ امام شافعیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں اور جماعت ثانیہ کو ناجائز ہی جانتے ہیں۔ امام محمدؒ اجازت دیتے ہیں۔

حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) نے ایک بار جب میں کشمیر جانے کے لئے ملاقات کو گیا تو فرمایا کہ جماعت ثانیہ کرے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یعنی باوجود کراہت کے وہ ثواب ۲۵ یا ۲۷ کا بھی ملے گا یا نہیں؟ اس سے میں سمجھا کہ وہ ثواب کے قائل تھے اور میرا بھی یہی خیال ہے اور اس میں استبعاد بھی نہیں ہے کیونکہ جماعت اولیٰ میں بھی تو مکروہات صلوٰۃ ہو جاتے ہیں۔ تو کیا ثواب نہ ملے گا؟ نیز فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت غیر مشہور ہے۔ دوسرے وہ اس پر محمول ہے کہ چند آدمی کسی معقول عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ جائیں۔

پس احوط یہی ہے کہ مسجد سے علیحدہ جماعت کر لی جائے باقی اثر حضرت انسؓ کا معارضہ مصنف ابن ابی شیبہ سے کریں گے۔

یہ بھی ہے کہ حضرت انسؓ نے جماعت بلا اذان واقامت کے ساتھ کرائی تو وہ دوسرے محلے کے تھے اور یہ صورت مسجد سوق میں داخل ہے جہاں امام ومقتدی متعین نہ ہوں جیسے اسٹیشن وغیرہ کی مسجدیں۔ پس دوسرے محلہ والوں کو بھی جائز تھا اور کراہت کا مسئلہ اسی محلہ والوں کے لئے ہے۔

بیہقی سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ کی نماز فوت ہو گئی تھی پھر مسجد بنی زریق میں جا کر پڑھی حالانکہ فائدے کے لئے اذان واقامت سے بھی نہیں۔ میرے نزدیک یہ صواب نہیں ہے بلکہ وقت پر ہی پڑھی تھی۔

کوفہ میں صحابہ کی تعداد

فرمایا۔ ابو بشر دولابی نے تعداد ایک ہزار پچاس لکھی ہے مگر میرے نزدیک یہ کم لکھی ہے کیونکہ سارے عساکر حضرت عمرؓ کے وہیں رہتے تھے اور وہیں چھاؤنی تھی۔ پس ہزاروں ہزار صحابی آئے ہوں گے اور حضرت عمرؓ نے تعلیم دین کے لئے حضرت ابن مسعودؓ کو وہاں بھیجا تھا۔ پھر انہوں نے ترک رفع یدین کیا تو کسی نے نکیر نہیں کی۔

دعا بعد الاذان میں وسیلہ کیا ہے؟

فرمایا۔ جنت میں ایک منزلہ ہے جو سواء ایک شخص کے اور کسی کو نہ دیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مجھے امید ہے وہ مجھ کو عطا ہوگا۔ اسی لئے امت کی طرف سے دعا ہوتی ہے اور یہ دعا آپ کی رفعت کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ تمثال ہے ان تعلقات و وصلت کی جو امت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور نبی کریم کو خدا سے ہیں۔ پس اس قول سے اپنے وصل کو مستحکم کرنا ہے جو قیامت میں متشکل ہوگا۔

یہ بھی حدیث میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منزل کے پاس اس کا تنا ہوگا اور طوبیٰ کے پاس سے درمیان سے شروع ہوگا اور اس کی ایک ایک شاخ ہر ایک امتی کے گھر میں ہوگی نیز اس میں ہے کہ اس کا نام وسیلہ ہے۔ پس اپنی ہی شاخ کی خبر رسانی جاری ہے اس دعا سے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے اس کو پورا نہیں سمجھا حالانکہ ان کے یہاں معانی کے متصور ہونے کا مسئلہ علی الدوام ان کا موضوع رہا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت کی اس تحقیق کی مناسبت سے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کا مشہور ملفوظ گرامی بھی ذہن میں تازہ کر لینا مفید ہوگا جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس وقت دنیا میں بھی ہم سب مومنوں کے انوار ایمانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم سے جڑے ہوئے ہیں۔ تو اگر دعاء اذان میں بھی ایسے ہی تعلق روحانی کا بقاء جنت کی زندگی میں مطلوب و مقصود ہو تو عجب نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقام محمود کیا ہے؟

فرمایا۔ حمد متصور ہو کر لواء حمد کی صورت میں ہو جائے گی اور مقام محمود میں وہ محامد القاء ہوں گے جو اس سے پیشتر معلوم نہ ہوں گے (اسی طرح صحاح ستہ میں ہے)

شیخ اکبر بھی اس سے گزرے ہیں اور کہا کہ حمد آخر میں ہوتی ہے اسی لئے حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کسی ضعیف روایت کا سہارا لے کر جو مقام محمود سے بروز قیامت خدا کا عرش پر بیٹھنا اور

اپنے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بٹھانا مراد لیا گیا اور علامہ ابن قیم کا اس کو عقیدہ بنا لینا اور اس کے انکار پر تکفیر کرنا وغیرہ بھی پڑھ لینا چاہئے۔

دلائل الخیرات کا ذکر

فرمایا۔ دلائل میں جو "حتے لایبقی من علمک شیء" ہے اس کی وجہ سے ابن سعود نے اس کا داخلہ حجاز میں بند کر دیا اور کہا کہ یہ شرک اکبر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ دلائل کے درست ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی روشنی میں ایسے مسائل کا صحیح فیصلہ علماء کرام کو اجماعی طور سے کرنا چاہئے اور علماء سعودیہ کو بھی چاہئے کہ "طلاق ثلاث" کی طرح جمہور سلف و خلف کے ہر فیصلہ کو راجح قرار دیں خواہ وہ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے خلاف ہی ہو۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا مسلک واحد ہے۔ یعنی چاروں اماموں کے فیصلے لائق قبول ہیں اور مقلدین ائمہ اربعہ بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کا بھی اتباع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا علماء و اعیان سعودیہ کو بھی فرض ہے کہ وہ حرمین شریفین و حجاز و نجد میں صرف ان ہی احکامات کو نافذ کریں جو امام احمد یا دوسرے ائمہ و جمہور سلف و خلف کے مختار ہیں اور ان کے خلاف جو علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے مختارات یا تفردات ہیں وہ نافذ نہ کریں۔

موتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ کے فیصلے ناقص تھے

مآثر حرمین اور امکنہ مقدسہ و متبرکہ کے بارے میں بھی جو فیصلے موتمر عالم اسلامی میں ہوئے تھے وہ ناقص تھے اس لئے ضرورت ہے کہ ان پر منتخب علماء کی جماعت پھر سے تمام دلائل و مستندات میں غور و فکر کر کے افراط و تفریط کا خاتمہ کرے۔

ملک فہد دام ظلہ پر اعتماد

ہمیں خادم الحرمین الشریفین ملک فہد پر پورا اعتماد ہے اور ان کے اس اعلان کی بڑی قدر ہے کہ تمام فیصلے جمہور سلف و خلف ہی کے مطابق ہونے چاہئیں۔

امام طحاوی کی منقبت

امام طحاویؒ کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاویؒ کے ہیں کسی اور کے نہیں۔ اور تقریریں اور تفہیم مسائل خلافیہ کی جس قدر میں نے لکھی ہے وہ کسی نے نہیں لکھیں اور سچ بھی جس قدر امام طحاوی نے دیئے ہیں اور کسی نے نہیں دیئے۔

امام شافعیؒ کی منقبت

فرمایا۔ ”امام شافعیؒ جیسا ذکی امت میں نہیں گزرا پس ان کو بند کرنے کا قصد کرنا بے سود ہے“ ہمارے حضرت شاہ صاحب نہایت منصف مزاج تھے اور کسی مخالف کے اندر بھی کوئی کمال یا خوبی ہوتی تو اس کا اعتراف کھلے دل سے ضرور کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک یہ ارشاد امام شافعیؒ سے بعد کے حضرات کے لئے فرمایا ہے ورنہ با اعتراف امام شافعیؒ ہی ان کے استاذ امام محمدؒ بھی وہ ذکی اذکیا تھے۔

یہ بھی فرمایا کہ اصحاب صحاح میں سے امام بخاری کے بعد امام نسائی زیادہ ذکی ہیں اور میرے نزدیک ان کی تمام احادیث صحیح ہیں اور تراجم ابواب میں سے ترجمہ ”اقامۃ کل احد نفسہ“ کی اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے (امام نسائی کے عظیم مرتبہ کے پیش نظر) تاویل ضروری ہے کیونکہ اقامت کل احد نفسہ باطل محض ہے۔

قلوب میں خدا کی وقعت

فرمایا: حدیث میں ہے کہ اگر دیکھنا چاہو کہ تمہاری وقعت خدا کے یہاں کتنی ہے تو دیکھو کہ تمہارے دل میں خدا کی کس قدر وقعت ہے اور آج کل تو خدا کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہے جتنی ایک آشنا کی ہوتی ہے۔

شہداء آخرت کون ہیں

فرمایا۔ علامہ سیوطیؒ نے ۳۰ طرح کے نام لکھے ہیں۔ پھر ایک صاحب نے دس کا اضافہ

گیا پھر ایک صاحب نے ۱۰ بڑھائے اور میں نے ان کے رسائل سے استفادہ کر کے مرگ مفاجاۃ والوں اور نہایت مظلوم اور لمبے امراض کے بعد مرنے والوں کو بھی شہداء آخرت میں گنا ہے۔ یہ سب ثواب آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں اور فقہاء نے صرف شہداء عالم دنیا کا ذکر کیا ہے جن کے احکام بھی یہاں الگ ہیں اور وہ احکام شہداء الآخرۃ کے نہیں ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ

فرمایا:۔ جرمنی کے کتب خانہ میں تنہا صحیح ابن خزیمہ ہے اور کہیں موجود نہیں ہے دنیا میں اور اس پر حافظ کے دستخط ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

ترک جماعت کا عذر

ص ۹۱ بخاری شریف کی مشہور حدیث عتبان بن مالک پر فرمایا کہ خارج میں دوسری حدیث ہے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی اور وہ چلے تو پوچھا کہ اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ کہا ہاں فرمایا کہ پھر نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عزیمت پر عمل کرایا اگرچہ رخصت تو تھی اور میرے نزدیک یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت عتبان بن مالکؓ کا عذر حضرت ابن ام مکتوم سے بھی زیادہ ہو مثلاً وہ مسجد نبوی سے زیادہ دور تھے اور ابن ام مکتوم قریب ہی تھے۔ اس لئے حضرت عتبانؓ کو مطلقاً اجازت دیدی ہوگی۔

مسجد اور تبرک بالامکنہ

فائدہ: یہ وہی بخاری کی حدیث ہے جس سے جمہور نے تبرک بالامکنہ کے لئے استدلال کیا ہے اور نجدی وسلفی حضرات اس کے حق سے منکر ہیں اور حضرت علامہ عثمانیؒ نے موتمر مکہ معظمہ میں بھی اس کو پیش کیا تھا تو علماء نجد نے اس کو قبول نہیں کیا تھا اور معارضہ کر دیا تھا قطع شجرہ سے جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی فرماتے تھے کہ قطع شجرہ کو بہانہ بنا کر سارے تبرکات کو نجدیوں نے ڈھا دیا ہے یہ اچھا نہیں کیا۔ اور شب معراج میں حضور علیہ السلام نے بیت لحم (جاء ولادت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر براق سے اتر کر دو رکعت پڑھی ہیں جو نسائی

شریف کی حدیث قوی و صحیح سے ثابت ہے پھر بھی علامہ ابن قیم کا یہ دعویٰ کہ بیت [illegible] اترنے کی کوئی حدیث ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کیا اس قسم کے بلند دعووں سے دین کی صحیح خدمت ممکن ہے؟ پھر بھی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کا تبرک بالامکنہ سے انکار پر غیر معمولی اصرار اگر تھوڑی دیر کے لئے درست بھی مان لیں تو حضرت عمرؓ کی آخری اہم ترین تمنا حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہونے کی جو بخاری شریف سے بھی ثابت ہے اس کا جواب ہمارے سلفی بھائی کبھی نہیں دے سکتے۔

ایک طرف حدیث صحیح نسائی شریف وغیرہ کا انکار اور دوسری طرف زاد المعاد میں حق تعالیٰ کے عرش سے اتر کر زمین میں طواف کرنے کی طویل وضعیف ترین حدیث کی تقویت کی سعی بلیغ کیا یہ صورت ان کی محدثانہ شان کے لائق ہو سکتی ہے؟ والامر الی اللہ۔

یاد رہے کہ حدیث مذکور نہ صرف امام نسائی نے بلکہ بیہقی نے بھی مع تصحیح کے اور طبرانی، بزار و ابن ابی حاتم وغیرہ نے بھی روایت کی ہے جس کا ذکر فتح الباری ص ۳۳۵/۱ میں بھی ہوا ہے۔

ایک اہم توقع

اس ذیل میں یہ بات خوش آئند ہے کہ فتنۂ ایران کی وجہ سے حکومت سعودیہ نے دوسرے ممالک کے اعیان و علماء کے وفود کو حج کے موقع پر بلانے کا سلسلہ شروع کیا ہے سارے مصارف سفر کا خود تکفل کر کے ان کا نہایت اعزاز و اکرام ہوتا ہے اور عظیم تر ہوٹلوں میں شاہانہ ضیافتوں سے نوازا جاتا ہے۔ پھر تحفوں سے بھی نوازا جاتا ہے۔ جن میں بڑا تحفہ غلاف کعبہ کا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے ملکوں میں آ کر حکومت سعودیہ کی مدح و توصیف شائع کرتے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے یہ بات صحیح بھی ہے کہ حرمین شریفین کی انتظامی خدمات کے سلسلے میں حکومت سعودیہ ہر طرح بہتر معتمد اور قابل حمد رہا ہے۔ اگرچہ اس طرف کچھ توجہ نہیں کہ غریب طبقہ کے لئے حج و زیارت کے مصارف حد سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتے جا رہے ہیں کرایہ سفر بھی زیادہ اور قیام حرمین کے مصارف بھی الضعف اضعاف۔ لیکن ہمارے خاص نقطہ نظر سے یہ بات خوشی کی زیادہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو ایک نظریہ جمہور کے خلاف یہ بھی دیا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں مگر یہ

ضروری نہیں کہ ان سے ملحق قبر مبارک کا حصہ بھی دوسرے متبرک ومقدس حصوں سے افضل مانا جائے وہ نظریہ حکومت سعودیہ نے علماء واعیان حجاج کو غلاف کعبہ بطور تحفہ وتبرک دینے کا سلسلہ قائم کرکے کالعدم کردیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک طلاق ثلاث کے بعد اب یہ دوسری کامیابی نظریات جمہور کے موافق سامنے آگئی ہے۔ خدا اس کو نظر بد سے بچائے اور اعیان وعلماء سعودیہ کو مزید اختلافی مسائل میں بھی تائید جمہور امت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

امام وخلیفہ کا قریشی ہونا

فرمایا:۔ طرابلسی نے امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی دو نمازیں

حضرتؒ نے فرمایا:۔ حنفیہ نے اول کو نفل اور دوسری کو فرض کہا ہے حالانکہ راوی ہر دو کو عشاء کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشاء ہی پڑھی ہے لیکن نہ بہ نیت اسقاط فریضہ اور دوسری بہ نیت اسقاط ہے۔ امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں تین جگہ یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر گھر پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہو رہی ہو تو اعادہ ضروری ہے ظہر وعشاء میں اور یہی متقدمین سے منقول ہے اور طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشاء بھی پڑھے لیکن اسقاط کا قصد نہ ہو تو وہ نفل ہو جائیں گے۔ اور اسی طرح اگر کوئی دوبارہ سہ بارہ بھی ظہر کی ہی مثلاً نماز پڑھے تو ایک فرض اور باقی نفل ہوں گی۔

حضرت معاذؓ نے پہلی بھی عشاء ہی پڑھی ہوگی۔ بہ لحاظ شرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہے۔

سب سے پہلے صاحب فتح القدیر نے آکر یہ غلطی کی کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں گیا تو فرض میں شریک ہوا اور یہ نفل ہیں۔

شوافع کے یہاں پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور پہلی نفل ہیں خیمہ اور گھر والی۔

تعارض کے وقت ترجیح حدیث کا طریقہ

اصول حدیث کے اس مشہور مسئلہ میں امام اعظمؒ کا طریقہ اول نسخ پھر توفیق پھر توقف

ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک توفیق کا طریقہ نسخ پر مقدم ہے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل کیا جائے (اور ظاہر ہے کہ نسخ کی صورت میں صرف ایک پر عمل ہو سکے گا)

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جواب یہ ہے کہ ہمارے امام کا قول زیادہ حق و صواب ہے کیونکہ نسخ سے مراد وہ نسخ ہے جو بطریق نقل ثابت ہو اور جہاں ہمیں نقل صحیح مجبور کرتی ہے کہ ایک حدیث ناسخ اور دوسری منسوخ تو پھر بھی توفیق کی طرف رجوع کرنا ایسا ہے کہ جیسے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ درحقیقت اسلام یہودیت و نصرانیت کا ناسخ ہے پھر بھی ہم توفیق کے طالب بن کر فروع میں اتحاد تلاش کریں۔

حضرتؒ کے اس ارشاد عالی سے استفادہ کے ساتھ یہ بھی اپنے حافظہ میں تازہ کر لیں کہ یہ بات امام اعظمؒ کے لئے تسلیم شدہ ہو چکی ہے کہ وہ ناسخ و منسوخ احادیث کے سب سے بڑے عالم و عارف تھے تو ایسے شخص کو تو اور بھی زیادہ حق تھا کہ وہ نسخ کو توفیق پر مقدم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نجوم کا استقلال و حرکت

فرمایا: نجوم خود مستقل بالذات ہیں اور حرکت میں ہیں۔ بطلیموس کے نزدیک یہ تھا کہ وہ فلک میں مرکوز ہیں اور سماء کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اب مشاہدہ بھی شریعت کے موافق ہے۔

شمس و قمر جہنم میں

فرمایا: شمس و قمر عاقبۃً جہنم میں رہیں گے کیونکہ یہ سب مذاق جہنم کا ہے۔ جس چیز کو یہاں سے نہ لے جائیں گے وہ جہنم ہی میں رہے گی۔

روح کب پیدا ہوئی؟

فلاسفہ اور علماء اسلام میں اختلاف ہے کہ روح پہلے سے ہے یا اجسام کے ساتھ پیدا ہوئی؟ شیخ ابو عمرؒ نے فرمایا کہ پہلے سے ہے اور ابن قیمؒ کے نزدیک ساتھ پیدا ہوئی ہے غرض ہر دو قول اہل سنت کے ہیں۔ تفصیل کتاب الروح لابن قیم میں ہے۔

فرق روح و نسمہ

فرمایا: حدیث میں ہے کہ خدا نے نسمہ کو پیدا کیا۔ (بخاری ص ۴۲۷) نسمہ کا ترجمہ

جان اچھی ہے ابن سینا کی فوری اچھی تھی۔ تعریفات شیء میں کہا کہ نفس کو جان اور روح کو رواں کہتے ہیں اور روح کی حقیقت منقح نہیں ہو سکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کثرت سے اپنی تصانیف میں نسمہ پر گزرے ہیں لیکن انہوں نے جو لکھا ہے وہ حقیقت نسمہ کی ہے یعنی روح ہوائی جو خون میں ملی جلی ہے شرائین میں سرایت شدہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ روح کا حال مستقر ہے کہ اس کے اطوار اور حلیے نہیں بدلتے اور یہی روح لباس پہنتی ہے نسمہ کا یعنی روح جب عالم مثال کا لباس پہن کر کھانے پینے کے قابل ہو جائے تو وہی نسمہ کہلاتی ہے۔ پس اگر افعال مادہ محض آ گئے تو روح کا نام پڑا اور قبض و بسط و ظلم وغیرہ روحانی احوال میں ہوتے ہوئے روح ہی کہلائے گی۔

پس نسمہ کوئی حال ہے روح کا۔ موطا امام مالکؒ میں اکل و شرب کی نسبت بھی روح کی طرف نہیں ہے بلکہ نسمہ کی طرف ہے۔

افعال برزخ

فرمایا۔ نماز، حج، تلاوت قرآن، کھانا پینا، رضاعت پانچوں چیزیں برزخ میں روح کے لئے ثابت ہیں اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہہ دو۔ معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہو سکتی ہے اور وہاں روح دودھ پئے گی۔

قدم عالم کا رد

فرمایا:- کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ' دوسرے ولم یکن قبلہ بھی آیا ہے۔ مگر قدم عالم کے رد میں غیرہ مفید ہے نہ قبلہ اور معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی قدم عالم کے قائل ہیں۔ تفہیمات الٰہیہ میں بھی سخت منکر چیزیں ہیں۔ اس قسم کی۔ البتہ شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ اور الطاف القدس مفید کتابیں ہیں۔

تفہیمات میں بے موقع چیزیں بھی ہیں۔ میں نے عقیدۃ الاسلام میں ازالۃ الخفا میں سے معارضہ پیش کر دیا ہے۔ حدیث و قرآن اور دین سماوی کی یہی تعلیم ہے کہ سب چیزیں کتم عدم سے نکلی ہیں۔

شاہ صاحب نے زمانہ کے قدم کی "خیر کثیر" میں اور پہلے رسالہ میں بار بار تصریح کر دی ہے تاہم شیخ مجدد، شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالقادر وشیخ اکبر سب ہی فلسفہ کے حاذق گذرے ہیں۔

فیض الباری ص ۱۸۷ ج ۴ میں بھی یہ مضمون اجمالاً ذکر ہوا ہے۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہ کا اس طرف رجحان علامہ ابن تیمیہ کے اتباع میں اور ان پر ضرورت سے زائد اعتماد کی وجہ سے ہوا ہے۔ مزید بحث و تفصیل فتح الباری ص ۱۸/۶ و ص ۳۲۹/۱۳ میں دیکھی جائے جس میں علامہ ابن تیمیہ کے اختیار کردہ نظریہ "حوادث لا اول لہا" کا بھی رد وافر کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ تمام اکابر امت محمدیہ نے قدم عالم کے رد اور حدوث عالم کے اثبات میں نہایت مضبوط و مستحکم دلائل قائم کئے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی کی بھی مداہنت گوارا نہیں کی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ومقالات ص ۳۰ میں اسی طرح ہے فرمایا سنا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہید نے عرفی کے اس شعر پر تکفیر کی ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
سلمیٰ حدوث تو و لیلائے قدم را

گو قدم بالزمان ہی مراد ہے جو حدوث بالذات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے قدم کا قائل ہونا بھی شرک ہے پھر فرمایا کہ البتہ اس شعر میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ عرفی نے اولیت کو قدم سے تعبیر کیا ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے اس کا ثبوت صحیح بھی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری (خدا نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا)

سلفی حضرات غور کریں کہ منع زیارت نبویہ اور توسل و تبرک اکابر وغیرہ امور پر تو سخت تنقید کریں لیکن قدم عرش، حوادث لا اول لہا، خدا کی عرش نشینی اور خدا کے طواف فی الارض وغیرہ عقائد کس طرح بھی صحیح قرار پا سکتے ہیں؟

زندقہ کیا ہے؟

فرمایا۔ زندیق کا لفظ بخاری میں موجود ہے۔ ص ۱۰۲۳ پارہ ۲۸) کتاب استتابہ المرتدین) اکفار الملحدین میں اس کی تشریح کر دی ہے کہ الفاظ شرعی کو باقی رکھ کر معانی و مطالب کو بدل دے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جب [illegible] کا یہ کہنا کہ

نہیں کہ زندیق کا لفظ بعد کی اختراع ہے۔

نماز کا سلام

مشہور عندالحنفیہ یہ ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں۔ اور فتح القدیر میں پہلا واجب اور دوسرا سنت ہے اور یہی میرا مختار ہے۔ میرے پاس نسائی میں باب جمع بین الصلاتین اور ابوداؤد میں باب الوتر میں صحیح دو حدیثیں ہیں جن سے میں نے اس کو ترجیح دی۔

نداء غائب

حضرتؒ نے درس بخاری شریف ص ۵۹۳ میں حضرت عائشہؓ کے حضرت حسانؓ والے مذکورہ شعر "فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء" پر ارشاد فرمایا۔ اس سے پہلے یہ شعر ہیں "رسول اللہ ضاق بناء الفضاء۔ و جل الخطب وانقصم الاعضاء" وغیرہ اور یہ اشعار حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد کے ہیں۔ کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟ حضرتؒ نے جواب دیا کہ جائز ہے کہا کیوں؟ فرمایا کہ السلام علیک ایہا النبی بھی تو کہتے ہو۔ تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ نداء کا مقصد کیا ہے؟ عالم غیب کی چیز کے لئے نداء کہتے ہی نہیں۔ پھر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کسی دوسرے ملفوظ مبارک میں بھی ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ذکر کی ہے یعنی یہ خطاب معہود ذہنی کے لئے ہوتا ہے۔

تحریک اصلاح دارالعلوم دیوبند

فرمایا: مولوی مشیت اللہ صاحب بجنوری نے تقریباً ۲۵ سال ہوئے مجھ سے تصریح شرح چغمینی و مطول وغیرہ دہلی کے زمانہ میں پڑھی ہیں۔ ہندوستان میں ان سے زیادہ میرا کوئی مخلص نہیں ہے۔ پھر ان کے رسالہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کو مہتمم دارالعلوم نے میرے پاس رجسٹری سے بھیجا تو (جس میں نہایت نازیبا باتیں درج تھیں) مولوی مشیت اللہ صاحب نے کہا کہ آپ کو کیا پیش آیا کہ اس تحریک میں شرکت کی؟ میں نے کہا کہ بڑا فضل ہے خدا کا کہ ہمارے نفس کی اصلاح ہو گئی۔ پہلے تو صرف تعریفیں ہی سنتے تھے پھر گالیاں بھی سنیں۔

اسی ضمن میں حضرتؒ نے بڑے مہتمم صاحب (مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ) کا یہ بھی قول ذکر کیا کہ شاہ صاحب کا درس بن تھم کا ہے سارے گھنٹے تقریر کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی نظیر اس وقت نہیں ہے۔

زمانہ قیام و درس دار العلوم کے خاص حالات

پھر فرمایا۔ میں نے ۱۸ سال (قیام و درس دار العلوم) کے بعد کہا "عطا شاہ بقا تھا"

جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ دنیا دار العجائب ہے اس لئے یہاں کی کسی عجیب سے عجیب تر بات پر بس نہیں ہو سکتی وہ سب وشتم والا رسالہ اس حقیر نے بھی دیکھا ہے اور اس کی عظیم تر تلخی کام ودہن سے اتنی عظیم مدت میں بھی دور نہ ہو سکی۔ اس امت مرحومہ کے اکابر پر جو بڑی بڑی آزمائشیں گزری ہیں یہ بھی ان میں ضرور داخل ہونے کے لائق ہے اور چھوٹے مہتمم صاحب بھی بڑوں کی طرح ہمیشہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے مداحین میں رہے۔ مگر حضرتؒ کی علیحدگی پر یہاں تک کہہ دیا کہ "شاہ صاحب کو دار العلوم کی ضرورت ہے دار العلوم کو شاہ صاحب کی ضرورت نہیں" جس پر احقر نے عرض کیا تھا کہ شاید دنیا کے کسی بڑے نے اس سے زیادہ غلط اور عجیب بات نہیں کہی ہوگی۔ واللہ ولی الامور۔

فقہاء کی فروگذاشتیں

فرمایا:۔ فقہاء متون میں بہت سی جگہ نماز وغیرہ کے لئے جائز اور صحیح کا لفظ لکھ دیتے ہیں۔ اور شروح میں اس کے ساتھ ہی کراہت تحریمہ کا اضافہ ہوتا ہے جبکہ کراہت تحریمہ کے ساتھ نماز وغیرہ کی صحت اور جواز کا قول مطلقاً صحیح نہیں ہے اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے بہت جگہ اعتراض کئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو وہ فعل جو کراہت تحریمہ کے ساتھ ہو وہ کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کا یہ اطلاق بھی زیادتی ہے جس کی مثالیں بہت ہیں۔

یہ بھی واقعہ بہت مشہور کیا گیا کہ سلطان محمود غزنوی کے سامنے حنفی نماز پڑھی گئی جو بغیر تعدیل ارکان تھی اور مذموم طور سے نماز سے خروج بھی ہوا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک بھی بغیر تعدیل ارکان کے نماز واجب الاعادہ ہے تو وہ نماز ہی کیا ہوئی پھر فرمایا کہ صرف طبقات

حنفیہ میں صحت واقعات کا التزام زیادہ ہے کیونکہ وہ محدثین کی تحقیق پر لکھے گئے ہیں اور طبقات شافعیہ وغیرہ میں یہ اہتمام نہیں ہے۔ اور محمود غزنوی تو خود بھی بڑا فقیہ و عالم حنفی تھا اس لئے بھی یہ واقعہ لائق اعتماد نہیں ہے۔

(یاد آیا کہ علامہ کوثری نے بھی تقریباً ایسی ہی نقد اس واقعہ پر کیا ہے۔ جامع)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسے ہی فقہاء نے صرف قضاء کے مسائل لکھے ہیں اور دیانت کے مسائل سے صرف نظر کرلی ہے۔ یہ بھی بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے صرف دیار اسلام کے مسائل لکھے ہیں اور دیار کفر کے نہیں لکھے۔ اس لئے اب ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو دیار کفر میں رہنا نہ پڑے گا۔

یہ بھی فرمایا کہ اب ضرورت ہے کہ دیار کفر کے لئے بھی جو اسلامی احکام ہیں وہ بھی مدون کردیئے جائیں کیونکہ اسلامی احکام میں بڑا توسع ہے اس میں جہاں دیار اسلام کے لئے احکام ہیں دیار کفر کے لئے بھی ہیں۔ خاص طور سے فقہ حنفی میں یہ توسع بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے انگریز کہتے تھے کہ اسلام میں صرف فقہ حنفی ایسا وسیع فقہ ہے جس کی روشنی میں ساری دنیا میں نہایت سہولت سے حکومت کی جاسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے خاندانی حالات

۲ دسمبر ۳۲ء مجلس بعد عصر میں فرمایا۔ میرے حقیقی دادا نے چار ہزار ختم کلام اللہ کے تھے۔ میرے والد صاحب صبح ہی سے مسجد میں رہتے ہیں اور کھانے کے وقت گھر آتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ تلاوت فرماتے رہتے ہیں؟ فرمایا کہ جی ہاں تلاوت فرماتے رہتے ہیں اور مجھ سے ان کی نگاہ قوی ہے۔ روتے بہت زیادہ ہیں تائے صاحب بے حد روتے تھے۔ پھر فرمایا کہ حرف شناسی (یعنی علم ظاہری) تو ہم میں زیادہ آگئی ہے اور دین شاید تائے صاحب کے سلسلہ میں ہے۔ حرف شناسی کم رہی۔ تائے صاحب کا بیٹا اپنے والد سے بھی زیادہ عابد تھا اور پوتا اب بھی صاحب کرامات کہا جاتا ہے۔ جس مریض کو آرام نہیں ہوتا تو ان کو بلاتے ہیں اور آرام ہو جاتا ہے۔

سنتِ ولیمہ

۱۰ دسمبر ۳۲ء قبل عصر احقر نے دریافت کیا کہ کیا ولیمہ تیسرے دن مسنون ہے؟ فرمایا کہ جی ہاں میں نے کہا کہ آج نکاح ہو تو پرسوں ولیمہ ہو؟ فرمایا ہاں ہاں۔ پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ نے بہت توسیع کی ہے وہ سات دن بھی کہتے ہیں مسلسل۔ میں نے کہا کہ برابر سات دن تک کھلاتا رہے یہ تو نہیں کہ ساتویں روز کھلائے؟ فرمایا کہ جی ہاں۔

تکفیر کا اصول

بخاری ص ۱۰۲۴ (کتاب استتابۃ المرتدین) کے تحت فرمایا: بعض جاہل مولوی فقہ کی عبارت سے کہ "۹۹ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی تو تکفیر نہ کریں گے"۔ وہ یہ سمجھے ہیں کہ کسی میں ۹۹ کفر ہوں اور ایک اسلام کی چیز تو تکفیر نہ کرو حالانکہ اس کا حکم یہاں موجود ہے کہ وہ ایک وجہ ہی کفر کی ہو تو کافر ہی ہے اگرچہ ۹۹ وجہ اسلام کی بھی موجود ہوں اور مطلب عبارت فقہ کا یہ ہے کہ کوئی کلمہ کسی ایک کا نقل ہوتا ہوا پہنچا جس میں ۹۹ وجہیں اور احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا بھی ہو تو تکفیر کا حق نہیں ہے۔

پس وہاں ایک کلمہ ہے نہ کہ خود کفر ہوں ۹۹۔ اس لئے کہ کفر کی تو ایک ہی چیز ہزار اسلام کی چیزوں پر غالب ہوگی۔

میں نے بہاولپور میں کہا کہ اگر کوئی شخص بیس سال تک عبادت کرے پھر صرف ایک سجدہ کرے بت کو اور مر جائے تو اس کو کافر کہو گے یا مسلمان؟ ایسی واضح چیزوں میں الجھ کر بیٹھے ہیں جاہل مولوی۔

ایک بڑے عالم مجھ سے کہنے لگے کہ "تاویل کے ساتھ کلمۂ کفر کہے تو کافر نہیں ہوتا"۔ میں نے کہا کہ کس کتاب میں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ میں سمجھتا تھا کہ کسی کتاب کا حوالہ دیں گے تو جواب دوں گا۔

پھر میں نے کہا کہ خیالی درس کی کتاب ہے۔ اس کے آخری صفحے پر ہے کہ تاویل ضروریاتِ دین میں غیر معتبر ہے اور ماول بھی کافر ہے۔ (پوری تفصیل اکفار الملحدین میں کر دی ہے)

اشعری کی تنزیہ اور ابن تیمیہ کی تشبیہ

فرمایا:۔ اشعری جس قدر تنزیہ کرتا ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا "ان بورک من فی النار" اس لئے کہ کسی کو اشتباہ ہی نہیں ہو سکتا اور مغالطہ کی شجرہ کو یا آگ ہی کو خدا سمجھ لے اور سمجھ لے گا کہ کوئی ہمراہی ہے اور نہیں ہے۔ اشعری اس کو بھی تنزیہ کے خلاف کہے گا۔ اور وہ اسنادات نحویہ سے بھی تحاشی کرتا ہے۔ پس میں تنزیہ عقلی کو جو اشعری کرتا ہے اس کو رد نہیں کرتا بلکہ اسنادات جو آگئی ہیں ان کو درست سمجھتا ہوں اگر مغالطے میں نہ ڈالیں۔

ابن تیمیہ تو مجسمہ کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ انہوں نے ان اسنادوں کو حقیقت سے جا ملایا ہے۔

ہم نے ذات باری کو "لیس کمثلہ شیء" بھی رکھا اور اسنادات کو بھی درست رکھا۔ ابن تیمیہ نے "کنزولی ہذا" سے تشریح کر کے بدعت قائم کر دی ہے۔ اور ہم "یجی بلا تعبیر الحدیث" کو اہل سنت و عرف مستحسن خیال کرتے ہیں اور "التشبیہ بلا تعبیر" کو غیر مستحسن اسی طرح ہم بھی کرتے ہیں۔

برزخی زندگی میں ارواح مومنین کا تمتع باللذات

فرمایا:۔ امام ترمذیؒ نے تو بحالت برزخی صرف ارواح شہداء کے لئے روایت ذکر کی ہے کہ وہ جنت کی لذات حسیہ سے متمتع ہوں گے اور امام احمدؒ نے مسند میں نسمۃ المومن اور ارواح شہداء دونوں کے لئے روایات لی ہیں۔ لیکن موطا امام مالک (جامع الجنائز) میں نسمۃ المومن کی حدیث ہے جس کے موافق نسائی و ابن ماجہ کی بھی روایات ہیں۔

لہذا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مومنین کو بھی رزق جنت ملتا ہے۔

بدن مثالی کیا ہے

یہ بھی فرمایا کہ نسمۃ المومن طیر میں پرندہ سے تشبیہ ہے اور معلق کے معنی ہیں چگتا۔ اس میں تصریح ہے کہ بدن مثالی ہے اور یہی بدن مثالی کچھ کھا پی رہا ہے۔ نعیم جنت سے۔

حیات شہداء

احیاء فی قبورہم پر شبہ ہوتا ہے کہ جب ان کا بدن مثالی موجود ہے تو وہ تو بدن عادی ہی کی

طرح ہے۔ پھر کیا ندامت ہوئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جواب یہ ہے کہ بعض وہ کام بھی جو دنیا میں کرتے تھے وہاں کرسکیں گے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت کی تائید حافظ ابن کثیرؒ کی رائے سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے جمع روایات کا طریقہ پسند کر کے لکھا کہ برزخی زندگی میں مومنین کی ارواح تو خود پرندوں کی شکل میں ہو کر جنت کی سیر کریں گی وہاں کے پھل بھی کھائیں گی اور شہداء کی ارواح حوصل طیور میں سوار ہو کر جنت کی سیر اور پھلوں سے متمتع ہوں گی۔ (تفسیر الفرقانی)

پوری بحث اور اکابر امت کی آراء اوجز المسالک میں ۱۲/۵۱۳ تک میں قابل مطالعہ ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حقیقت انسان اور اس کے ساتھ تعلق روح کی بحث تو بہت ہی زیادہ طویل ہے۔ جس میں تقریباً ایک ہزار اقوال علماء کے ہیں۔)

جنت میں رضاعت بھی ہے

فرمایا۔ حدیث بخاری (ص ۳۶۱) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی دی گئی ہے۔ اس سے بھی روح و نسمہ کے لئے برزخی زندگی میں افعال کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی لئے نماز، حج، تلاوت قرآن، کھانا، پینا اور رضاعت پانچوں چیزیں برزخ کے لئے ثابت ہیں۔ اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہا۔ معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہو سکتی ہے برزخ میں اور وہاں پر روح دودھ پئے گی (حدیث میں سیدنا ابراہیم کے لئے جنت سے مراد برزخی ہے انما القبر روضہ من ریاض الجنۃ (ترمذی)

علاقہ جنت و جہنم موجود ہے

فرمایا۔ دونوں کا علاقہ پہلے سے موجود ہے اور درجات بھی اور ہر روز تخطیط بھی اور اسباب اضافہ ہوتا رہتا ہے علماء ظاہر جو عرفاء کی چیزوں سے بالکل واقف نہیں ہیں یہی کہیں گے کہ یہ قول معتزلہ کا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے۔

جنت میں دو دو بیویاں

حدیث میں ہے کہ اکثر عورتیں دوزخ میں جائیں گی۔ اس پر فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے تھے کیونکہ ایک جنتی کو دو بیویاں ملیں گی ابن آدم میں سے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو صحیح ہے کہ دو دو ملیں گی لیکن بنات آدم کی قید زیر بحث ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ قید نہیں ہے اور بخاری (ص ۴۶۱) میں لکل امرء زوجتان من الحور العین بھی وارد ہے یہاں حور عین کی قید لگی ہوئی ہے پھر ان کا استدلال کیوں کر ہوگا؟ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا یہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ذکر صدر شیرازی

فرمایا۔ باوجود تفاوت مذہب کے کہ وہ شیعی ہیں اور میں سنی ہوں ان کے محقق ہونے کا اقرار کرتا ہوں بلکہ بعض اعتبار سے حضرت شاہ ولی اللہ سے بڑھا مانتا ہوں انہوں نے کہا کہ عالم آخرت میں جہنمیوں پر مادیت اور جنتیوں پر روحانیت غالب ہو جائے گی میرے نزدیک یہ بالکل صحیح کہا ہے۔

دنیا میں جنت کے نمونے زیادہ ہیں

فرمایا۔ میری تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں جنت کے مثالیں زیادہ ہوتی ہیں بہ نسبت دوزخ کے کہ اس کے نمونے کم ہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام اکثر احوال جنت پر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ خوشبودار تھا۔ لوگ معلوم کر لیتے تھے کہ اس گلی سے گزرے ہیں اور ان کے غائط کو زمین نگل لیتی تھی اور اولیاء کے حالات بھی ایسے ہوتے ہیں۔

(جامع عرض کرتا ہے کہ دنیا میں انواع و اقسام کے پھل اور جسمانی لذات وراحتیں بھی نمونے ہیں دنیا میں جنت کے۔ حتیٰ کہ نیند بھی بڑی راحت و نعمت عظمیٰ ہے۔ جو آخرت میں کفار و مشرکین کو میسر نہ ہوگی اور جنت میں مومن جو چاہیں گے وہ سب حاصل ہوگا۔

جنتی ملوک ہوں گے

فرمایا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جنتی بادشاہ ہوں گے۔ ملک وسعت جنت بھی اسی وجہ سے ہوگی کہ دنیوی بادشاہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور ہر مومن کے لئے دس گنا دنیا کا ٹکڑا وغیرہ۔

جنوں کو بھی ثواب و عقاب ہوگا

فرمایا۔ بعض کتب حنفیہ میں ہے کہ جنوں کو ثواب و عقاب نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں امام

اعظم اور امام مالک کا مکالمہ ومناظرہ بھی نقل ہوا ہے، میرے نزدیک امام ابوحنیفہ کی مراد یہ تھی کہ وہ جنت میں تبع رہیں گے جیسے دنیا میں بھی ہماری چیزیں کھاتے ہیں اور متمدن آبادی میں ہم رہتے ہیں اور جنگل و بیابان میں وہ بسر کرتے ہیں، وہی حال ان کا جنت میں بھی ہوگا اور امام صاحب کی یہی مراد ہوگی۔ جس کو ان کی نفی سمجھ لیا گیا۔

مکھی کا ڈبونا اور رشید رضا مصری وغیرہ

فرمایا:۔ بخاری (ص ۴۶۷) وغیرہ میں حدیث ہے کہ مکھی کسی چیز میں گرے تو اس کو ڈبو دو تاکہ اس کی سمیت جاتی رہے کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق ہے اور وہ پہلے زہر والا پر ڈالتی ہے۔

علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں لکھا کہ مکھی بائیں پر کو ڈبوتی ہے (اپنا تجربہ نقل کیا ہے) میرے نزدیک گرم میں نہ ڈبونے کا مسئلہ بھی ہے اگرچہ منقول نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر نجاست پر سے اڑ کر آئی ہو تو اس وقت بھی یہ حکم نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ علامہ رشید رضا مصری نے اس کا مضحکہ اڑایا ہے اور نہایت تحقیر والا کلام کیا ہے ان کی عادت ہے کہ جب مقلدوں کے مقابلے میں آتے ہیں تو حدیث پیش کرتے ہیں اور جب حدیث آتی ہے تو تجربہ و عقل کو پیش کرتے ہیں اور جدت پسند لوگوں کی داد لیتے ہیں۔ مثلاً ابن قیم و ابن تیمیہ و ابن حزم کی طرح یہاں ابن قیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت کی ہے۔

آج کل کا حال ایسا ہے کہ قرآن سے کام نہ چلے تو حدیث پر اور حدیث سے قرآن پر جاتے ہیں اور پھر وہاں بھی کام نہ چلے تو عقل پر جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرید وجدی کا ذکر کرکے فرمایا کہ وہ تو ۲۰۰، ۳۰۰ حدیثیں لا کر سب کو رد کر دیتا ہے ابن خلدون مورخ نے امام مہدی کے آنے کی تمام روایات کا مستقل فصل میں انکار کر دیا جس سے سرسید نے بھی مہدی کا انکار کیا۔ پھر مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مہدی کو ایک کر دیا۔

توسل قولی کا ثبوت

فرمایا۔ مستقل باب بھی (بخاری ص ۵۲۹) میں ہے جس سے توسل فعلی ثابت ہوا اور توسل قولی کا

ثبوت ایک نابینا صحابی کے واقعہ سے ملتا ہے کہ انہوں نے اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ فی حاجتی ھذہ اللھم شفعہ فی بجاھہ عندک تو یہ توسل قولی بھی ہے۔

بخاری میں روایت نعیم سے

بخاری ص ۳۳۳ کے حوالہ سے فرمایا کہ یہاں بھی روایت مسانید میں موجود ہے لہٰذا تقریب وتہذیب وغیرہ کا قول درست نہیں کہ نعیم سے روایت امام بخاری نے اصول یعنی مسانید میں نہیں لی اور صرف تعلیقات میں لی ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹے آدمی سے تعلیقات تک میں روایت کون لیتا ہے پھر فرمایا کہ میں نے اور بھی متعدد جگہ نکالی ہیں جہاں مسانید میں روایت لی ہے اور امام بخاری عقائد میں ان ہی کے تبع تھے۔

کافر کے لئے تخفیف عذاب

فرمایا۔ یہ تو قطعی ہے کہ اعمال کافر معتبر نہیں سوا عبادت کے۔ باقی نجات نہ ہوگی یعنی طاعات وقربات کافر کی بھی معتبر ہیں اور عبادات غیر معتبر۔ آیت "فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا" خود دلیل ہے کہ وزن تو نہ ہوگا وہ تو ایمان ہی کے ساتھ ہوگا اور اسی کی برکت سے۔ باقی کفر مع المعاصی سے ضرور کفر مع البر خفیف ہوگا اور عذاب کی تخفیف کرائے گا۔

دوسرے وقت حضرت نے فرمایا کہ کفار کی طاعات وقربات تو معتبر ہیں لیکن عبادات غیر معتبر ہیں۔ اور اول کا نتیجہ جزائے دنیا اور تخفیف درکات نار وعذاب جہنم ہے۔

پھر احقر کے سوال پر فرق بتایا کہ عبادات میں نیت ضروری ہے جس کی صحت ایمان و عقیدہ کی صحت پر موقوف ہے۔ اور قربات میں معرفت متقرب لیے ضروری ہے طاعات میں یہ دونوں چیزیں ضروری نہیں ہیں۔ صرف مطاع کی اطاعت چاہیے خواہ بغیر نیت ومعرفت ہو کافی ہے۔ جیسے صدق وصفا صدقہ احسان صلہ رحم وغیرہ لہٰذا عبادات خاص ہیں ان کے بعد قربات کا درجہ ہے کہ وہ ان سے عام ہیں اور طاعات سب سے عام ہیں۔

حضور علیہ السلام کا سایہ

فرمایا۔ اس بارے میں کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہیں تھا کوئی حدیث میری نظر

گزری اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ آپ کا نقش قدم زمین پر ابھر آتا تھا۔

معروف و منکر کیا ہیں

فرمایا ان دونوں پر شریعت نے بیشتر امور کو دائر کیا ہے۔ تسہیلا للناس و تیسیرا لہم (یعنی لوگوں کی سہولت و آسانیوں کے لئے) کیونکہ معروف کے معنی یہ ہیں کہ جو بھلے آدمیوں کے نزدیک جانا پہچانا اور معمول بہا ہو اور منکر یہ کہ بھلے آدمیوں کے نزدیک بھلا اور متعارف یا لائق عمل نہ ہو۔

فقہ سب سے زیادہ مشکل فن ہے۔

فرمایا:۔ علوم اسلامیہ میں سے فقہ سب سے زیادہ مشکل ہے اور میں ہر علم میں اپنی رائے رکھتا ہوں سوا فقہ کے کہ اس کے اجتہادی مسائل میں تفقہ کرنا میری استطاعت و قدرت سے باہر ہے شاہ عبدالعزیز صاحب اور علامہ شامی معاصر ہیں لیکن تفقہ میں شاہ صاحب بڑھے ہوئے ہیں اور جزئیات پر حاوی شامی زیادہ ہیں اور نقل کا سامان بھی ان کے پاس زیادہ ہے۔

مسائل وقف میں موافقت بخاریؒ

فرمایا۔ امام بخاریؒ نے اکثر مسائل وقف میں حنفیہ کی موافقت کی ہے کیونکہ محمد بن المثنیٰ انصاریؒ امام بخاری کے استاذ ہیں جو امام زفرؒ کے تلمیذ رشید ہیں۔ آخر عمر تک ان کی خدمت میں رہے ہیں انہوں نے مسائل وقف میں ایک کتاب بھی لکھی تھی اور امام بخاری نے اسی سے یہ مسائل لئے ہیں یہ انصاری اسی لئے کہلائے گئے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی چھٹی پشت میں ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ انصاریؒ وقف نقد کو بھی جائز فرماتے ہیں کہ اصل رقم زکوٰۃ کو روک کر اس کی منفعت کو خرچ کیا جائے چنانچہ وہ خود بھی اس روپے سے تجارت کرتے تھے اور اس کے منافع کو مصرف خیر کرتے تھے۔

فرمایا قسطنطنیہ میں اس پر عمل بھی ہوا ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ خلیفہ عبدالحمید خان کے زمانہ میں یہ وقف نقد جاری تھا اور تین کروڑ روپیہ منافع کا حرمین کو سالانہ جایا کرتا تھا پھر یہ روشن خیال ترک پیدا ہوئے۔ (جنھوں نے دین کی ہی مخالفت کی)

وقف نقد صحیح ہے

فرمایا میں بھی ان جلیل القدر انصاری کی علمی عظمت شان کی وجہ سے جواز وقف نقد کو مانتا ہوں دوسرے اس پر عملدرآمد کریں یا نہ کریں۔ (فیض الباری ص ۴۱۲/ ج ۳ میں بھی یہ تحقیق درج ہوئی ہے مگر پوری بات نہیں ہے)

وصیت مستحب ہے محروم الارث کیلئے

فرمایا۔ ارث کی وجہ سے وصیت معطل ہو گئی ہے۔ منسوخ محض نہیں ہوئی۔ لہذا جس کو وراثت کچھ نہ مل سکے اس کے لئے وصیت کر دینا مستحب ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ محتاج بھی ہو۔

قاعدہ بابتہ شہادت

فرمایا: سوائے نکاح کے کوئی شرعی معاملہ شہادت پر موقوف نہیں ہے۔

آج کل وقف سے بہتر صدقہ ہے

فرمایا۔ شریعت نے وقف بڑی ہی مفید چیز رکھی تھی لیکن اب اس قدر برباد ہو گئی ہے کہ میرے نزدیک صدقہ ہی کر دے تو وہ بہتر ہے۔ دیوبند میں ایک شخص نے پوچھا کہ بخاری شریف کو وقف مدرسہ کر دوں یا کسی طالب علم کو دے دوں؟ میں نے کہا کہ طالب علم کو دے دو۔

شہادت باللہ یا بالطلاق

فرمایا۔ شہادت میں پیش ہونا تو ضروری ہے مگر صرف اشہد سے شہادت دینا کافی ہے اور حلف طلاق کے لئے تو مجبور کیا ہی نہیں جا سکتا۔ البتہ حلف باللہ کے لئے کہا جائے گا مگر مجبوراً اس پر بھی حاکم نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کا ذکر

فرمایا۔ مولانا موصوفؒ نے حواشی و شروح احادیث لکھی ہیں لیکن سب میں نقل ہی ہیں۔ پچھلی تاویلیں ہی نقل کر دیتے ہیں۔ باقی شفاء جس کو کہنا چاہئے کہ مسائل میں امام صاحبؒ کے مذہب کو دوسرے مذاہب کے برابر جانا جائے انصاف سے یہ بالکل نابلد ہے۔

فائدہ: جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ اس ارشاد انور سے معلوم ہوا کہ حضرت صرف [illegible] وظائف پر اکتفا کو اہم نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے خود بھی تقریباً ۳۰ سال تک احادیث و رجال کا مطالعہ فرما کر حنفی مذہب کی ترجیح و تقویت کا اتنا سامان اور مواد فراہم کر دیا کہ آپ سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی اور ایسا ہی حال علامہ کوثری کا بھی ہے کیونکہ ان کی نظر استنبول و دمشق و مصر کے نوادر مخطوطات پر بڑی گہری تھی ان دونوں کی بھی تحقیقات کے نمونے ان کی تالیفات مطبوعہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات محدثانہ ابحاث العرف الشذی انوار المحمود معارف السنن تعلیقات آثار السنن فیض الباری انوار الباری اور رسائل مطبوعہ مؤلفہ حضرت میں قابل مطالعہ ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

دیار کفر میں سکونت یا ہجرت؟

فرمایا:۔ اس بارے میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے کہ دیار اسلام کی طرف ہجرت کا حکم کیا ہے۔ قدیم کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے (شاید اس لئے کہ اس دور میں ہجرت کی ضرورت پیش نہ آئی تھی) شافعیہ کے یہاں اس کو لیا گیا ہے۔ ہمارے شاہ عبدالعزیزؒ نے بعض رسائل میں اس کو مستحب قرار دیا ہے اور یہی مختار ہے دوسرے بعض علماء نے واجب بھی کہا ہے اور بعض احادیث سے بھی استحباب ہی معلوم ہوتا ہے جن میں حدیث بریدہ ترمذی بھی ہے بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ اس عمل پر تو واجب ہی تھی اور بعض احوال میں اب بھی واجب کے درجہ میں ہو جا سکتی ہے۔ (العرف الشذی ص ۴۸۵)

قرآن مجید اور احادیث کے طریقوں میں فرق

حضرتؒ نے درس بخاری باب زکوٰۃ الابل "قولہ و یحک ان شان الهجرة شدید" کے تحت فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ہجرت مطلقاً واجب نہیں ہے اگرچہ عزیمت کے درجہ میں ضرور ہے جبکہ وہ دارالاسلام بھی ٹھکانہ کا ہو جس کی طرف ہجرت کرے گا۔ باقی قرآن مجید میں تو برابر تارک ہجرت کی مذمت کی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا طریقہ ہی یہ ہے کہ وہ جس امر کو محبوب و مستحب سمجھتا ہے اس کی برابر مدح اور تارک کی مذمت کرتا ہی رہتا ہے۔

البتہ جہاں گنجائش ہوتی ہے وہاں اس کے لئے اشارہ کرتا ہے جیسے یہ ہجرت ہے کہ اس کی عظیم مذمت کے ساتھ جواز ترک کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے۔ کہ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن الآیہ جس سے مترشح ہوا کہ مومن کو دیار کفر میں سکونت کا جواز ہے۔ اس طرح اگرچہ مقصد تو ذکر کفارہ کا تھا مگر اشارۃً جواز قیام دارالحرب کا بھی نکل آیا ہے لیکن حدیث نبوی کا طریقہ دوسرا ہے کہ اس میں جواز کے درجہ میں آنے والے احکام کی صراحت بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ مرغوب و مستحسن بھی نہ ہو۔ (فیض الباری ص ۲/۲۹)

اس کے بعد میں اپنی بیاض درس بخاری شریف سے بھی حضرت کے چند جملے نقل کرتا ہوں تاکہ اس اہم ترین مسئلہ پر مزید روشنی پڑ جائے۔

قولہ علیہ السلام او جلس فی ارضہ التی ولد فیہا (بخاری ص ۳۹۱ باب الجہاد) فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دارالحرب سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔

قولہ علیہ السلام ویحک الخ پر فرمایا۔ اگر دارالاسلام کہیں ٹھکانہ کا ہو تو ہجرت عزیمت تو ہر وقت ہی ہے لیکن ہجرت فرض و واجب نہیں ہے۔ ہم نے تو کابل کی ہجرت کو بھی پسند نہ کیا تھا۔

قرآن مجید نے ترک ہجرت کو مذمت کے بغیر نہیں چھوڑا کیونکہ جس امر کی قرآن مجید تجویز کرتا ہے اس پر اصرار ہی کرتا ہے۔ بخلاف حدیث کے کہ اس میں دوسری چیز بھی ملے گی۔

میں نے احادیث اور قولہ تعالیٰ فان کان من قوم عدو لکم سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے پس تجویز کے موقع پر تو تجویز ہی رہے گی کلام سے کہیں جواز ترک بھی نکل آئے۔ جیسے یہاں بطور لزوم کفارہ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ حدیث مراتب کو کھولتی ہے۔

فائدہ: دیار کفر کے احکام

دنیا میں اس وقت دیار کفر کی تعداد دو تہائی سے زائد ہے اور مسلمان وہاں بھی سب جگہ بطور اقلیت کے بستے ہیں جبکہ دیار اسلام کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم ہے اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دیار اسلام شرعاً وہ ہیں جہاں اسلامی حکومت و شوکت ہے اور دیار کفر وہ جہاں کفر کی حکومت و شوکت ہے۔

ہندوستان کے حالات و احکام

ہندوستان اسلامی دور کے بعد برٹش راج میں دار الکفر کے حکم میں ہو گیا تھا اور آزادی کے بعد بھی شرعاً اس کا وہی حکم ہے اگرچہ سیکولر حکومت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے خطبہ صدارت پشاور میں متوقع دورِ آزادی کے لئے شرعِ اسلامی کے تحت یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ معاہداتی سیاست کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ ہم دلوں کی صفائی کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی و سیاسی حقوق کا احترام کریں۔ جس سے کبھی بھی باہمی جنگ و جدال اور فسادات کی نوبت نہ آئے۔

خاص طور پر حنفی مذہب میں بہت زیادہ توسعات ہیں جن میں معاملات کے لئے دیار کفر کے احکام الگ ہیں جبکہ دوسرے فقہی مذاہب میں سارے احکام یکساں ہیں۔ اور دیار کفر و دیار اسلام میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں بھی ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے گرامی واضح کر چکے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے افادات

انوار الباری جلد ۱۶ میں ہم مفصل بحث احکام دار الحرب کی لکھ چکے ہیں اور حضرت تھانویؒ نے بھی آخر میں حضرت امام اعظمؒ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے خود اپنا عمل بھی اسی کے مطابق کر لیا تھا اور حضرت تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آئندہ جب آزادی کا دور آئے تو یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جنگ و جدال کے بجائے صرف قانونی چارہ جوئی کا طریقہ ہی اختیار کرنا بہتر ہوگا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگرچہ پورا انصاف تو انگریزوں کے دور میں بھی نہیں ملا مگر آزادی کے بعد اس کی بھی توقع نہیں ہے۔ (وقد صدق و شدد)

نزاعی امور میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اپنے خطبہ صدارت میں یہ تک فرما دیا تھا کہ اگر یہاں کے باشندے باہم صدقِ دل سے معاہداتی سیاست اپنائیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں تو ایسی حالت میں یہاں کے مسلمان یہ بھی پسند کریں گے اور نہ

شرعاً اس کا جواز ہوگا کہ کوئی بیرونی اسلامی حکومت آ کر یہاں حکومت کرے چونکہ آئندہ دور جمہوریت، قومیت و وطنیت کا آنے والا تھا۔ اس لئے بھی حضرتؒ کا یہ فیصلہ بڑی دور اندیشی پر مبنی تھا۔ واللہ ولی الامور۔

پھر ایسے بڑے اور اہم فیصلے کا حق بھی صرف حضرتؒ ہی کو حاصل تھا جو علم میں بحر ناساحل اور عمل میں نمونۂ سلف تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ضروری تنبیہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دیارِ کفر کے الگ احکام صرف حنفی مذہب میں ہیں اس لئے یہاں دوسرے فقہی مذاہب یا حنبلی و غیر مقلدین کے مذاہب کے نقطۂ نظر شائع کرنا بے محل ہے جیسا کہ حال میں "نقیب" کے اندر شیخ ابن باز کا مضمون شائع ہوا ہے۔

فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کی کثرت

حضرتؒ نے فرمایا: فتنہ آزمائش و ابتلا کو کہتے ہیں جس سے مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے بکثرت آئیں گے اس سے میں یہ سمجھا کہ پہلی امتوں کا تو معاصی اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور عذاب کے استیصال اور خاتمہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اس امت محمدیہ کا چونکہ بقا مقدر تھا اور فاجر و فاسق بندوں کو صالح و مطیع بندوں سے ممتاز کرنا بھی تھا۔ اسی لئے ان میں فتنے مقدر کئے گئے جن کے ذریعے سے تمیز ہوتی رہے گی۔ خاص طور سے قرب قیامت میں کثرتِ معاصی کی وجہ سے فتنوں کی اور بھی زیادہ کثرت ہوگی۔

ترمذی شریف کے باب اشراط الساعۃ (علامات قیامت) میں بہت سے بڑے معاصی و رذائل کی وجہ سے بہت سی بلاؤں میں مبتلا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اشراط جمع شرط کی ہے اور شرط کی جمع شروط آتی ہے۔

فائدہ: ترمذی شریف کے باب مذکور میں خاص طور سے پندرہ معاصی کا ذکر آیا ہے کہ جب میری امت ان کا ارتکاب کرے گی تو اس پر طرح طرح کی بلاؤں کا نزول ہوگا۔

دو یہ ہیں۔ (۱) مال غنیمت کو حلال سمجھیں گے۔ (۲) امانت میں خیانت کریں گے (۳) زکوٰۃ کو بوجھ سمجھیں گے۔ (۴) مرد بیویوں کی اطاعت کریں گے۔ (۵) اپنی ماؤں کی نافرمانی کریں گے۔ (۶) اپنے دوستوں سے تعلق بڑھائیں گے اور باپ سے گھٹائیں گے۔ (۷) مساجد میں شور وشغب کریں گے۔ (۹) فاسق وفاجر لوگ سردار قوم ہوں گے۔ (۱۰) ان کے شر سے بچنے کے لئے ان کی عزت کی جائے گی۔ (۱۱) شراب پینے والوں کی کثرت ہو جائے گی۔ (۱۲) مرد ریشمی کپڑے پہنیں گے۔ (۱۳) باجوں (۱۳) گانوں وغیرہ کا رواج زیادہ ہوگا (۱۵) پہلے بزرگوں کی تحقیر وتذلیل کی جائے گی۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ علم دین کو دنیا کے لئے حاصل کیا جائے گا۔

جب ایسے حالات ہوں تو سرخ ہو۔ (جس کی وجہ سے بلائیں اور بیماریاں ظاہر ہوں گی اور زلزلے وغیرہ پے در پے آئیں گے تا کہ لوگ ان معاصی اور برائیوں سے بچیں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ وانابت کے لئے متوجہ ہوں)

مقبور کے لئے عذاب قبر پر اعتراض وجواب

فرمایا:۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم تو قبر کو اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنی ہوتی ہے۔ اس کا جواب ہمارا خواب ہے کہ ہم اپنے آپ کو عالی شان مکانوں اور محلات کی سیر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں چلتے پھرتے ہیں سیرگاہوں میں تفریح کرتے ہوئے دیکھتے ہیں حالانکہ ایک ہی جگہ سوتے ہوئے ہوتے ہیں۔

فرمایا:۔ فلسفہ جدیدہ نے ثابت کیا ہے کہ مقدار (کم متصل) اور وزن کا کوئی حقیقی واصلی وجود نہیں ہے۔ مقدار کا تو یہ حال ہے کہ خوردبین سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزیں بہت بڑی اور سینکڑوں گنا معلوم ہوتی ہیں پس آنکھوں کا فرق ہے ممکن ہے کہ عالم برزخ کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ سکیں جو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ قال تعالیٰ "**فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید**" وغیرہ

وزن جس قدر خط استواء سے کوئی چیز قریب ہوتی جاتی ہے کم ہوتا جاتا ہے کیونکہ جدید قطب شمالی وجنوبی جو پچاس سال کی تحقیقات میں دریافت ہوئے ہیں ان میں قوت

حصہ طبعی بدرجہ کمال پائی جاتی ہے اور جو چیز جس قدر اس سے قریب ہوتی ہے اس کا وزن بھاری ہوتا ہے کشش کی وجہ سے۔

اس طرح ہر جگہ کے اوزان میں تفاوت ثابت کیا گیا ہے اور وزن و مقدار کو بلحاظ مشاہدہ ایک اعتباری چیز قرار دیا گیا ہے۔

تقدیر نہایت بدیہی مسئلہ ہے

فرمایا: ہم تمام افعال خود اپنے اختیار سے کرتے ہیں مگر اختیار ہم کو جبراً سونپ دیا گیا ہے۔ پھر بندہ کو وہ افعال کا کاسب اسی لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مباشر فعل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو خالق افعال اس لئے کہا جاتا ہے کہ اختیار کا استناد اس کی طرف ہے۔ رہا یہ کہ ہم ہی کو اختیار بالاستقلال کیوں نہ عطا فرمایا تو یہ محال ہے کہ ممکن مستقل بالاختیار ہو پھر اعمال پر ثواب و عقاب کا ترتب بسبب تسبب ہے کہ ہمارے یہی اعمال نعیم جنت یا عذاب دوزخ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جیسے صفراء و سوداء مرض بن جاتا ہے اور غذا فاسد ہو کر بیماری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

”الاسلام یعلو ولا یعلٰی“

بخاری شریف (ص ۱/۱۸۰) کے اس ارشاد کو باعتبار تکوین لیا جائے تو اس لئے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک مشرق سے مغرب تک حکومت کی ہے۔ حالانکہ اس قدر عرصہ تک شروع دنیا سے اب تک کسی نے بھی حکومت نہیں کی ہے اور پھر حکومت بھی ایسی دبدبہ کی کہ تمام حکومتیں ان کے سامنے ہیچ تھیں۔ انگلستان کا بادشاہ تو بادشاہ اسلام کو براہ راست خط نہیں لکھ سکتا تھا جو خط لکھتا تو وزیر کو لکھا کرتا تھا۔ اور باعتبار تشریع کے ظاہر ہے۔ لوگوں نے بجائے اس کے الحق یعلو ولا یعلٰی گھڑ لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے اور اکثر حق کے مقابلہ میں باطل ہی کامیاب دیکھا ہے۔ اسی طرح کفر ہمیشہ زیادہ رہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد بھی بالنسبت بہت کم رہی ہے۔

فوٹو اور تصویر میں فرق

احقر نے فوٹو کے متعلق دریافت کیا کہ بعض علماء فوٹو اور تصویر میں فرق کرتے ہیں اور اول کو عند الشرع جائز اور دوم کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو فرمایا کہ یہ ان کا مسئلہ غلط ہے۔ فوٹو اور تصویر کا حکم واحد ہے باقی ضرورت کے مواقع کا استثناء امر آخر ہے۔ (اسی طرح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی فرمایا) ۱۱ اکتوبر ۳۱ء

واجب کا درجہ

فرمایا: فخر الاسلام بزدوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ واجب کے معنی ایسے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کام کو جا رہا ہو اور دوسرا شخص اس کو اپنا بوجھ دیدے کہ ہمارے گھر پہنچا دینا تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ یہ چیز سر پڑ گئی۔ اسی طرح واجبات ہیں کہ فرض تو تھے نہیں یہ بھی حالانکہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں۔ سر پڑ گئے۔

احتساب و نیت میں فرق

فرمایا۔ فرق یہ ہے کہ نیت کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اور احتساب میں صرف نیک نیت ہی ہوتی ہے اور احتساب کے معنی باصطلاح حدیث یہ ہیں کہ ایک فعل کو نفس حقیر اور سہل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تو حدیث میں تاکید ہوتی ہے کہ توجہ کریں یا کوئی فعل بظاہر دشوار سمجھا جاتا ہے اور ہوتا ہے ثواب کا تو ترغیب دی جاتی ہے۔ چونکہ احتساب یا کوئی فعل بطور عادت کیا جاتا ہو تو لفظ احتساب سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ نیت ثواب کر لیا کریں۔ وغیرہ۔

کفار مخاطب بالفروع ہیں

فرمایا۔ حنفیہ کے اس میں تین قول ہیں۔ (۱) مخاطب ہیں اداءً لا اعتقاداً (۲) مخاطب ہیں۔ اعتقاداً لا اداءً (۳) مخاطب ہیں اداءً واعتقاداً۔ کما ذکرہ البحر اور میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ یہ قول دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق ہے امام شافعی و مالک و احمد کے۔

مشتبہات سے مراد کیا ہے؟

فرمایا: حق تعالیٰ کے متعلق جو اعضاء انسانی وغیرہ کا ذکر ہے (یعنی متشابہات) وہ بہ اصطلاح بخاری نعوت کہلاتے ہیں اور نعت کے معنی بیان حلیہ کے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کا نام حقائق الٰہیہ لکھا ہے لیکن سب سے بہتر اور چست نام امام بخاری کا ہے کیونکہ صفات الٰہیہ لاعین ولا غیر اور زائد ہوتی ہیں ذات باری پر (جل ذکرہ) اور نعوت عین ذات ہوتی ہیں اور زائد نہیں ہوتیں جیسے حلیہ متعلق ذات ہوتا ہے نہ کہ زائد علی الذات۔

متشابہات قرآن مجید کا اعلیٰ حصہ ہیں

فرمایا: حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ قرآن مجید میں سے اعلیٰ حصہ متشابہات ہی ہیں۔ (اور وہ صفات میں ہوتی ہیں نہ کہ احکام میں) شاہ عبدالعزیزؒ نے کشف ساق میں جس قدر لکھا ہے وہ تمام متشابہات کے لئے کافی ووافی ہے۔

داڑھی کی مقدار؟ اور طبی فائدہ

احقر نے داڑھی کی تحدید یکمشت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ کے اثر سے ثابت ہے اور امام مالک کے نزدیک تحدید نہیں ہے بلکہ عرف پر ہے۔

پھر ۱۲ اکتوبر ۳۱ء کو احقر نے بموجودگی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ یہ دریافت کیا کہ یکمشت سے داڑھی کم رکھنے یعنی کتروانے میں اور منڈوانے میں گناہ برابر ہے یا تشکیک ہے؟ فرمایا کہ منڈانے میں کتروانے سے زیادہ گناہ ہے البتہ اگر جڑ سے کتروائے تو منڈانے کے ہی برابر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ مالکی حج کرنے آتے ہیں جن کی داڑھیاں خسخسی یا منڈی ہوئی ہوتی ہیں اسی طرح مغرب کے شافعی حجاج آتے ہیں جن کی داڑھی منڈیاں ہوتی ہیں اس قدر عمل شریعت و دین پر رہ گیا ہے۔ حنفیہ حجاج کے گھنی داڑھیاں ہوتی ہیں۔

فائدہ: احقر بہ حیثیت طبیب کے عرض کرتا ہے کہ داڑھی منڈانا طبی نقطہ نظر سے رجولیت (مردانہ قوت) کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ جبکہ موئے زہار کے لئے استرے کا استعمال نہایت درجہ مفید ہے۔ (بجنوری)

مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حقوق ہیں

فرمایا۔ وہ حقوق منتشر ہیں منضبط نہیں اور ایسے زائد صدقات کا لینا بعض کا ترغیباً اور بعض کا تاکیداً زمانۂ صحابہ میں بھی ثابت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ذاتی حالات خود ان کی زبانی

فرمایا۔ میں بارادۂ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا۔ اور دیوبند ۸ سال رہا۔ جن میں سے ۵ سال دارالعلوم سے کوئی وظیفہ بھی نہیں لیا۔ پھر نکاح ہوا۔ صرف اپنے بزرگوں کے ساتھ رہ کر علم پڑھا تھا۔ نہ دنیا پیش نظر تھی اور تدین ہی کے لئے خالص نیت تھی۔

ایک روز فرمایا کہ میں صرف حرمین شریفین گیا ہوں مصر وغیرہ تک نہیں گیا۔ عربی بولنے میں مجھ سے وہاں کے سارے لوگ پیچھے تھے الا بغداد کے ایک عالم جو جہاز میں میرے ہمراہ تھے مگر وہ بھی تکلف کرتے تھے اور صاحب رسالہ حمیدیہ کہ وہ میرے ہمراہ ایک دو روز رہے اور سوچ سوچ کر تکلفاً میری باتوں کا تھوڑا بہت جواب دیتے تھے۔

ایک دفعہ ہمارے سامنے یوں فرمایا کہ میں عرب گیا تو مجھ سے کوئی صاف اور بے تکلف عربی بولنے والا نہ ملا۔ صاحب رسالہ حمیدیہ البتہ مجھ سے اچھی طرح عربی بول لیتے تھے۔ لیکن میرے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی تکلف کرنا پڑتا ہے تب بولتے ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کی وجہ حضرتؒ کے مقابلہ میں دوسرے علماء عصر کے علم کی کمی تھی۔ کیونکہ حضرتؒ بحر العلوم تھے۔ یہی حال ہم نے بزمانۂ قیام مصر علامہ کوثریؒ کا بھی دیکھا کہ وہ علماء ازہر کے مقابلہ میں بڑی روانی کے ساتھ اور عمدہ فصیح و بلیغ عربی میں بے تکان بولتے تھے، اور وہ لوگ کم علمی کی وجہ سے قاصر رہتے تھے اور ہم دونوں کا علم تو ان دونوں اکابر کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر علمی مطالعہ کی وجہ سے علماء حرمین و مصر کے ساتھ بے تکلف علمی مذاکرات کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ہمارا خیال ہے کہ صرف ادبی عربی زبان کی مہارت اور تقریر و تحریر بغیر وسعت مطالعہ کے بے سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرمایا میں نے دیوبند میں صرف چار کتابیں پڑھی ہیں ہدایہ اخیرین (تا کتاب الکفالہ)

بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور مولانا محمد اسحاق صاحب سے مسلم شریف، ابن ماجہ، موطأ امام مالک کشمیر میں پڑھی ہیں۔

تائید مذہب حنفی کے لئے سعی مشکور

فرمایا: میں نے حنفیہ کے لئے اس قدر سامان جمع کیا ہے کہ آج تک مجموعی طور سے بھی تمام مصنفین احناف سے نہیں ہو سکا ہے، لیکن افسوس ہے کہ میری یادداشتوں کو صاف اور منقح کرنے کے لئے کوئی صاحب سواد نہیں فراہم ہو سکا ہے۔

(آخر میں حضرتؒ بھی احقر سے مطمئن ہو گئے تھے اور فرمایا تھا کہ "یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو ہم بڑا کام کر لیتے" افسوس ہے کہ دیوبند کے بعد احقر کے تین سال [illegible] میں ضائع ہو گئے۔ ورنہ ممکن تھا کہ اتنی مدت اور حضرت کی خدمت اقدس میں رہ کر آپ کی مزید خوشنودی حاصل کر کے اس کو ذخیرہ آخرت بنا سکتا۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد)

فقہ حنفی اور حدیث

فرمایا: حنفیہ کی اکثر جزئیات احادیث کے ماتحت نکلیں گی۔ بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں۔ امام ابی حنیفہ کا مذہب تو [illegible] روشن ہے۔

علم کی خامی و پختگی

فرمایا: جس کا علم کچا ہوتا ہے اسی کو قواعد بازی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ جس عالم کے سامنے نصوص کی ذخیرہ اور جزئیات کا ڈھیر ہوتا ہے وہ قواعد کی حقیقت کچھ نہیں سمجھتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر اور وسعت مطالعہ

فرمایا: میرا مطالعہ و نظر بہت سے شراح حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجرؒ سے بھی تتبع طرق و اسانید میں تو کم نہیں، معانی حدیث میں زیادہ ہی کلام کرتا ہوں۔ پس جن پر کلام کرتا ہوں ان سے زیادہ واقف ہوں۔

حافظ کے حوالوں میں غلطیاں

پھر فرمایا کہ حافظ سے بھی حوالے وغیرہ بہت غلط ہوئے ہیں۔ میرے بھی غلط ہوں گے اور حافظ

وہ بعض قیود حدیث کی محفوظ نہیں رہیں اور میں ان ہی قیود سے جواب دہی کرتا ہوں۔

جتنے محدثین کا مجموعہ بھی نہیں ہے اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا یوں ہی بڑے نہیں ہیں اور حقائق و معارف میں شیخ اکبر کے سوا سب سے زیادہ واضح کر سکتا ہوں ان سے بھی کہہ دیتا مگر ان میں کمی ہے وہ نصوص سے نہیں ثابت کرتے اور میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔

رواۃ بخاری کی غلطیاں

فرمایا۔ میں بھی اگر چاہتا تو بخاری کے رواۃ کی غلطیاں سو کے قریب جمع کر دیتا مگر افسوس ہے کہ اس پر میں نے کوئی یادداشت جمع نہ کی۔ صرف یہی جمع ہو جاتا کہ ایک راوی کئی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے ورنہ میں کسی کو بتلا بھی دیتا ہوں اور یہ بھی کہ کوئی چیز کہاں نکلی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

مساجد رسول اللہ بطور یادگار

فرمایا۔ کتب سیر سے یہ ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے جہاں چند روز قیام فرمایا غزوات وغیرہ میں جیسے احزاب میں قریب چودہ روز کے محاصرہ میں مقیم رہے تو ایک جگہ پتھروں کی چہار دیواری بنا دیتے تھے اور اندر فرش ہموار کر دیتے تھے۔ جس میں نماز ہوتی تھی اور اس کو مسجد نبوی کہتے تھے۔

سیر والوں نے بھی ان کو مسجد رسول اللہ کہا ہے تاکہ بعد والے یادگار سمجھیں یہ نہیں کہ وہ شرعی مساجد ہو گئیں تاکہ ان کے احکام مرتب ہوں۔

صلوٰۃ علیٰ غیر النبی کا جواز

فرمایا۔ اس کا جواب کتاب اللہ و حدیث سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ وصل علیهم بس عدم جواز محض اس لئے ہے کہ عرفاً انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص بولا جانے لگا ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے عدم جواز کی۔ اور مذاہب اربعہ سب ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق کراچی سے ایک شخص نے دیوبند استفتاء بھیجا تھا کہ ان پر ان کے مرید درود بھیجتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ تو میں نے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا

تھا اور اسی وقت سے انہوں نے ہم پر فتویٰ تکفیر لگا دیا ہے۔

اظہار لاعلمی وجہ اہانت

فرمایا۔ میں جس چیز میں تشفی نہیں پاتا یا کسی بات کو نہیں جانتا تو ہزاروں میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ لیکن آج کل عموماً اس کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

وقف و ارصاد میں فرق

ارصاد وہ ہے کہ سلطان جو چیزیں رفاہ عام کے لئے رکھتے ہیں (اس کا ذکر مبسوطات میں ہے متون میں نہیں ہے) اور حنفیہ کے نزدیک منقولات کا وقف بھی جائز ہے بشرطیکہ متعارف ہو۔

سامان جہاد تیار کرنا

فرمایا۔ جنگ بدر میں صرف تین گھوڑے ساتھ تھے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں مدینے سے تین منزل پر چالیس ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی بھیجے جاتے تھے۔ آج ہم یورپ کے جنگی ساز و سامان پر حیرت کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے اس قسم کے گذشتہ انتظامات سے بے خبر ہوتے ہیں اور آج کل بھی گو زمانہ بدل گیا ہے لیکن عرب کا گھوڑا دنیا کا بہترین گھوڑا مانا جاتا ہے اور عربی اصیل گھوڑا تیس تیس ہزار میں بکتا ہے۔

حضرت عمرؓ جہاد کے گھوڑوں پر "وقف فی" کا ٹھپہ لگوا دیا کرتے تھے۔

زیادہ اور کم خوراکی

ایک شخص کا واقعہ سنا جو ۱۲۵ سال اور روزانہ ڈھائی سیر گوشت کھایا کرتا تھا اور بظاہر جسم و جثہ سے اوروں کی طرح تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ میں نے صرف تین شخصوں کو دیکھا ہے جو لذائذ دنیا سے بے نیاز ہو کر گزر کرتے تھے۔ [illegible] ورنہ یہ کھانوں پر بڑی [illegible] دیکھی۔

نمبر ۱:۔ حضرت مولانا شیخ الہند سوا یا ڈیڑھ چپاتی کھاتے تھے اور بہت زیادہ سادہ و بے مزہ سالن کھاتے تھے اور مہمانوں کے لئے جب کچھ تکلف ہوتا اس وقت بھی مکلف کھانا دکھانے کو کچھ کھا لیتے تھے مگر تقلیل رغبت فرماتے تھے۔

نمبر ۲:۔ مولانا محمد اسحاق صاحب صبح کے وقت چائے پیا کرتے تھے میں بھی صبح غلس ہی میں پہنچ جایا کرتا تھا لیکن مجھے چائے پینے کے لئے کبھی نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے بھی نصف پیالی دیدی جو بغیر دودھ کے بالکل کڑوی بدمزہ نمکین تھی۔ میں نے اس کو بدمزہ ہونے کی وجہ سے مشکل سے پیا۔

نمبر ۳:۔ مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری جیسا بھی کھانا سامنے آجاتا کھالیتے تھے۔ کبھی نہ کوئی عیب نکالتے تھے اور نہ لذیذ کھانوں کی فرمائش کرتے تھے۔

درحقیقت کسی کی بھی عادت بچپن سے پڑجاتی ہے وہی آخر تک رہتی ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا تھا کہ وزیر ایران وزیر جاپان کے پاس گیا اور وہاں کا کھانا پسند نہ آنے کی شکایت کی۔ میں نے کہا کہ وزیر تو ہوگیا مگر اتنی بات نہ سمجھا کہ کھانوں کا اچھا برا ہونا اپنی عادت کے موافق ہوتا ہے۔

ادائے زکوٰۃ کی قیود

مولانا کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے دو مرتبہ اس بارے میں گفتگو کی کہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں جو قیود عندالحنفیہ ہیں وہ بربنائے مصالح اٹھادینی چاہئیں تاکہ مدارس و مساجد وغیرہ میں صرف کی جاسکے میں نے کہا کہ یہی کرنا ہے تو بخاری کا مذہب لے لو۔

نیز تفریق بین الزوجین کے مسئلہ میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ امام مالک کا مذہب ہے کہ زوج نفقہ نہ دے سکے تو تفریق کردی جائے۔ پھر ماخذ پوچھا تو میں نے کہا کہ فلاں آیت سے امام مالک یہ مراد لیتے ہیں اور دوسرے ائمہ خاص۔

امام اعظم سے روایت مرجوحہ

فرمایا:۔ اگر امام صاحب کی کوئی روایت مجھ کو مل جاتی ہے خواہ وہ مرجوح ہی ہو تو میں اس کو لے کر حدیث کا جواب دے دیا کرتا ہوں۔

سنن بیہقی قلمی زیادہ صحیح ہے

فتح الباری میں ایک مقام پر حافظ نے بیہقی کے حوالے دیئے ہیں جو حنفیہ کے خلاف ہیں۔ میں نے تقریباً ۱۲ سال ہوئے ہیں مولانا گنگوہی کے یہاں قلمی بیہقی دیکھی تھی۔ (جواب بھی موجود ہے) اس میں حنفیہ کے موافق پایا۔ اب طبع بھی ہوگئی ہے۔ لیکن اس میں حافظ کے موافق درج ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ نسخہ بھی غلطی ہوگا جو حافظ کے پیشِ نظر تھا اب تو حافظ کو مدد نہیں پہنچی ہے میں نے اب ۲۱ سال کے بعد اس کے قرائن بھی لکھنے شروع کئے ہیں کہ کمی گئی ہے۔

عورت کا کشف وجہ غیر

درس بخاری شریف قصہ فضل بن عباسؓ (ص ۲۰۵) کے تحت حضرت کے استفسار پر فرمایا عورت کا اجنبی مرد کے سامنے کشف وجہ وکفین وقدم جائز ہے بشرطیکہ امن ہو اور اسی طرح اگر امن ہو تو عورت کو بھی اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔

حجۃ الوداع میں تعداد صحابہؓ

فرمایا۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوئے تھے ستر ہزار اور بروایت ابی زرعہ (امام حدیث) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ شریک ہوئے تھے اور جس قدر بھی مسلمان ہو چکے تھے سب ہی شریک ہوئے ہیں۔

اناج پر بیٹھنا جائز ہے

فرمایا۔ فتح الباری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اسی اونٹ پر سوار ہوئے تھے جس پر زاد تھا۔ لہٰذا میں نے مسئلہ نکالا کہ اناج پر بیٹھنا جائز ہے۔

واجب کا درجہ سب کے یہاں ہے

فرمایا مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں واجب نہیں ہے لیکن فقہ مالکی میں ہے کہ جماعت فرض عین ہے مگر شرط صحت نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو حنفیہ کا واجب ہی ہوا اور حنفیہ سے بھی تصریح ہے کہ واجب عملاً فرض ہے گو اعتقاداً فرض جیسا نہیں ہے۔

بعض الناس سے مراد

فرمایا۔ بخاری شریف میں لفظ بعض الناس ۲۲ جگہ آیا ہے اکثر امام اعظمؒ مراد ہوتے ہیں اور کہیں کہیں امام شافعیؒ اور ایک دو جگہ امام محمدؒ اور ایک جگہ امام زفرؒ اور کہیں بعض الناس سے مقصود رد بھی قبول بھی اور کسی جگہ توقف اور بعض جگہ محض نقل مذہب ہوا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قران کیا ہے

فرمایا: امام مالک وشافعی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھا اور اس سے پہلے متمتع تھے۔ کیونکہ حدیث میں ولم یحل من اجل بدنۃ وارد ہوا ہے (بخاری ص ۲۰۹/۱

حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ عدم حلت عن الاحرام بوجہ قران وسوق ہدی ہر دو ہوگا۔

نیز بخاری ص ۲۱۰/۱ میں تصریح ہے "وسمعتهم یصرخون بهما جمیعا" یہ بھی قرآن پر دال ہے۔

دوسرے وقت فرمایا: حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں قرآن کیا ہے اس کے لئے میری ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ ہدی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے اور وہ قارن تھے۔

ہدی کے سو اونٹ تھے جن میں سے (احادیث کی جمع سے میرا استنباط ہے کہ) ۶۳ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ذبح فرمائے گویا آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ تھا اور حضرت علیؓ کی عمر ۳۲ سال کی تھی لہذا ۳۲ انہوں نے ذبح فرمائے اور باقی پانچ کو دوسرے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح فرمایا ہے اور اسی لئے حدیث بخاری وغیرہ میں لفظ بدنات آیا ہے جو کہ جمع قلت ہے اور اس کا محمل ہمارے نزدیک یہی پانچ اونٹ ہیں۔

تلبیہ وطواف کی اہمیت

فرمایا: حج میں اصل وظیفہ حاجی کا تلبیہ ہی ہے۔ باقی صلوٰۃ علی النبی و دیگر اذکار بھی ممنوع نہیں ہیں اور افضل عبادات حج کے زمانہ میں طواف کعبہ ہے کما صرح بہ الفقہاء۔

بہائم اور عظمت انبیاء علیہم السلام

فرمایا: بہائم انبیاء کی کس قدر عظمت کرتے ہیں اور کس قدر پہچانتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اونٹوں کو ذبح فرمانے لگے تو وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے کہ پہلے ہمیں ذبح فرمائیں۔

موت کے لئے پیر کا دن افضل ہے

فرمایا۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا ارشاد ہے کہ موت کے لئے پیر کا دن جمعہ سے افضل ہے اور پیر کے روز ہی ۶۳ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات ہوئی ہے۔

قبور روضہ نبویہ

فرمایا۔ قبلہ مدینہ منورہ میں جنوب کی طرف ہے اور قبریں اس طرح ہیں (جنوب، مشرق، مغرب، شمال) اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے پھر حضرت ابو بکرؓ کا اور پھر حضرت عمرؓ کا۔

ذکر علامہ ابن تیمیہؒ کا

فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ ابن تیمیہؒ پہاڑ ہیں علم کے مگر کتاب سیبویہ کو اچھی نہ سمجھے ہوں گے کیونکہ عربیت پختہ نہیں ہے۔ فلسفہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ کہا تو جاننے والے ہوں گے مگر ناقل ہیں۔ حاذق نہیں ہیں۔

معقولات کا ماہر رکھنے والا کوئی ان جیسا کم ہوا ہے اور مطالعہ بھی بہت زیادہ ہے مگر باوجود اس کے کسی بات کو اختیار کر لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاذق نہ تھے۔ بہت سی جگہ غلطیاں نکالی ہیں اور میرا خیال ہے کہ خود ان کو غلط سمجھے ہوں گے۔

عام خاص سے راجح ہے

فرمایا۔ عام کا عموم اگر سلف میں زیر عمل رہ چکا ہو تو وہ خاص سے راجح ہے ورنہ خاص راجح ہے اور عام کو خاص پر محمول کر لیا گیا ہے (ابو بکر جصاص) لہٰذا معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں حسب قاعدہ مطلقاً عام مقدم (راجح) نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

سید کے لئے زکوٰۃ

فرمایا۔ میرے نزدیک سید کو زکوٰۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے۔ امام رازی، طحاوی بروایت امام ابی حنیفہؒ قائل جواز ہوئے ہیں اور امام رازی کو اتنی فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے میں جواز کا فتویٰ دے دیتا ہوں۔

رجوع فی الہبہ کی تحقیق

فرمایا رجوع فی الہبہ گو موانع سبعہ موجود نہ ہوں تب بھی بغیر قضاء قاضی یا بغیر رضاء موہوب لہ کے صحیح نہیں ہے اور بصورت عدم موانع سبعہ و تحقق قضاء قاضی یا تراضی بھی قضاء صحیح ہوتا ہے مگر دیانۃً پھر بھی عند بعض الحنفیہ مکروہ تحریمی ہے جس کو حنفیہ ناجائز کہتے ہیں اور بعض حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ (درمختار مع شامی جلد ۴)

پھر فرمایا کہ یہ شرط تحقق قضاء و تراضی شامی وغیرہ میں نہیں لکھیں۔ بلکہ متن کنز میں ہیں۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے دیوبند میں ایک بار اسی مسئلہ رجوع فی الہبہ میں جواز کا فتویٰ دیا اور میرے پاس تصدیق کے لئے آیا تو میں نے عرض کیا کہ مسئلہ غلط ہے کیونکہ قضاء قاضی یا تراضی کا بھی ہونا ضروری ہے علاوہ موانع سبعہ کے ارتفاع کے۔ حضرت مفتی صاحب نے فتویٰ واپس لے لیا لیکن اگلے روز لکھا کر بھیجا کہ تمام شامی دیکھی گئی ہیں ان شروط کا ذکر نہیں ہے تو میں نے متن کنز کا حوالہ دیا اور اس کو مفتی صاحب نے قبول فرمایا۔

اسی طرح کنز کتاب الحج میں ایک باب ہے جو شامی وغیرہ بڑی کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ دوسرے وقت بتایا کہ وہ باب الفوات ہے کہ حج فوت ہو جانے کی صورت میں افعال عمرہ کر کے احرام سے نکلے گا اور اس عمرہ کو عمرۂ فوات کہتے ہیں۔ (بخاری عن ابن عمرؓ (ص ۲۴۳ باب الاحصار)

قیام میلاد کے بارے میں تحقیق

فرمایا ابن حجر اور علامہ سیوطی نے اس کو مستحب کہا ہے اور حضرت سعدؓ کے لئے حضور علیہ السلام کے فرمان قوموا الی سیدکم کو حجت بنایا ہے۔ (سیرۃ حلبی) یہ دلالت ہے بے علم حدیث کے اہل فضلین کی کہ امر متیقن و مشاہد پر ایک امر موہوم و غیر مشاہد کو قیاس کرتے ہیں جو فاسد ہونے کے باعث اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا تشریف لانا امر موہوم ہے عنایت ہو جائے تو آ جائیں ورنہ نہیں۔ حافظ ابن حجر حدیث کے پہاڑ ہیں مگر ان کی یہ رائے ہے تو احادیث میں قیام وارد نہیں ہے

تفقہ کا فقدان

فرمایا صاحب درمختار اور شامی وغیرہ تو محض ناقل ہیں اور فقہ سے (جو کہ صفت نفس ہوتی

ہے) مناسبت بھی نہیں ہے۔ محض حضرت گنگوہیؒ کو دیکھ کر ان کو کچھ مناسبت تھی اور عثمان یہ ہے کہ تین صدی سے تعلق منقطع ہے۔

زود نویسی کے شاہکار

فرمایا علامہ عینیؒ نہایت زود قلم تھے اور انہوں نے خود لکھا ہے کہ قدوری ایک دن میں لکھ ڈالی تھی اس پر مزید دو قصے بھی حضرتؒ نے سنائے۔

نمبر ا میں اور والد صاحب اور ایک صاحب علاقہ دار (عبداللہ) ایک مرتبہ ساتھ جا رہے تھے اور وہ شخص والد صاحب سے باتیں کرتا جاتا تھا اور بہت تیز لکھتے بھی جاتا تھا اور اس کی غلطیاں بھی نہیں دیکھیں۔

نمبر ۲۔ ایک شخص نے گلستاں ایک دن میں لکھ دی تھی۔

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین

فرمایا اس پر میرا ایک اعتراض ہے جو عرصے سے لکھا ہے اور شافعیہ میں سے اس کا جواب کسی سے بھی نقل نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ حج کے احکام میں وارد ہے کہ اونچائی پر چڑھتے ہوئے تکبیر اور نیچائی پر اترتے ہوئے تسبیح کہے۔ بس جس طرح حج میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں ہے نماز میں بھی رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر مع رفع یدین نہ ہونی چاہئے۔ باقی یہ کہ رکوع میں جاتے ہوئے بغیر رفع یدین کے تو حنفیہ کے یہاں بھی تکبیر ہے تو اس کا جواب سہل سا ہے اور ہم تو شارع سے نقل پیش کر دیں گے وہ وارد کافی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے کہ سفر میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں پڑھتے تھے۔

(حضرتؒ کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ رکوع میں جاتے ہوئے تو اولی تکبیر تو امر تعبدی کے تحت ہوئی لیکن اس کو ہم نفی تکبیر (رفع یدین) سے موکد کریں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اترائی میں سرے سے تکبیر ہی نہیں اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی نہیں پڑھتے تھے)

روضۂ اطہر عرش سے افضل ہے

فرمایا اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ روضۂ مقدسہ نبویہ عرش سے بھی افضل ہے صرف ابن تیمیہ

توقف کرتے نظر آتے ہیں مجاہد سے مرسل صحیح مروی ہے کہ بروز قیامت جب حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی عرش پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر داہنی طرف ہوں گے، گویا اس روز بھی حضور علیہ السلام کو یہ عظیم منقبت حاصل ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی تجلی خاص طور سے اپنی سب سے بڑی مخلوق عرش پر ہوگی۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی عرش پر بیٹھا ہوگا یا کسی خاص جہت میں ہوگا وغیرہ)

پھر فرمایا کہ مدفن مبارک کے علاوہ باقی مدینہ منورہ مفضول ہے۔ ثور سے احد کے پیچھے پہاڑ ہے عیر اور مغربی جانب میں ہے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں حرم مدینہ ہے۔

تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں

حدیث بخاری شریف (ص ۲۵۱/۱ باب حرم المدینہ) میں جو لعنت اللہ والملائکہ کی وعید آئی ہے۔ وہ قولہ تعالیٰ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم سے ماخوذ ہے یہ بھی فرمایا کہ میرا دعویٰ ہے کہ تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔

بچوں کی نماز کا حکم

فرمایا بچوں کے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ پڑھ تو رہے ہیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء و فجر ہی لیکن وہ واقع ہو رہی ہیں نفل۔ یہ کہنا غلط ہے کہ وہ نفل پڑھ رہے ہیں اور اس امر کی بھی نقل نہیں ہے کہ بچوں کی عبادت کا ثواب والدین کو ملتا ہے۔

نذر مشی الی بیت اللہ کا حکم

فرمایا حنفیہ کے نزدیک یہ نذر صحیح و جائز ہے اور مشی لازم ہے البتہ معذور ہو جائے تو رکوب جائز ہے لیکن جزاء دینی ہوگی۔ اس کے علاوہ کسی زیارت یا مسجد وغیرہ کے لئے چل کر جانے کی نذر کرے تو مشی لازم نہ ہوگی۔ امام طحاویؒ کے نزدیک علاوہ جزاء کے کفارہ یمین بھی ہے لیکن میرا گمان ہے کہ عام حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

خیر القرون سے مراد

حدیث بخاری شریف (ص ۳۶۲) خیر القرون قرنی الخ کے بارے میں فرمایا: اکثر

علماء نے اس کو صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے زمانوں پر محمول کیا ہے اور بعض مصنفین نے لکھا کہ تدریجاً تنزل ہوتا جائے گا قیامت تک اور حضرت شاہ ولی اللہ نے جمہور کے خلاف یہ شرح کی ہے کہ تقریباً تیس سال تک خیر القرون کا زمانہ رہا اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دوسرا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا زمانہ تیسرا حضرت عثمانؓ و علیؓ کا زمانہ۔

فضیلت و قرابت کا فیصلہ

بخاری ص ۵۲۱ باب فضل ابی بکرؓ پر فرمایا یہ حضرت ابن عمرؓ کی صحابہ کرام کا فیصلہ بتلا رہے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر فضیلت دیا کرتے تھے اور پھر حضرت عمرؓ کو حضرت عثمانؓ پر اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت امام اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ باقلانی اس کو ظنی کہتے ہیں میری رائے میں امام اشعری کا فیصلہ راجح و صواب ہے کیونکہ اس کے لئے احادیث اتنی زیادہ وارد ہوئی ہیں کہ ان سے تواتر سے بھی اوپر کا درجہ ثابت ہو سکتا ہے پھر اسی طرح حضور علیہ السلام کے دونوں دامادوں حضرت عثمان و علیؓ کا بھی حال ہے لیکن آگے جو ترتیب (۳۱۵) فضیلت (و خلافت) کی سامنے آئی اس میں قرابت کے لحاظ سے برعکس صورت بن گئی کہ جو قرابت و نسب کے اعتبار سے حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے ان کی یہ فضیلت آخر میں ظاہر ہوئی یعنی حضرت علیؓ پھر حضرت عثمان پھر حضرت عمرؓ کیونکہ حضرت علیؓ نسب میں بھی اقرب تھے پھر داماد بھی ہوئے حضرت عثمان ذوالنورین ہوئے اور حضرت عمرؓ حضرت حفصہ کی وجہ سے حضور سے قریب ہوئے۔

معلوم ہوا کہ قرابت و وراثت کا درجہ ذاتی فضائل و مناقب کے مقابلہ میں مرجوح ہے جس کی وجہ سے خلافت میں معاملہ برعکس ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد پہلے حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی خلیفہ ہوئے۔

آگے بخاری نمبر ۵۹۰ میں حضرت معاویہؓ کا قول ذکر ہوا کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ابن عمرؓ اور ان کے باپ کے۔

ترتیب خلافت کیلئے اہم تحقیق

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قرابت نبویہ کا معاملہ ترتیب خلافت سے برعکس

ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ جو حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے وہ حضرت شیخینؓ سے بڑھ کر نہیں ہوئے اور حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت عمرؓ کے حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ قرابت والے تھے اسی لئے حضرت معاویہؓ نے اپنی وراثت کی ہے۔

حضرتؒ کا یہی ارشاد فیض الباری میں ص [illegible] ج [illegible] میں بھی ہے اور حاشیہ بخاری میں فتح الباری سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی رائے حضرت معاویہؓ سے مختلف تھی۔

آخر میں حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت مہدی علیہ السلام سے بھی یقیناً افضل ہیں۔

(نوٹ) حضرتؒ کے ارشاد مذکور سے واضح ہوا کہ قرابت نبوی کا درجہ کتنا ہی زیادہ بھی ہو تو وہ ذاتی فضیلت و منقبت کے وہ مدارج حاصل نہیں کر سکتا جو خلافت نبوی کے لئے ضروری و اہم تر ہیں۔ اسی لئے حضرت علی و عثمانؓ کی خلافت مؤخر ہوگئی اور اسی سے ہمیشہ کے لئے امارت اسکی اہم ترین ذمہ داری کے واسطے بہ نسبت وراثت و قرابت کے ذاتی فضائل و مناقب کو ہی ترجیح حاصل ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اوپر کی تفصیل سے یہ زریں اصول امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے قائم ہو گیا کہ کسی بھی اہم ذمہ داری کے منصب و عہدہ کے لئے نسب و وراثت و قرابت کی بجائے اس عہدہ کے واسطے ذاتی کمالات و فضائل اور اہلیت و صلاحیت ہی کو ترجیح دینی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علامہ امام العصر شاہ صاحبؒ کے ملفوظات گرامی مدت ہوئی "نطق انور" حصہ اول کے نام سے شائع ہوئے تھے اب نئی کوشش سے باقی دوسرے ملفوظات بھی جمع کئے گئے ہیں اور ان سب کا یہ مجموعہ عزیزم عالی قدر مولانا محمد انظر شاہ صاحب سلمہ کے اہتمام سے شائع کر رہے ہیں۔

انوار انوری کا ابتدائیہ

ایک مجموعہ حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری انوری قادریؒ نے بھی جنوری ۱۹۶۸ء میں "انوار انوری" کے نام سے شائع کیا تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ دیوبند کے تلمیذ حدیث تھے ان کو بھی حضرتؒ کے علوم سے بڑا شغف تھا اور حضرتؒ کی معیت سفر و حضر کا بھی

بڑا شرف حاصل فرمایا تھا۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ ان کے جمع کردہ ملفوظات کو بھی یہاں شامل کیا جا رہا ہے جو ص سے ص تک ہیں)

اس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور دوسرے اکابر کے حالات و سوانح کے علاوہ دوسرے بھی بے شمار علمی افادات ہیں جن کو ہم یہاں نہیں لے سکے۔ حضرت مؤلف انوار انوریؒ نے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے بحر محیط کمالات انوری میں سے۔ اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے ہمارے جیسے کم سوادوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا۔ اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری کتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب ایمان کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر عیسائیت میں لگائی ہے اسی طریقے سے بقیہ کتابیں ہیں۔

؏ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ کے حسب ذیل ارشادات نقل کئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ کا قصیدہ مدحیہ

حامداً و مصلیاً۔ روض الریاحین مصنفہ مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب کا نہایت بلیغ قصیدہ ہے جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ صفحے پر ختم ہوا۔ پہلا شعر ہے۔

عرفت اللہ ربی من عہید فلکم من الالہ والعہید

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا۔ پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی

شکل میں چھپوایا گیا۔

و نختم ذا الكلام بذكر حبر — فقيد المثال علام فريد
اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں — وہ بے نظیر علامہ یگانۂ زمانہ ہیں
مريع العلم مقتنص الفنون — له كل المزايا كالمصيد
علم کو جمع کرنے والے فنون کا شکار کرنے والے — تمام فضیلتیں ان کے تیر کا شکار ہیں
لبيب فائق الاقران يدعى — بانور شاه مرموق المحسود
عقل مند مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو — انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب
فهذا الحبر غرس ذي التخيل — وزول موئل القوم الرقود
کیونکہ یہ عالم اس درخت کے لگانے والے ہیں — اور سوتی قوم کو اس حال جگانے والے ہیں

۱؎ **حضرت شاہ صاحب کے حالات و کمالات کا ذکر:** [illegible] مولوی محمد انور شاہ صاحب [illegible] کشمیر [illegible] ہیں [illegible] مدرسہ [illegible] میں مدرس اول تھے [illegible] میں بیان کیا گیا ہے [illegible] مولوی محمد انور شاہ صاحب [illegible] مدرسہ [illegible] کرنے کا ارادہ [illegible] اس وقت ان کے پاس [illegible] آپ نے [illegible] پڑھانا شروع کیا۔

[illegible] مولوی محمد انور شاہ صاحب آپ نے [illegible] میں [illegible] حضرت [illegible] مدرسہ [illegible] مولانا [illegible] مستفید فرمایا [illegible] وطن تشریف لے گئے [illegible] ۱۳۴۳ھ [illegible] حج کے لئے تشریف لے گئے [illegible] قیام فرمایا [illegible] لوگوں کو [illegible]

یہاں تک [illegible] حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے [illegible] شروع [illegible] مدرسہ [illegible] پڑھنا شروع کیا [illegible] ۱۳۱۵ھ [illegible] مدرسہ [illegible] کے بعد [illegible] توجہ [illegible] صاحب نے [illegible]

شاہ عبدالقادر کا تلمذ و عقیدت: [illegible] صاحب [illegible] صاحب کی [illegible]

مربع نعتیہ فارسی

(از حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ)

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم　　عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر وا ماندہ آخر طالب منزل شدم　　کر نگاہ سو بسو شام غریباں در رسید
دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان بہم　　فکر و وہم ہمدم نفس اندر قفس زاد رہم
پیش و پس بانگ جرس از کاروان در ہر قدم　　دیدۂ عبرت کشودم تکلفے نامہ چہ دید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رمضان گزارنے کے لئے گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے کبھی دیوبند جاتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں یہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بہاولپور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ۱۳۱۹ھ میں حضرت نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ والد صاحب سے بھی اجازت ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

علامہ نیموی محدث کا ذکر: ۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے۔ خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن صاحب شوق نیموی رحمہ اللہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی مدینہ منورہ مسجد نبوی میں تب معلوم ہوا کہ حضرت نیموی کا وصال ہو گیا۔ یہ بہت بڑے محدث ہو گزرے ہیں صاحب تصنیف ہیں۔ آثار السنن انہی کی ہے اور جامع الآثار لامع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحب ورع اور صاحب اتقا تھے۔ اپنی کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

شاہ صاحب درس مسجد نبوی: مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے) درس حدیث دیا ہے اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متعجب ہوئے اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا۔ جو علماء دیوبند ان دنوں وہاں رہتے تھے انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔ پھر حج سے واپس دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا فقیر اللہ صاحب نے ذکر کیا جو کہ ان دنوں میں دیوبند پڑھتے تھے

آنکہ روئش غیب از الطاف قدیم پیدا شدہ ۔۔۔ رحمت حق گشتہ چون [illegible] قوم را امداد
دامن فیض ابدی بہر نجات ارشاد کرد ۔۔۔ مقصد ہر طالب حق آں مراد ہر مرید
قبلۂ روشن دلاں مرآت نور کبریا ۔۔۔ سید و صدر نشین مجلس [illegible]
شافع روز جزا و انگہ خطیب انبیاء ۔۔۔ صاحب حوض [illegible] خدا [illegible]
صاحب خلق عظیم و مظہر جود عمیم ۔۔۔ آیت رحمت کہ شان او رؤف است و رحیم
رحمۃ للعالمین خواندش خداوند کریم ۔۔۔ خلق را خلق و قول و فعل او بر رحمت امید
دست او [illegible] ۔۔۔ [illegible] ابر سخا آب بقا
وقف امر عالمے بر خلق آں رحمت لقا ۔۔۔ عالم غیب از جمال حضرتش [illegible]
داغ مہر او چراغ سینۂ اہل کمال ۔۔۔ شور عشقش در سر ارباب عرفان [illegible]
ثبت بر لوح دل [illegible] خیال ۔۔۔ [illegible] معروف [illegible]
از حدیث [illegible] ۔۔۔ [illegible] بخاری [illegible]
[illegible] ۔۔۔ [illegible] اقدام [illegible]
سید عالم رسول و محبوب رب العالمین ۔۔۔ آں [illegible]
صادق مصدوق [illegible] ۔۔۔ [illegible]
[illegible] معراج [illegible] ۔۔۔ در مقام قرب [illegible]
[illegible] ۔۔۔ [illegible]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق) [illegible]

فائدہ: یہ واقعہ [illegible] ۱۲۲۱ھ [illegible] جب حضرت شیخ [illegible] تھا۔

شاہ صاحب کے اساتذۂ حدیث: حضرت کے [illegible] حضرت شاہ صاحب کے [illegible] ہیں۔

آپ کے حضرت سے [illegible] ہیں۔

مدح عالش رفع ذکرش با وصفش شرح صدر　　او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
جملگاں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر　　سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید
اخیر و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد　　قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد
نخبۂ از ہمت او خلق را زاد معاد　　عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید
انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او　　برتر از آیات جملہ انبیا آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او　　مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید
دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ　　لحق او وی ما حقا نجوم اہتدا
صاحب اسرار او در عموں اکبر برملا　　علم او از اولین و آخریں اندر مزید
مولد پاکش بام القریٰ ملکش بشام آمد قریب　　خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر ز طیب
شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب　　امتش خیر الامم بر امتاں بودہ شہید
خاص کردش حق با عجاز کتاب مستطاب　　حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
معجزش در براعت ہست برتر ز آفتاب　　حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید
الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ　　خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا　　نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید
تا صبا گلگشت گیہاں کردہ میباشد مدام　　بوئے گل بردوش وے گردد بعالم صبح و شام
باد بروے از خدائے او بے درود و ہم سلام　　نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار مجید
وز جناب وے رضا بر اختران مستہام　　خاصہ آں اختر کہ اقمر ہست از جملہ امام
مستغیث ست الغیاث اے سرور عالی مقام　　در صلہ از بارگاہت در خشید ایں قصید

۲۳/۲۴ نومبر ۱۹۶۸ء کے جمعیت علماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

عالم کے تغیرات کسی قدرت قاہرہ کا پتہ دیتے ہیں

محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر و تبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر فضا انقلابات و حوادث سے معمور ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے:۔

کہ تا بینی جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب یک منتظم لڑی میں منسلک کردیا ہے۔ اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا قدرت کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گوناگوں تغیرات وانقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزما نہ ہوتا تو کوئی شخص اس قدرت کا جو بالا و پست تمام موجودات پر حکمراں اور اس میں کارفرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت مصنفہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کارفرما ہے۔

خیال فرمائیے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع وصعود وزوال وغروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی وتنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمہ خورشید کی مرہون منت ہے۔ بلکہ وہ اسی یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے۔ بقول قائل

تا بود زمانہ ایں چنیں بود

عارف جامی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں

ظہور جملہ اشیاء بضد است ولے حق را نہ ضد است و نہ ند است
اگر خورشید بر یک حال بودے شعاع او بیک منوال بودے
ندانستے کسے کیں پرتو اوست نبودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل۔ فطرت الہیہ نے اسی لئے عالم کو تغیر وتبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب وتحول اہل بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہوجائے کہ اس کے تمام مظاہر وشیون میں دست قدرت کارفرما ہے۔ اور تغیر عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دست نگر اور کسی قوت قاہرہ کا تابع فرمان ہے۔ عقلاء حکماء نے عالم کی اس متفاوت حیثیت کو بہت سے دلپسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کردیا ہے۔

جہاں چوں نقش و نگارے است از ید قدرت کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است
صفات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است
نہ خود بخویش کہ برآمدہ ز دست دگر چناں کہ نقش کہ حیران دو دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے مرقع ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے چونکہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانہ عالم کی تمام اشیاء ید قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکل حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہان بہترین نظم کے ساتھ منظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط و رشتۂ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو سکتا۔

عالم کبیر و عالم صغیر کی تشریح

حضرات: مجموعۂ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی ترکیب و تنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہئے یعنی جس طرح شخص اصغر یعنی وجود انسانی کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر ترک و اختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور صورتوں کا نقشہ کھینچتا ہے اس کے بعد اعضاء و جوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے دماغ اس کا وزیر اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں۔ اسی لئے تمام امور انسانیہ کے اصلاح و فساد کا مدار قلب پر ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ

یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آ جاتا ہے تو کل جسم فاسد ہو جاتا ہے اور دماغ بجائے خود خیر یا شر کے سبب اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد۔ ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعۂ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل وعقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماء شریعت مراد ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

فریضۂ تبلیغ اسلام

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقائے دین متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا منصب ہونا چاہئے اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گزرتے ہیں۔

خدائے قدوس کا ذکر ہر حال میں ضروری ہے

خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر وقیع کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار ہے۔

راہ تو بہر روش کہ پویند نکوست ذکر تو بہر زباں کہ گویند خوش است

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصرانی کس چیز کی تبلیغ عام کے ساتھ کریں گے۔ مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایان فرنگ سے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجے کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھیں گے کہ بغیر دو سو ل صفت تین خدا ماننے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا اور بغیر کسی پس و پیش کے بمصداق ''داشتہ آید بکار'' اس کے خریدار بن گئے ورنہ انہوں نے جو تحقیق وسیع اور جو دانائی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا اور بے مغز اور غیر واضح باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اکثر عقائد نصرانیت بت پرستوں سے ماخوذ ہیں

اور اگر کسی نے کتاب (العقائد الوثنیہ فی الدیانۃ النصرانیہ) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول مجوسیوں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں بلکہ ان مسائل کی تعبیر و دلالت تک میں یہ امر بداہت کے درجے میں ثابت ہے اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے اور کیا ان سے مذہب و ملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح گزرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا۔ ان چٹکلوں اور پہیلیوں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے۔ یا اس کو کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود سمجھ جائیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہئے قطعاً موجود نہیں ہے اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات معجزۂ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں اور ان کے مضمون سے بجز گومگو اور دبدھا و حیرانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اس کو مذہب و ملت سے تو کیا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق و تدقیق سے کام لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ ہستی باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی تو وہ یہی ہے کہ یہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے۔ جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج ہے۔

قدیم بالذات تمام نقائص سے بری ہے

اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی۔ جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود ہو جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہو تاکہ وہ ان سے کام لے تو یہ خدشہ محض غلطی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آ سکتا کہ جو شے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شے وجود میں جو کہ تمام صفات میں اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود بخود اپنی ذات سے موجود ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ

جائے اور ان میں کامل نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے۔ کیا دنیا میں کوئی شے بھی اپنے کو بحالت خودمختاری ناقص رکھنا گوارا کر سکتی ہے اور اگر وہ ان صفات کے ناقص رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلیٰ و اکمل صفت وجود میں وہ کسی طرح دوسرے کی احتیاج سے مستغنی ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ روح اور مادہ کو ان کی صفات میں ناقص مان کر بھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جا سکتا اور اگر ان کو ذات وصفات میں مکمل مانا جائے تو پھر واجب الوجود عزاسمہ کے ماننے کی کوئی وجہ نہیں رہتی اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں تھیں تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استغنا کے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں۔ اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا استغنا کو مفید ہوگا تو یہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ ایک خوش کن خطابت ہے اس کی کیا دلیل کہ احتمالات محض سب متحقق ہو جائیں۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالات ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا۔ پھر عالم غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے۔ مادہ و اثر یہ مادہ میں جو نقص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بے شعور رہتا ہے۔ پھر روح پر جو آلام وہموم کے مختلف ازمنہ حوادث گزرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ان کو دیکھتے ہوئے کون عقل مند کہے گا یہ قدیم بالذات ہیں۔

غور تو فرمایئے کہ قدیم بالذات کو ان ذلیل ترین تماشوں سے کیا سروکار۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیا مختلف صورتوں اور نوعیتوں پر قائم ہیں جس کو بھی اصطلاح میں صورت نوعیہ کہا جاتا ہے۔ پس اگر ان سب میں ذات مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگارنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہو گیا۔ کیا دنیا میں آپ کوئی ایسی نظیر دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور ایک رنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ صورتوں کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے۔ تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمایئے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ تمام عالم اور اس کی ہر شی بھی جو تغیرات و حوادث پر ہے قدیم بالذات ہے تاکہ حق باری تعالیٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شے حائل نہ ہو اور اس اہم ترین بار سے یکسوئی حاصل ہو جائے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک

بغیر مادہ کے عدم سے وجود اشیاء کی صورت

البتہ آپ شبہ کر سکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے ہوا لیکن یہ مغالطہ دشوار اور امر لاینحل نہیں اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

انسان و حیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے اور کبھی ساکن رہتے ہیں اور یہ حرکت و سکون ان کا فعل ہے جس میں وہ کسی مادہ کے جو کہ ان کی اس حرکت و سکون کا محل بن سکے محتاج نہیں۔ ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر وغیرہ کا محتاج نہیں ہے کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو پورا نہ کر سکے۔ ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جبکہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی۔ ایک بڑھئی دوسری نجارت یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی چوتھی تخت کی وہ صورت و ہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تو بڑھئی اپنے اس فعل و عمل میں جس کو ہم اس موقع پر نجر یا نجارت سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے۔ لکڑی ہو یا نہ ہو البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے ورنہ نجار اس کا فاعل بلکہ اس کا فاعل دوسرا شخص ہے اس کا مفعول جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔ الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا۔ اس لئے چوتھی چیز سے پہلے تیسری کا ہونا ضروری ہے جب آپ اس امر مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ

سارا عالم فاعل حقیقی خدا کا فعل ہے

سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے وہ جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ بیچ کی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب والا اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صمدیت حدود زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا ہرج ہے کہ اسی طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ بھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔

آنکس کہ با ابداع زمانش رفت نہ فہمید　　　کز عمر حق ایں حصہ مخلوق بہ بخشید
چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید　　　نے مرتبۂ ذہن کہ یک گفت بعدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے تحت خدائے قدوس کی صفت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک ماننا گنتی میں ایک کہنا نہ کہ حقیقت میں اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جا سکتی ہے قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے اس میں کسی کو شریک بنانا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانیں تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہو جانا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوء فہم اور عقل کی نارسائی ہے اس وقت صفات ربانیہ میں وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

مسئلہ ربط حادث بالقدیم کی تحقیق

علماء محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ عارف

جامی جو صوفیہ وجودیہ میں بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں۔

مجموعۂ کون را بقانون سبق   کردیم تصفح و رقاً بعد ورق
حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو   جز ذات حق و شئون ذاتیہ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کا ایک ایک ورق کسی سبق کی طرح پڑھا۔ حق تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور کل یوم ھو فی شان کے مظاہر کے سوا نہ کچھ اس میں دیکھا نہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

در عرصۂ کائنات با دقت فہم   بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم و ندیدیم درو   جز ظل صفات آمد و ماہیت و وہم

میدان کائنات میں ہم عقل و فہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سرتاپا چشم حقیقت بن گئے لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہو سکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچمدانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ لکھا ہے۔

مجموعۂ کون بود در کتم عدم   از حرف کن آمد بایں دیر قدم
فعلے است کہ بے مادہ بقدرت او کرد   گز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

اشارہ کن سے سارا عالم پیدا ہوئے

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردۂ عدم میں تھا اس کے بعد کن کے اشارے سے موجود ہو گیا۔ یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یا یوں کہیے کہ عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی دونوں کا عالم سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جن مذاہب و ملل کا یہ حال ہو کہ ان میں توحید کا پتہ اور نشان نہ ہو ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حق امر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو

ہے۔ خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

حضرات! حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علمائے کرام کا حق ہے اور یہ کام انہی کے سپرد ہونا چاہئے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے بدامے یا درامے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اصولِ تبلیغ

حضرات! جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پیغام دین متین اور نشر و ابلاغ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور راست بازی شیریں کلامی وسعت صدر ایثار جاں فشانی اور جفاکشی کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی ریاکاری شوق حصول دنیا نہ آنے پائے ورنہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کلام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اول اصل۔ مبلغ کو چاہئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کار بند ہو۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دروغ بیانی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہو گی۔ خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے۔

> وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت
> وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے لگوں میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہو گا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہو گی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

یایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے فقہائے احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدۂ متبرک کو سامنے رکھ کر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دارالحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت۔

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے۔ مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔ پس مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے۔

عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ کی تشریح

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم

یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو اس کی جزا جہنم ہے۔ اس آیت کریمہ میں

جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور اس قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتی ہے۔ جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ پس اگر مقتول مسلمان دارالاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دارالاسلام اور حکومت و شوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔

دارالحرب میں غیر مسلموں سے معاہدہ کیا جائے

اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کن مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا بے نظیر حافظہ

آپ کا حافظہ یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھوا کر سنا دیتے تھے۔ گویا یہ دیکھا گیا کہ حسبنا اللہ فرمایا اور کتاب کھولی وہی صفحہ نکل آتا تھا اور شہادت کی انگلی اسی عبارت پر ہی پڑتی تھی جہاں سے حضرت کو حوالے کی عبارت سنانا ہوتی تھی۔

ناظرین حیران ہو جاتے تھے بہاولپور کے مقدمہ میں جب حوالہ کا لیتے تو گویا یہی ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے استحضار و حافظہ کے واقعات

ایک دفعہ بہاولپور میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ لینا تھا۔ کتاب ہمارے پاس نہ تھی قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی۔ حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھئے ان صاحب

نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے۔ اس کو کہو عبارت پڑھے جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابی کی عبارت ہے۔

ابی کی شرح مسلم کا حوالہ

"و فی العتبیة قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامة الصلوٰة فتغشاهم غمامة فاذا عیسیٰ قد نزل (ص ۲۶۵ ج ۱ شرح مسلم الابی مصری) (اکمال اکمال المعلم)

مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شامل تھا میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ صاحب نبراس الساری فی اطراف البخاری کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کرنا کہ حضرت مجھے ایک حدیث کی ضرورت ہے۔ "الاحکام التی تفارق المرأة الرجل" فرمایا کل کو آنا اس وقت میں مصروف ہوں میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مراسیل ابوداؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

سنن بیہقی کا حوالہ

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض"

اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا۔

"اذا سجدت المرأة لصقت بطنها بفخذها كاستر ما يكون لها"

وہیں بہاولپوری کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے ... کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے۔" آپ کو پتہ ہے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے"۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

''جج صاحب لکھتے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے'' ۔ **لاتجتمع امتی علی الضلالة** یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچتی اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے۔ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے۔ سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکہ سے کام لیا۔ اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی بعینہ وہی عبارت پڑھی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی۔ جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب کا چہرۂ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب کے مربی تھے اور مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے بھی پیر تھے)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔ میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا۔ وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اکابر دیو بند و سہارنپور مدعو تھے۔

ہزاراں ہزار علماء مجتمع تھے۔ قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے ان حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو تیار کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے۔ فی البدیہہ بولنا ہوگا اور نہ کاغذ یا کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوری کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والے نے بھی سنایا تھا مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بھاگلپور میں مدرس تھے مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب بھی تھے اور حضرت شاہ صاحب نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں

سنایا تھا۔ پھر فرمایا جانشین تم نے کیا سمجھا میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے تو یہ بھی سنا دیا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ بیعت

احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا (جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے) کہ شجرہ چشتیہ میں آپ کے نام (یہ سفر بہاولپور ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے) کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہئے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہؒ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

ایک بزرگ عالم کا واقعہ

جب ۱۳۲۸ھ و ۱۳۲۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے۔ فوراً فرمایا "بہیر بزمی ہوئی تداں رہا تھا آیا" پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے پھر ارشاد فرمایا کہ اس قسم کا مکان تھا۔ جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سیڑھیوں سے چڑھ کر جانا ہوتا تھا۔ وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

مالیر کوٹلہ کے اجتماع کا واقعہ

مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبدالغنی صاحب کی خدمت میں دہلی رہے تھے۔ مولانا عبدالجبار ابوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب حصاروی وغیرہم تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف شہبازی کی باتیں ہونے لگیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو اسی سال ہو گئے مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

دو سال کی عمر کا واقعہ

فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن دیکھا کہ دو ان پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا۔ نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھائے اور لنگڑا پھل توڑے اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دے گا۔ میں نے یہ بات سن لی۔ پھر ایک زمانہ دراز گزرا میں "تذکرۃ القرطبی" دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی۔ میں اس کو پڑھ کر اس ان پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا۔ لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رکھی۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۳ھ، ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ صاحب سے پڑھتے تھے حضرت مولانا تھانوی تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لائے۔ نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہٰذا حضرت نے کتاب بند کر دی۔

حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری میں حضرت تھانوی کی شرکت اور فرمایا کہ یہ علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحب تشریف

ناتے ہوئے ہیں۔ جناب کا درس عثمانی سنتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر کتاب کھولی فی۔ ذبح کا تعلق دوسرے باب اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا شاہ صاحب یہ علوم ایسے ہیں کسی نے نہیں لکھا۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ترک موالاۃ کا فتویٰ سب سے پہلے شاہ صاحب نے دیا

حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحب زیارت کے لئے لاہور سے دیوبند گئے ہوئے تھے اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز مہمان رہے تھے۔

حضرت شیخ الہند کی غایت مسرت اس فتویٰ سے

ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب شیخ الہندؒ کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں مولانا محمد اللہ صاحب پانی پتی بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا۔ حضرت شیخ الہند کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا۔ احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جانبازی جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا بال حق ضرور واضح کر دینا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحب کا نعرہ جہاد

مولانا ادریس سکروڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا۔ مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملے فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہو گیا ہے اب تو ہم پر چپ نہیں چاہئے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

اٹھو باندھو کمر کیوں ڈرتے ہو
پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے

حضرت کا اپنے اساتذہ کیلئے غایت ادب

ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا

نکاح تھا جو حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ ہے) کے صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا۔ نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے بیٹھے تھے تاکہ شیخ الہند کے قریب ہو جائیں۔ حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت نے ایک پادری کو چالیس دلائل نبوت سنا کر اتمام حجت کی

ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈہ پر تشریف فرما تھے ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں ایک طالب ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھتے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن سے دس تورات، دس انجیل سے، دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔ فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آتے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے پاس نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت شاہ صاحب اپنے زمانہ کے بے نظیر عالم تھے

مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب اس زمانہ میں بے نظیر عالم ہیں۔ مولانا غلام رسول انہی والے استاد رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیان میں حضرت شاہ کی تقریر سنی تو فرمایا علم ہو تو حضرت شاہ صاحب والا ہو ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسہ میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔ ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظاً یاد تھیں۔ لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحب سے متعلق علامہ کوثری مصری کے تاثرات

علامہ محمد زاہد کوثری حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہئے۔ علامہ محمد زاہد کوثری عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی "عقیدۃ الاسلام" اور "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظ حدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے۔ پھر مصطفےٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے۔ بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

"تانیب الخطیب" میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی "نیل الفرقدین" کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ کو علامہ البحر الحبر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی سے سلسلہ طریقت ملا تھا۔

علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا تاثر

دین ودانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ یعنی مولانا محمد انور شاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہند صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

"دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف ونقاہت کے بعد ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی"۔ مرحوم کا وطن کشمیر تھا۔ تحصیل تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی۔ پھر واپس آ کر استاد کی خواہش اور اصرار سے دارالعلوم کی صدارت کی ذمہ داری

قبول فرمائی۔ جس کو شیخ الہند کے زمانہ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لے کر روم تک ان کے فیض کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے وہ وسعت نظر قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔

علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر شعر و سخن سے بہرہ ور اور تصوف میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازش کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلباء اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا۔ جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہتی یا خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیۃ العلماء کے صدر تھے۔ میں بھی حاضر تھا حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے۔ اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشا کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔

مرحوم معلومات کے دریا حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔ میری تصنیفات میں سے "ارض القرآن" ان تک پہنچی تھی۔ اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے"

(معارف ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڑھ)

مکاتیب حرمین کا معاملہ

فرمایا قیام حجاز پر (مدینہ منورہ) کا کتب خانہ میں نے خوب دیکھا۔ بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے بہت یاد ہیں۔ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے بھی لیں۔ مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا۔ اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی "السیر الکبیر" مدینہ منورہ میں دیکھی۔ قلمی نسخہ تھا۔ نہایت عمدہ کتابت تھی اس کا مطالعہ کیا۔ یادداشتیں لیں۔ پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے تلاش کیا نہ پایا۔ یہ کتاب چھ جلدوں میں تھی۔

حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مختصر زمانہ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خان اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے۔ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے ہزاروں ہزار خلق اللہ جمع تھی۔ علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں۔ حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا۔

غم دین خور کہ غم غم دین است   ہمہ غمہا فروتر از این است

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پرتاثیر تقریر فرمائی۔ خود روئے اور حاضرین کو رلایا۔

غم دنیا مخور کہ بیہودہ است   ہیچکس در جہاں نہ آسودہ است

علامہ سید سلیمان ندوی پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا۔ کئی علمی سوالات کئے اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے فرمایا کرتے تھے "مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں۔ حافظ کے بادشاہ ہیں۔"

ظفر علی خان تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے۔ کہا کرتے تھے "جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔"

اگست ۱۹۳۲ء میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب و کمالات پر لکھا گیا ہے۔

"حضرت مولانا اور شاہ صاحب مدظلہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے قوم ایشیا عاجز ہے۔"

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے۔ خدام کا اژدحام بھی تھا۔ دیکھتے ہیں کہ ایک ہندو بابو صاحب ہیٹ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار و قطار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ حضرت کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ کہتے تھے کہ "ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے۔"

آیت یغفر مادون ذلک مسلک حق کی دلیل

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "ویغفر مادون ذلک لمن یشاء" یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔ معتزلہ کو تاویل کرنا پڑی۔

شرک اور کفر میں فرق

فرمایا شرک کے معنی عرف میں عبادت غیر اللہ ہیں۔ لہٰذا وہ مفہوم اول کفر سے نیچا ہے اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد کفر ہی ہے کیونکہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے یا آپ کو خاتم الانبیاء یعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلاشبہ بالاتفاق کافر ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ شرک نہیں ہے۔ اب آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

حدیث التقی المسلمان کی تشریح

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری "اذا التقی المسلمان بسیفیہما فالقاتل والمقتول فی النار قلت یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال انہ کان حریصاً علی قتل صاحبہ۔

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ کہ حدیث کے خلاف ہے

جس میں ارشاد ہے "السیف محاء الذنوب" یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے۔ یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی اور ہابیل نے قابیل کو سنایا "انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار" اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل کی وجہ سے جہنمی بنے اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو ہو جائیں کہ تلوار محاء الذنوب ہے۔ کیونکہ جب اس کے گناہ قاتل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہابیل کے گناہ قابیل پر ڈال دیے گئے کیونکہ "لاتزر وازرة وزر اخری" کے خلاف ہے۔ پھر اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قباحت خوب واضح کر دی جائے۔ تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

روافض کا انکار، حدیث من قام لیلۃ القدر کی تشریح

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے۔ (علامہ شامی) ابن عابدینؒ عدم تکفیر کی طرف ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اکفار کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو احتمال حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا۔ مسئلہ کا اختلاف نہیں احتمال کا ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے "من قام لیلة القدر ایماناً و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه" (بخاری)

اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ "من هم بحسنة كتب له عشر حسنات اذا اشعر به قلبه و حرص به" یہ اشعار قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے جو نفس نیت پر ایک امر زائد ہے۔ نیت پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اور احتساب پر ثواب مضاعف ہو جاتا ہے۔ گویا احتساب نیت کا استحضار

ہے۔ فرمایا "او کسبت فی ایمانها خیرا" میں او بمعنی واؤ ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں تو واؤ ہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے "لا ینفع ایمانها لم تکن امنت من قبل او امنت ولم تکن فی ایمانها خیرا" تاکہ مقابلہ صحیح ہو سکے اس کا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا۔ ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں او دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مقصد ایمان اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

کفار کی طاعات وقربات نفع بخش ہیں

فرمایا حضرت حکیم ابن حزامؓ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا "اسلمت علی ما اسلفت من خیر" تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی تو محفوظ رہے اور اس وقت کی طاعت بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ کفار کی طاعات وقربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔

طاعات وقربات سے مراد صلہ رحمی، مہمان نوازی، غلام آزاد کرنا، صدقہ، رحم و کرم، جود و سخا، مروت، بخشش و عطا، عدل و انصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب و جنت کا مستحق بنا سکیں گے۔

البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے۔ اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی چنانچہ ابوطالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صحیح احادیث میں مذکور ہے۔

فرمایا یہ جو حدیث ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ فکل حسنة یعملها تکتب له بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف وکل سیئة یعملها تکتب له بمثلها" (بخاری)

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے مسلمان ہوئے اور زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ کرے اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم محکم کرے ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب بدستور کرتا رہے ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو۔ (من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه)

حضرت کے دل میں مضامین عالیہ کا جوش مارنا

فرمایا کہ میرے دل میں مضامین عالیہ اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ بذریعہ تحریر ان کو ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے۔ جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں۔ افسوس ہے کہ ایسا آدمی نہیں ملتا جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا۔ اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں رکھتا

مغنی ابن قدامہ کا صحیح نسخہ مکہ مکرمہ میں ہے

حضرت مولانا خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان نے فرمایا کہ میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ کی پڑھی تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو کہ مصری ہے وہ غلط ہے۔ صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے۔ میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کو مطالعہ کیا تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی چنانچہ وہ جو صفحے تھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی۔ میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۹۴۷ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ "خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام" لکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے اسی صفحے تیار ہوئے تھے۔ میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدست اسرارہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دیئے۔ یعنی اس رسالے کے دو چار ورق سنائے تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے۔ تو میں نے سوال کیا کہ آپ

غیر مقلد کی کتاب المستطاب پر نقد

غیر مقلد کا رسالہ "الکتاب المستطاب" دیکھا ہے یا نہیں؟ فرمایا: میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوئی ہیں (یہ کتاب پنجاب کے ایک غیر مقلد نے حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ فصل الخطاب کے رد میں لکھی تھی)

فرمایا جو بات قابل استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں۔ میں جواب دوں گا۔ اگر کسی اور شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

اعتماد کی صورت میں بغیر سے سند دینا

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث دیجئے اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے۔ فرمایا کہ میں آپ کو بلا سنے سند دیتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں۔ میرا آپ پر اعتماد ہے اگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا۔ جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام قسپانی کا ورود دارالعلوم

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام قسپانی دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا۔ حضرت شیخ الہند نے شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زبانی سنئے۔ آپ "القاسم" ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ و محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی عربی تقریر

اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب محدث دارالعلوم نے نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی مولانا موصوف کے فضل و کمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں۔ مولانا کی تقریر ایک جواب کی حیثیت رکھتی تھی۔ زبان دانی اور فصاحت و روانی کے سبب سے اگر یہ تقریر بے نظیر تھی تو دوسری جانب سے مضامین میں جو تحقیق [illegible] اور نکات علمیہ [illegible] تھی جو کسی اور سے نہیں ہو سکتی۔ حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر کے مضامین پر توجہ دے رہے تھے۔ بہت غور سے ساتھ ساتھ [illegible] لیتے ہوئے متعجب تھے اور قائل تھے۔ ہم نے [illegible] بار آتے تھے۔ مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ ہر شخص کو ان کی رفیع النظر اور عالی [illegible] ہیں جس میں بھی [illegible] آپ [illegible] کی ان کی معاشرتی و قومی و مذہبیت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر بیان کیے گئے [illegible] کسی طرح کا خلل واقع ہوا نہ کوئی ضروری بات فروگذاشت ہوئی [illegible] ضرورت کے زیادہ [illegible] بیان سے [illegible] میں بھی [illegible] تنگ [illegible] الفاظ میں [illegible] ہر شخص نہ سمجھتا تھا [illegible] طلاقت و روانی [illegible] موقع کی مناسبت سے [illegible] تقریر ختم ہوئی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(شیخ الاسلام صاحب نے جوابی تقریر [illegible] فرمایا) اور ابھی [illegible] (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) [illegible] اور [illegible] تو مجھ کو معلوم ہو گیا کہ [illegible] کی [illegible] بیان [illegible] ہے اور [illegible] حقیقت [illegible] کسی [illegible] کے [illegible] ہیں اور [illegible] کی [illegible] ہے۔

اور آخر میں [illegible] (مولانا محمد انور شاہ صاحب) [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] تھے اور [illegible] ہو گئی۔

لما ظرفیہ کی تحقیق

ایک دفعہ بعد نماز عصر بڑیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے احقر نے دریافت کیا کہ کیا لما ظرفیہ کا صلہ فا بھی آتا ہے۔ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے کہ جائز ہے اور استدلال میں آیت پیش کی۔ "فلما نجّٰھم الی البر فمنھم مقتصد الآیۃ"۔ اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے۔ پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص ۴ ثم لما وقفت بعون اللہ و تائیدہ للاتمام الخ فجاء بحمد اللہ کما یرون النواظر" نیز تفسیر ابن کثیر جلد ص ۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

ذوی کی اضافت مضمر کی طرف جائز ہے

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذوی کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے "مثل ابی ہریرۃؓ و ابن عمرؓ و ذویھما" ص ۳ مسلم کی آخر سطر میں ہے۔ تتبع کی تو بہت سی کتابوں میں یہ مل گیا۔

مختصر المعانی ص ۱۸ مطبوعہ مجتبائی دھلی "لسلم من الفصل بین الحال و ذیھا بالاجنبی و جادلتم خاصمتم عنھم عن طعمۃ و ذویہ" جلالین ص ۸۶ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

مقامات حریری ص ۱۰۱ میں ہے۔ فجاءت بابن یسر ذویہ (وغیرھا من الکتب)

اجتمع کا صلہ مع آتا ہے

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الغواص کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے اور صحاح جوہری میں ہے "جامعہ علی کذا ای اجتمع معہ" مسلم شریف میں بھی ص ۵۲ پر فرماتے ہیں۔ ولم یذکر قدوم ابن المسعود و اجتماع ابن عمرؓ معہ"۔

اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص ۸۳ میں ہے۔۔۔ان یقع ظرفاً لما اجتمع معہ" شرح ملا جامی ص ۵۹ "یجتمع مع اللام والاضافۃ" تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۳ ج ۳

"رأيت يوماً اجتمع مع الدارقطني"۔

تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۲۲۵ "اجتمع معه" و ص ۲۰۸ "ان يجتمعا مع الاولاد" الى غیر ذلک من العبارات۔

فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر روح کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی ہے اور تحقیقی بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ صاحب عجب روحانی آدمی تھے۔ اس میں علم کو مضاف استعمال کیا ہے۔

علم کو مضاف استعمال کرنا

اس پر اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ پھر یہ معاملہ صاحب مجمع البحرین تک پہنچا تو انہوں نے کہا علم کو مضاف وہی استعمال کر سکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو۔ یہ کوئی بڑا ادیب ہے جس کا یہ کلام ہے۔ تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

۱۶ مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند بعد عصر جب اس وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی حاضر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے ازکو دوا دے کر فارغ ہو کر جب اندر چلے گئے تو میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

فلا تفعلوا الا بام القرآن کا مطلب

فرمایا فلا تفعلوا الا بام القرآن میں کلمۂ استثناء کے بعد تعیین تو تحریر شرح کو منظور ہے یہ نہیں کہ تعمیم ناقص بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لاتفعلوا الا ان تقرءوا بام القرآن میں نہ کہ طریقہ بیان یہ ہو کہ الا ان تفعلوا ایک کلمہ ام القرآن سے تھوڑی مقدار ہے اس کی تعمیم جمع کردہ ہے اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مولانا مقصود ام القرآن کی تعیین ہے کہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ وہ قدر مقتدی سے بطور لزوم ہے جو کہ نسبت میں آ جاتی ہے تو اباحت مرجوحہ ہے۔

فصل الخطاب ص ۷۶ کی اصل عبارت یہ ہے۔

ویحتمل ان یکون لفظ محمد بن اسحق من اوله الی اخره مسئلة وجوب الفاتحة فی الصلوة قصداً مع الاباحة للمقتدی تبعاً و لیس التعلیل لعموم الفاعل وهو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر بل لتعیین المفعول به ایاها و هو قرنه بالاباحة القرآن وهما امران فالمطلوب ذات الفاتحة و وجودها علی شاکلة فرض الکفایة لا عمل کل واحد لزوماً فان فعل من شاء منهم فهو فی حد الاباحة المرجوحة والتبس علی الناظرین تعیین المفعول به بتعمیم الفاعل لزوماً

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کو تو شرح صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ جلدی میں یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ شاہ صاحب لفظ ان تفعلوا جو الا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں۔ تقدیری عبارت یوں ہے "لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها"

چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے۔ "قال لا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الکتب فی نفسه"

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ لا تفعلوا میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔

دیکھئے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است — سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"وهو الضمیر فی لا تفعلوا البارز" حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"هو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر"۔

اول تو جناب نے الفاظ ہی بدل دیا۔ الا ان تفعلوا کی جگہ لا تفعلوا نہی کا صیغہ لکھ مارا۔ پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ ان

تفعلوا کہہ کر قصداً اس کی ضمیر بدل ڈالی، ذاتی تعمیم مقصود تھی۔ چنانچہ ان سے عبارت فصل الخطاب ص ۸۳ میں یہ ہے۔

"ثم إن قوله فإنه لا صلوة لمن لم يقرأ بها ليس تعليلاً لعموم الداخل في الا أن تفعلوا بل لتعيين المقروء إن كان فهو الفاتحة لا غيرها وهو المناسب انتهى"

اب تو آپ ہی خود فرماتے ہیں کہ یہ معترض کی عبارت کتنی کچی تھی۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا"

اسی طرح اور بھی بہت سے اعتراضات ہیں جن کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ دیے ہیں۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا واقعہ

فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبری بڑے محدث اور مفسر تھے کوئی شخص آیا اور حضرت کی خدمت میں اعتراضوں کی ایک فہرست پیش کی اور کہا کہ جواب لکھئے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دیا الغرض وہ شخص یوں ہی اعتراض پیش کرتا رہا اور یہ جواب تحریر کرتے رہے اور بعض ان کے پیچھے ہو گئے تب تنگ آ کر کہنے لگے، حضرت ابن جریر فرمانے لگے کہ جب تم نے یہ اعتراض لکھے تھے تو مجھ سے پوچھا تھا؟ اب تم مجھ سے جواب طلب کرتے ہو۔ اب تو تمہاری طبیعت بدل گئی۔ تعجب ہے یہ کیسی جہالت کی بات ہے۔

انما الاعمال بالنیات کی شرح

انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امراة ينكحها فهجرته الى ما هاجر اليه بخاری وغیرہ۔

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں۔ عمل، نیت، منوی۔ جن کی طرف اشارہ فرمایا کہ "فمن كانت هجرته" عمل کی طرف اشارہ کر دیا اور منوی کی طرف اشارہ فرما دیا "الى الله ورسوله" جو کہ منوی ہے اور نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرما دیا "فهجرته الى الله ورسوله" یعنی وہ نیت ہے جو اس میں مذکور ہے۔

لفظ مسیح کی تحقیق انیق

فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرب ہے۔ جس کے معنی عبرانی زبان میں مبارک اور علماء نے مسح سے لیا گیا ہے۔ اس کے معنی قدس اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں۔ جب مراد اس سے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق مکمل ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے چونکہ ان کے دوبارہ تشریف لانے سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہوگئی اس لئے پچھلے انبیاء میں سے لایا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان ہی کا انتخاب ہوا۔ جس نبی نے صراحۃً بشارت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی دی تھی۔ آکر تصدیق بھی فرمائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

سلطان عالمگیر کا وفور علم وتقویٰ

لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے۔ حضرت مولانا مدنی بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب بھی تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ متواتر روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیر نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہو کر فیصلہ ہوتا تھا۔ یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

عالم کی بقاء یاد الٰہی پر منحصر ہے

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے جو پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا۔ تاریخ ۱۳۴۳ھ ہجری تھا۔ تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آ گیا۔

حدیث میں ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" لاتقوم الساعۃ حتیٰ لایقال فی الارض اللہ اللہ" قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے اور یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے موت نہیں اور غافل کے لئے حیات نہیں کیونکہ اصلی زندگی یاد الٰہی ہے اعمال صالحہ در اصل زندگی کے کام ہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے:۔

"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (ترجمہ) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی قبر والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

از یکے گو وز ہمہ یک سوئے باش　　یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یک سو ہو کر تنہا اس ایک کا ہو جا تیری ظاہری و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید　　وحدہٗ لاشریک لہ گوید

حضرات! اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں بھی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے۔

من نہ گویم زیاں کن یا بہ فکر سود باش　　اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے۔ موت کو یاد رکھنا چاہئے۔ وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا بلکہ تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔

رشتہ سے چڑیا گنوا لے رہی ہیں　　تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن

نہ جانے بلا لے یہ کس گھڑی گھڑی موت کی زندگی دن کے

معلوم نہیں کیا حسرت بار دل اس وقت آپ نے کف افسوس ملتی رہ جائے گی ۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ دیکھی نہ جا سکے ۔ ہیجانی تھی اور سامعین اتنے گریہ و بکا ہو جاتے تھے ۔)

حدیث بخاری سبحان اللہ نصف المیزان

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلڑا آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے ۔ آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے جتنا کہ زمین و آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے ۔ صدق دل سے تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے ۔ "سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ المیزان" اور جب یہ کہتا ہے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" تو اس کی کوئی روک زمین و آسمان میں نہیں ہوتی چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" جنت کے خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہے ۔ اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا ۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے ۔ کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ۔

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں ۔ آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں ۔ رحمٰن کو بہت محبوب ہیں ۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ۔

خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا ۔

پہلے جو حدیث "لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ" ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے ۔ (خلافاً لما قالہ ابن تیمیہ)

یوں بھی روایت ہے ۔ سبحان اللہ والحمد للہ تملآن المیزان یعنی سبحان اللہ

---

[1] قولہ علیہ السلام التسبیح نصف المیزان والحمد للہ یملأہ ولا الہ الا اللہ لیس لہا حجاب دون اللہ حتی تخلص الیہ (ترمذی ضعیف) مشکوٰۃ ص ۲۰۲

الطہور شطر الایمان والحمد للہ تملأ المیزان و سبحان اللہ والحمد للہ تملآن او تملأ ما بین السموات والارض (مسلم مشکوٰۃ ص ۳۸)

والحمدللہ دونوں کی قدر آزما نگاہ پر ابھر رہے ہیں۔

ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق

غالباً ۱۹۵۹ء نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنوی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ۔ میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سی ہیں۔ "ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شیء علیماً۔

اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی۔ اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال ء اقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشاهدین

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھ دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں منحصر کر دیا۔ "وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب" الآیہ پھر اس کی دو شاخیں کر دیں۔ ایک بنی اسرائیل چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل ان میں خاتم النبیین نبی علی الاطلاق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا اور نبی آدم کی سیادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی۔

"انا یوم القیامة سید ولد آدم ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر

وقد اخذ اللہ میثاق النبیین ای منهم بنصرته ان ادرکوا زمانه وقد

اخر كونه في المسجد الاقصى و بعد كونه يوم العرض الاكبر"۔

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے مقتدی تھے ہوں گے اور سب نے آپ کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پایا اور آئندہ بھی پائیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی جیسا کہ امام اکبر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شی کے رتبے میں ظاہر ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ "بدی بي الخلق و كنت اخرهم في البعث" میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی اور ابتداء مجھ سے ظاہر ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے "كنت اول النبيين في الخلق و اخرهم في البعث (کما فی روح المعانی جلد ۷)" میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر" یہ حدیثیں در منثور کنز العمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی۔ "ان لا نبي بعدي" کو تفسیر در منثور، مسند احمد، ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

"انا عند الله في ام الكتاب لخاتم النبيين و آدم لمنجدل في طينته" الحدیث اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

"و اذ اخذ الله ميثاق النبين اوتوا الكتب" (الآیہ) "و اذ اخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور" و اذ اخذنا ميثاق بني اسرائيل و ارسلنا اليهم رسلاً" (الآیہ) و اذ اخذنا من النبيين ميثاقهم و منك و من نوح و ابراهيم و موسى و عيسى ابن مريم و اخذنا منهم ميثاقا غليظا" (الآیہ)

حاصل یہ کہ یہ میثاق محض ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیا گیا۔ میری ایک نظم ہے جس میں ایک شعر ہے۔

آیت میثاق برہان ختم ہست   نبی بعد از مقتضائے ختم است

آیت میثاق میں جو آیا ہے "ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم" یہ سب پکار پکار کر مقتضائے ختم نبوت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا گیا اور تمام انبیاء کو ایک طرف رکھ دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں۔ ثم جاءکم اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا۔ سورۂ صافات میں ہے بل جاء بالحق و صدق المرسلین، وہ رسول حق لے کر آئے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کردی۔ اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہوگا۔ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے "حکماً عدلاً" وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہوگا۔ پیغمبر تو آپ ہوں گے لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے ملک میں تشریف لے گئے۔ پیغمبر تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ شریعت یوسفی پر عامل تھے۔ جیسا کہ "لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی" آتا ہے۔

الحاصل یہ ظاہر ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میثاق لیا گیا۔ قرآن عزیز میں ہے "ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتٰب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون"

(ہدایۃ الحیاری) میں ہے "لو لم یظھر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبطلت نبوۃ سائر الانبیاء"

اگر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے "بل جاء بالحق و صدق المرسلین" یہ تفسیر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی۔ عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے اور حسب ضرورت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا تا کہ دلیل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں اور حضرت عیسیٰ تشریف لا کر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تا کہ سب پر ثابت ہو جائے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ تورات میں ہے "نابی میاخ معقربخا یاخیم لا الاوخ الو تشماعون" یعنی "نبی من قریبک من اخیک کاخیک یقیم لک الهک الیه تسمعون"۔ "میں تیرے قریبی بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا تم اسی کو سنو"۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے ان ہی کی اتباع کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے اور اولاد بھی ہوگی اور حج وغیرہ بھی کریں گے اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ پھر روضہ پاک میں دفن ہوں گے جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ایک وادی سے گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "ای واد ھذا" معلوم ہوا کہ وادی ازرق ہے" تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کانی انظر الیٰ موسیٰ" کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے جا رہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کو ذکر فرمایا کہ وادی ہرشیٰ سے گزر رہے ہیں۔ یہ مسلم شریف میں بھی ہے۔

شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا۔ مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج اور عمرہ کریں گے اور حج روحا سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقی نے حیات انبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مسلم شریف میں ہے" مررت بموسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ"

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں۔ دین انکا واحد ہے۔

"انا اولی الناس بعیسی بن مریم لانہ لیس بینی و بینہ نبی و انہ خلیفتی علی امتی و انہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ"۔ (الحدیث)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا دائرۂ نبوت طے کیا ہے

اور مستدرک حاکم میں ہے" ولیاتین علیٰ قبری حتی یسلم علی و لاردن علیہ اور فتح الباری میں بھی ہے اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی ہے اور واضح رہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ ازاول تا آخر طے فرمایا ہے جیسا اول و آخر میں ظہور فرمایا اور تمام دورۂ نبوت پر حاوی ہو گئے۔ اس تقریر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگرچہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقصت ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا اس کو قلم بند کرو اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بھی میرے پاس بیٹھے تھے اور بڑے غور سے سن رہے تھے۔ بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا۔ قاضی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاولپور کے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بیان کو بھی ضرور قلم بند کر دینا چاہئے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کر لیں گی اس وقت تک قیامت نہ آئیگی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرا دیا جائیگا۔

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق

کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے۔ مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہوگا۔ وہ بہت حیرت انگیز ہوگا۔ کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کرلیں گے۔ جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

گاگارن کو پکا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹائن نے اپنے نظریے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا۔ یہ خلائی سفر گاگارن کو پہ نے ۹۰ منٹ میں طے کرلیا اور گاگارن کو پکی عمر اس خلائی سفر میں کم ہوگئی۔

سفر معراج اور حضرت مسیح علیہ السلام کا عروج و نزول

اب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابت بن چکا ہے۔

وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون کی تفسیر تجربہ میں آگئی۔ ایک فلاسفر نے لکھا ہے ”خلائی کشتی کے ذریعہ ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا ممکن الوقوع ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گزر چکے ہوں گے“۔

یہ اس نے بڑے تھکانے والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کئی بار فرمایا تھا۔ ”لیس عند ربک صباح ولا مساء

ھنا موطن فوق الزمان ثبتہ
علی حالۃ لیست بہ غیر تتری

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر و تبدل کا گزر نہیں ہے۔ علامہ ابن قیم کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔

قال ابن مسعودؓ کلاما قد حکاہ الدارمی عنہ بلا نکران ما عندہ لیل ولانہار قلت تحت الفلک یوجد ذان نور السموات العلی من نورہ والارض کیف النجم والقمران من نور وجہ الرب جل جلالہ وکذا حکاہ الحافظ الطبرانی

یہی مراد ہے اس حدیث کی۔

"ان اللہ لاینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط ویرفعہ ویرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل حجابہ النور طیبۃ حضرۃ فرق اللیل والنہار"۔ کما فی روح المعانی۔

معانی آخرت میں متجسد ہو جائیں گے

روح المعانی میں واشرقت الارض بنور ربہا دیکھتا تھا۔ وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین "میرے نزدیک یہ محقق ہو گیا کہ معانی آخرت میں مجسم ہو جائیں گے۔ شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے اور دوانی نے اپنے رسالہ "الزوراء" میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے۔ یعنی اب بھی جہنم محیط ہے لیکن آنکھوں سے مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہو جائے گا۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید"۔

بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا۔ حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے زخم نہیں کرتی۔ یہ موقوذہ کے مشابہ ہوا تو کسی کے ہاں جائز ہے بہرحال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو ذبح کر لینا چاہئے اگر مر جائے تو کھانا ناجائز ہے۔

نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولانا سید انور شاہ صاحب ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا "حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے۔" حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا "اور وہ کیا گیا" سبحان اللہ نماز کی فکر رہی۔

اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا کہ شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔

فرمایا۔ "قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض"۔

ابو عبداللہ رازی کہتے ہیں جو مذاہب کہ مقتضی اہل الشرک ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کر دیا اور ہم زمینیات میں سے ہیں۔ اس لئے ہم کواکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں۔ جو کہ آسمانی ہیں اور وہ ہمارے الٰہ ہیں اور اللہ ان کا معبود ہے۔ لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا۔

"لا یملکون مثقال ذرة فی السموات" کما اعترفتم "ولا فی الارض" کما زعمتم

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مستقل اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصالات اور حرکات اور طوالع اس لئے انہوں نے شریک قرار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی قرار دیا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ "وما لھم فیھما من شرک" ای الارض کالسماء للہ لا لغیرہ فیھما من نصیب۔

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے اور حوادثات کا انتساب اذن دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ماذون کی طرف اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا اس کلام سے "وما لہ منھم من ظہیر"

(۴) بعض کہتے ہیں کہ ہم اصنام کو پوجتے ہیں۔ جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تاکہ ہماری شفاعت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا "لا تنفع الشفاعة" جملۃ الشفاعة میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے۔ اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء"۔

جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے۔ (چنانچہ آل

عمران میں ہے "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھباً ولو افتدیٰ بہ اولٰئک لھم عذاب الیم وما لھم من نٰصرین" (الآیہ)

اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے نیز سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے۔

ولا الذین یموتون وھم کفار اولٰئک اعتدنا لھم عذاباً الیماً وغیرھا من الآیات۔

لہٰذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا کیونکہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے لیکن ان دونوں میں تغایر بھی ہے کیونکہ شرک اقرار الوہیت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے اور کفر کبھی تو جحود باری تعالیٰ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا، اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی بہت ہے۔

فرمایا اشراک باللہ کی اقسام ہیں "الشرک فی الوجود" "اشراک فی الصفات" "الشرک فی الذات" "الشرک فی العبادۃ" کہ عبادت غیر اللہ کی کرے لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے جیسے مشرکین عرب کہتے تھے۔ "مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی"۔

"اشراک فی الطاعۃ" یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر اللہ کا کہنا مانے جیسا کہ حضرت عبدالقادر دہلویؒ نے متنبہ کیا ہے کہ نصاریٰ "ارباباً من دون اللہ" مانتے تھے یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

وحدت دعوت انبیاء

فرمایا ابن رشد نے "تہافۃ الفلاسفہ" میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت توراۃ سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نجات ہے اور ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔

تفاسیر میں ہے کہ دست تحریر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے جب ان تعالیٰ کے

اعتقاد کی ضرورت ہے۔ قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

تعظیم مفرط پر نکیر

جس روز بہاولپور تشریف فرما ہوئے۔ ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہئے۔ ہم تو عام آدمی ہیں۔ خیر بیٹھئے۔ میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ پھر اس پر وعظ فرمایا' قرآن و حدیث پیش فرماتے گئے اور شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں۔ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدہ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے البتہ مصافحہ سنت ہے۔

سجدۂ تحیہ کا عدم جواز

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدۂ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس ڈاک میں بھیجا میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں۔ اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا انہوں نے لکھا کہ سجدۂ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔ حالانکہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی آئین کی۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا اور فرمایا۔

" وان المساجد للہ " اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے جیسا آدم علیہ السلام کے وقت ہوا۔ (سورۂ یوسف کی تفسیر میں " وخروا لہ سجدا " کے تحت شاہ صاحبؒ نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۂ جن میں وان المساجد للہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ۔

"سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے"

غرض تصویر کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ تعظیماً جو سجدہ کیا جاتا ہے مثلاً اپنے استاد کو یا کسی اور کو وہ بھی حرام ہے اگرچہ راضی ہو (درمختار)

لفظ قدر کی تحقیق

فرمایا "فظن ان لن نقدر علیہ" یعنی گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے۔ (ف) کما فی "فقدر علیہ رزقہ" یعنی اس پر رزق تنگ کر دیا۔ کما بینہ الطحاوی فی مشکلہ۔

رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے

"والشجرة الملعونة فی القرآن" شجر ملعونہ کے ذکر کو حق تعالیٰ نے اس لئے فتنہ بتایا کہ یہ بھی کفار کو ایک طعن تھا جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا چنانچہ "عمدۃ القاری" میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے ایک رات میں بیت المقدس تک ہو آئے، اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ درخت آگ میں کیسے رہ سکتا ہے؟ وہ کہتے تھے آگ کا کام تو جلانا ہے۔ خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

رؤیا کی تحقیق

فرمایا عالم غیب کی چیزیں عالم یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے۔ میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہونے پر بھی یہ لفظ رؤیا استعمال کیا گیا ہے تورات ہی میں ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام ایک ندی کے کنارے سے گزرے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھا۔ حالانکہ یہ عالم بیداری میں ہوا تھا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیا کے یہاں۔ لغت میں تو کشف کے معنی کھلنے کے ہیں۔ کی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا۔

قادیانی کا ایک اعتراض و جواب

فرمایا کہ قادیانی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو جب معراج میں

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) ص ۳۰۱ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں

"لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ فتذاکروا الساعۃ فبدؤا بابراھیم فسألوہ عنہا فلم یکن عندہ من علم ثم سألوا موسیٰ فلم یکن عندہ من علم فردوا الحدیث الی ابن مریم فقال قد عہد الی دون وجبتہا فاما وجبتہا فلا یعلمہا الا اللہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتلہ" (الحدیث)

ایام قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۱ جلد ایک میں تصریح ہے اور جو سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ قبا کا قیام چار دن رہا۔ یہ وہ مبہم ہے اس کا منشا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز یعنی جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیونکہ منگل منگل آٹھ روز۔ بدھ جمعرات جمعہ تین دن ملا کر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری شریف میں مذکورہ چودہ دن تو پورے نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا۔ بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آ جانا مقصود تھا۔ پھر ہفتہ تو اتوار قبا میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ چودہ یا چودہ روز ہو گئے۔

تفضیل حضرت ابوبکرؓ قطعی ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی تفضیل امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے اور

امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے کیونکہ کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہوتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسے ہی افضلیت شیخین بھی ثابت ہے پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے۔ پس جو اقرب ہے نسبتاً وہ آخر ہے۔ افضلیت میں اس طرح کہ علیؓ عثمانؓ عمرؓ ابوبکرؓ۔ نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمانؓ پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

امتناع قرأۃ خلف الامام

بخاری جلد اول ص ۵۲۳ میں ہے کہ فاروق اعظمؓ پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۂ یوسف بالکل پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ پھر رکوع کرتے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس مدرک رکوع مدرک رکعت ہوا۔ پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "حتیٰ یجتمع الناس"

توسل فعلی و قولی

بخاری میں قول عمرؓ آیا ہے "اللّٰھم انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا" یہ توسل فعلی ہے۔ رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے۔ اعمیٰ کی حدیث میں ہے "اللّٰھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الی قولہ فشفعہ فی"۔

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے اور صحیح قرار دی ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب کی ہے۔
(تحفۃ الاحوذی ص ۲۸۲/۴ میں مفصل تخریج ہے)

فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں۔

الا کل من لا یقتدی بائمۃ — فقسمتہ ضیزی عن الحق خارجۃ
فخذھم عبید اللہ عروۃ قاسم — سعید ابو بکر سلیمان خارجۃ

پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود عروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سعید بن المسیب

ابو بکر بن عبدالرحمن سلیمان بن یسار مدنی مولیٰ میمونہؓ خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق

فرمایا۔ "واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفۃ و دون الجھر من القول بالغدو و الاصال" اس میں دون الجھر معطوف واقع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول" کے قبیل سے ہے مثلاً "ولا تجھروا لہ بالقول" یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو۔ جیسے اعراب بولتے تھے۔ جیسے "ویغفر مادون ذلک" یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

"ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر" یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

"ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما"

یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہا کے جہر کو یا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد ص ۲۶۳ میں ہے۔ "فان الناس بغتنا دون الرجم قبلنا ھا" یعنی اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کر لیں گے (اسعد الغایہ صفحہ ۶۸) وغیرہ۔ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے۔ مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا "انہ من الاواھین" اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے۔ کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے۔ (ص ۱۹۱ اسعد الغایہ) (محمد عفا اللہ عنہ)

فرمایا: اذ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی میں ہے ص ۸۵

"ومعنى دون في الاصل ادنى من الشيء يقال دون ذلك اذا كان احط منه قليلاً" (ترجمہ) "دون اصل میں کسی شے کا کم درجہ ہونا" "ھذا دون ذاک" یہاں بولتے ہیں جب وہ شے دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو"

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی۔ دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا۔ جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید و حکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب و ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے۔ مفردات میں یہ ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے "وفی بالحقیقۃ واوفی بالمقام" سارے انس و جن بھی نہیں لا سکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لئے "توفی" کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقاء جسد کی تھی نہ بقاء روح۔

"توفی" وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا۔ اور بتلایا کہ موت سے وصولیابی ہوتی ہے۔ فنا محض نہیں۔ اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

"وجعلوا للہ شرکاء الجن" ظاہر ترتیب یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی "وجعلوا الجن شرکاء للہ" لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے۔ کوئی معمولی جرم نہیں کیا۔ خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا۔ یہی مراد اس ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مضامین کو صحیح دیکھنا ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے [illegible] کے شروح میں لکھا ہے۔ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدا اور معاش اور

سعادت اور فلاح جو نتیجہ دنیا کی آخرت وابستہ ہو۔

قرآنی حقائق

اس سے میری مراد امور غامضہ ہیں۔ جن سے عقول وافکار قاصر ہیں اور تجاذب وتجانب اور نزاع عقلا باقی رہا جیسا کہ "مسئلہ خلق افعال عباد" کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید ایسے مقام میں وہ تعبیر اختیار فرمائے گا جس سے "اولی بالحقیقۃ" تعبیر بشری طاقت سے باہر ہے۔

حضرتؒ کے ابتدائی دور کے حالات

ریل گاڑی میں بہاولپور سے براستہ راجپورہ و دہلی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے ملتے ہیں اور حاکم دارقطنی سے لیتے ہیں۔

احقر نے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی بیہقی کے لفظی الفاظ پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا "ان کی تفریح کی تھی"۔

حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کر لیا تھا اور فتح الباری کا مطالعہ دورہ بخاری کے سال میں کیا تھا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیز ہوتی تھی کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحاق کشمیری سے میں نے صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ پڑھی ہیں۔ وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسیؒ کے ہیں وہ اپنے والد سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے ہیں۔ "الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح اور بلوغ الارب وجلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" اور بھی بڑی نفیس کتب کے مؤلف ہیں۔ الجواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے ایک دفعہ امرتسر اور لاہور کے

درمیان عرض کیا کہ علامہ خیرالدین آلوسی کی ایک کتاب رد عیسائیت میں ہے۔ لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خریدی تھی۔ فوراً فرمایا۔ الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیریؒ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا۔ فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے۔ اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ وشنگ ہو۔ میں تو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے کبھی بولتا تھا۔ چپ سنتا رہتا تھا۔

فرمایا حضرت شیخ الہندؒ سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے تھے۔

حسین الجسر طرابلسیؒ

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسیؒ بھی ہیں۔ ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے۔ رسالہ حمیدیہ انہی کی تصنیف ہے۔ ان کا زہد و اتقا بڑا کامل تھا۔ فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا۔ یہ مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

محدث علامہ نیمویؒ کا ذکر

فرمایا ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو جامع الآثار مؤلفہ مولانا نیمویؒ حضرت گنگوہیؒ کے پاس آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں۔ میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی کو لکھا تھا۔ مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے "والزمھم کلمۃ التقوی" توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ "ولو ان اھل القری آمنوا واتقوا" طاعت کے معنی پر بھی بولا گیا ہے۔ "ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا فاتقون" ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ "واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ" بھی اخلاص کے معنی بھی رہتا ہے۔ "فانھا من تقوی

القلوب" حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس پر خوب لکھا ہے۔

قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے۔ ایسے ہی مطلق کی تقیید اور مقید کا اطلاق اور استثنیٰ اور ترک استثناء بھی نسخ ہے۔ ایسے ہی حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے۔ متاخرین کی سعی اس میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے۔ حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز الکبیر)

میرے نزدیک قرآن حکیم میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محمل ہی نہ نکل سکے بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ، مکان واشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ دوا گرم مزاج مزاج بارد اور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے اور مزاج گرم اور موسم گرما میں مضر ہوتی ہے اور چونکہ زمانہ ازل سے ابد تک واقعات جزئیہ پر منقسم وموزع ہے ظہور وخفا سابق ولاحق انعدام وایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے یعنی یہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیر وتبدل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے۔ لیکن مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے۔ جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے۔

مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں۔ یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید وتغییر ان کے اعتبار سے ہے۔ لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب اپنے وقت مقرر پر ہے کچھ تغیر وتبدل تقدم وتاخر نہیں اور

یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شے میں جاری و ساری ہے اور جو کوئی اس نحو وجود کا (کہ یہ تجدد حوادث متعاقبہ پر مشتمل ہے) بنظر غائر مطالعہ کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کو پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھ کر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے۔ جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آ جاتے ہیں جو ختم ہو گئے وہ وجود لفظی سے محو ہو گیا۔ جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظی کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں۔ یہ محو و ثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس کو "کتاب المحو والاثبات" کہتے ہیں اور اگر اس مجموعہ کو بحیثیت اجمالی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو "ام الکتاب" کہتے ہیں۔ یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے۔ "یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب" بعض محققین اس مجموعہ ثانی کو "مرتبہ قضاء" کا نام رکھتے ہیں اور مجموعہ اولی کو "مرتبہ قدر" کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لامشاحۃ فی الاصطلاح۔

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے بداء لازم آتا ہے۔ اور ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ بداء اور چیز ہے اور نسخ اور چیز۔ کیونکہ نسخ تو حسب وقت تبدیل مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے۔ بداء یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہو گئی۔ بداء میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے۔ یہ فرق ظاہر ہو گیا۔ نسخ بداء کو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فعل اتحاد وجہ اتحاد مکلف اتحاد وقت ہوتا اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان چار شرائط کے ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہو گیا اور نماز عید کی واجب ہو گئی یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے۔ مثلاً پہلے صوم یوم عاشورہ واجب تھا۔ پھر منسوخ ہو کر مستحب ہو گیا یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمانہ میں تھا اور استقبال کعبہ شریف دوسرے زمانہ میں ثابت ہو گیا۔ "فول وجہک شطر المسجد الحرام" خود ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں۔ مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو۔ بہاولپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک تحقیق کلام میں متعدد کتب

حاکم کی ایک حدیث کی بحث دکھا دی ہے۔

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدیری　　باراں صفت و بحر سمت ابر مطیری

"انا رحمة مهداة" حدیث شریف ہے، مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے (اور مشکوۃ میں بھی ہے) پھر کچھ اشعار سنائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا نعتیہ کلام

معراج تو کرسی شدہ و سبع سماوات　　فرش قدم است عرش بریں مسند سریری
ہر سر فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت　　ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری
ختم رسل و خاتم کل ختم ہدایت　　حقا کہ نذیری تو و الحق کہ بشیری
آدم بصف محشر و ذریت آدم　　در ظل لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا　　تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری
اورنگ ختم است کمال است بخاتم　　عبرت بخو بیتم کہ در دور اخیری
امی لقب و ذو حسب مرکز ایمان　　ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال　　تفصیل نمودند دریں دیر سدیری
ترتیب کہ دینی است چو واکردہ نمودند　　در عرصۂ اسراء تو نظمی و سفیری
حق است و حقے است چو ممتاز باطل　　آں دین نبی ہست اگر پاک ضمیری
آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر　　آیات تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری
آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نشد حل　　حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری
اے ختم رسل امت تو خیر امم بود　　چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در اصل اخیری
کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور　　باروئے سیاہ آمدہ و موئے زریری

اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے کہ تقریر دل پذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور اکفار الملحدین اور عقیدۃ الاسلام حضرت شاہ صاحبؒ کے اور صدع النقاب جساسۃ الفنجاب و ضرب خاتم کو داخل درس کریں کہ بغیر ان کے طلبہ یہ مسائل اور عقائد

حقیقت نفس کشف ہوتی۔ علمی رہنمائی میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم اور حضرتؒ سے استفادات

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بیک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہوسکے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تین تین صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ علمی ذخیرہ کہاں کھو گیا۔ خود فرماتے تھے جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

قصیدہ صدع النقاب مع ترجمہ حضرت مولانا محمد انوریؒ

حضرت کا قصیدہ صدع النقاب جب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا پہلا جلسہ ۱۹۳۳ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سکروڈوی خادم حضرت شاہ صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے۔ یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا۔ لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا ہے۔

(چند اشعار بطور نمونہ مع ترجمہ اردو درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۶۲ اشعار پر مشتمل ہے۔

الا یا عباد اللہ قوموا وقوموا　　　خطوباً المّت مالہن یدان

اے اللہ کے بندو اٹھو اور ناقابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔

بسب رسول من اولی العزم فیکم　　　تکاد السماء والارض تنفطران

آپ اولوالعزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جا رہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

وحارب قوم ربہم ونبیہم　　　فقوموا لنصر اللہ اذ ھو دان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی لڑی۔ خدا کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے۔

ولقد عیل صبری فی انتهاک حدوده   فهل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا۔

واذ عز خطب جئت مستنصرا بکم   فهل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا۔ پس اے میری قوم ہے کوئی فریاد رس جو میرے قریب ہو۔

لعمری لقد نبهت من کان نائما   واسمعت من کانت له اذنان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا۔

ودعوت قوما فی فریضة ربهم   فهل من نصیر لی من اهل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے

دعوا کل امر واستعدوا لما دهی   وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے ہیں۔ یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعمشؒ نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا۔

انا نعزیک لا انا علی ثقة   من البقاء ولکن سنة الدین
فلا المعزی بباق بعد میته   ولا المعزی وان عاشا الی حین

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن یہ سنت ہے دین کی۔ پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں۔ (آخر سب کو موت ہے)

"جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن"   (محمد غفرلہ)

قرآن مجید کی ۱۴ آیات کا جلنے سے محفوظ رہنا

فرمایا حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزارہا گھر جل گئے۔ اور قرآن بھی جلے۔ لیکن یہ آیات نہ جلیں۔

ذلک تقدیر العزیز العلیم وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی الرحمن علی العرش استوی لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثری۔ یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون

آیات خلاصہ

فرمایا تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دکان گھر یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

عمل شفا

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو ازالۂ مرض کے لئے مفید ہے۔ یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

حضرات صحابہ کرام کا تعلیم و تبلیغ کے لئے دنیا میں پھیل جانا

فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض بعض علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ مثلاً ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف تعلیم کی خاطر بھیجا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ

بیت المال سپرد کیا۔ اور حضرت عمارؓ کو امامت کے لئے بھیجا تھا۔ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک قریہ میں چودہ سو صحابہ آباد تھے۔

الحاصل صحابہ کرام مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم یا اسلام کو پھیلانے کیلئے نکل گئے تھے۔ سو گروہ مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام "دار الہجرۃ" کا رہنے والا تھا تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالکؒ امام دار الہجرۃ تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہ عراق میں بس گئے تھے اور وہیں علم نحو مدون ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوئی۔ آپؓ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت "ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ" میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا۔ تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو اسود دؤلی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ خطا لفظی سے لوگ محفوظ رہیں۔ پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا۔ "کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب و کل مضاف الیہ مجرور"

علم نحو وغیرہ کی تدوین

پھر فرمایا "انح نحوہ" پھر اسود دؤلی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی۔ حضرت علیؓ نے تصویب فرمائی۔ پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے مگر لکن چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا۔ غرض حنفیہ کو بھی فضیلت حاصل ہے۔

حضور علیہ السلام کا پیٹھ پیچھے بھی دیکھنا بطور معجزہ تھا

فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے "انی اراکم من وراء ظہری" یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا۔ ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔

فلسفہ جدیدہ

ارکعوا اور اتموا الرکوع میں فرق ہے۔ ثانی ابلغ ہے اس لئے کہ یہ لفظ بیان

مستعمل ہوتا ہے جہاں لولاہ لا لعدم الشئی مراد ہوتا ہے لہٰذا ترجمہ قول یقیمون الصلوٰۃ کا یہ کریں گے کہ برپا رکھتے ہیں نماز کو حتیٰ کہ اگر برپا نہ رکھتے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔

نماز کا افتتاح

ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سبحٰنک اللّٰھم و بحمدک بعد تکبیر کے پڑھے۔ اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کو جہراً پڑھا ہے۔ یہ تعلیماً تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مختار اللّٰھم باعد الخ ہے۔ یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے اور جو ہمارا مختار ہے وہ تو تعامل کے اعتبار سے قوی ہے اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔

تعامل سلف

یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہئے کہ قوۃ سند پر حصر اور تعامل سلف سے اغماض بہت دفعہ ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی۔ پس لوگوں نے اسی کو پکڑ۔ حتیٰ کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔

سورۂ مزمل میں نصف بدل ہے

فرمایا کہ سورۂ مزمل میں نصف بدل واقع ہو رہا ہے اللیل سے۔ اس لئے ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین تمام لیل کے بچ رہ گیا۔ اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ بہرحال مجموعہ نصف لیل ہے۔ یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ مادون الثلث قلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "الثلث کثیر" مجموعی عبارت یوں ہے

قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ای اوقع القیام فی ھذا الوقت المعلوم علی ھذہ الصور

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے لے لیا۔ چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی۔ کما فی الاحادیث باقی تمام اس کے سوا کی طرف پھیرا گیا اور اس کا

محور نصف لیل رکھا گیا اور اس پر حکم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلی کو اختیار دیتے ہیں۔ و من اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک میں بھی کل لیل کا احصا مطلوب نہیں۔

وتر کے بارے میں تحقیق

فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی روایت کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے۔ یہ روایت دار قطنی میں مختصراً آئی ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔"

شیخ نیمویؒ نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں تیرہ رکعات صلوٰۃ اللیل ذکر کی ہیں۔ ان دونوں کی ایک ہی سند ہے۔ ایک ہی متن ہے یہ راوی کا تفنن ہے۔ جب جمیع طرق حدیث جمع نہ کیے جائیں تو ایسا ہی مغالطہ لگ جاتا ہے۔

یایہا المزمل الخ میں رات کے تین حصے کر دیئے

فرمایا یایہا المزمل (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے۔ ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا۔ اگر اس میں عشاء ہوا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا۔ اور اگر نوافل ادا کیے تو دو ثلث لیل ہو گئے۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہئے کہ نصف مد نظر رکھئے تاکہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلوٰۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو جناب مفتی عتیق الرحمٰن فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے۔ ان کے سوال پر تقریر فرمائی اور (یایہا المزمل کی تفسیر فرمائی)۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ مسئلہ خوب ذہن نشین ہو گیا۔ مجھے بڑا خلجان رہتا تھا۔ اب صاف ہو گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی دو پیشگوئیاں

مفتی عتیق الرحمٰن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میں نے کبھی پیشگوئی نہیں کی۔ یہ دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں۔ عرض کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب شہرت ہوگی"۔ "دو ہندوستان ضرور آزاد ہوگا"۔ اس کے بعد مظالم کی انتہا ہوگی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال کا سال تھا۔ ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا۔ یہ واقعہ اگست ۱۹۳۳ء کا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کا واقعہ

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند کے اسٹیشن پر آیا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھی۔ تمام لوگ بے تاب تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے آنسو بہہ رہے تھے۔ طلباء و اہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ گزرنا مشکل تھا۔ جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ پھر بہت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا۔ اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ تابوت اٹھائے ہوئے تھے روتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ کی طرف آرہے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں "ولم ار مثل الیوم کم کان باکیا" یعنی اس دن جتنے لوگ رو رہے تھے ایسا منظر میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

تعزیتی جلسہ اور حضرت شاہ صاحب کا عربی مرثیہ

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی۔ کئی اکابر نے مرثیے پڑھے۔ حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے اور آپ نے ایک عربی مرثیہ قصیدہ پڑھا جس کے آخری شعر [illegible] درج ہیں۔

فقالنک من ذکری مزار قسمها   مصیفا ومشتی ثم مرأی ومسمعا
قد احتفه الآفاق عطفا وعطفة   وبورک فیه مربعا ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا۔ سب حاضرین رقت گریہ بکا تھے۔

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست   در زمین و آسماں جز نام حق آباد نیست
بر روان رہرواں بار صحیح بفرستہ باش   حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرح حال خود نمودن شکوۂ تقدیر نیست   تا نہ بر منت نمودن نوحہ و فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن و ملال کا اظہار کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے آنسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا تھا۔ "انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون" اور آنسو جاری تھے۔ طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز۔

۱۹۲۹ء کا جلسہ لاہور اور امیر شریعت کا تقرر

۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا۔ اس میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب بھی تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے ولولہ انگیز تقریر کی اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہئے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ "مجھے کچھ ذکر و اذکار تلقین کیجئے"۔ ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔

پھر میں نے کہا کہ کچھ روز دیانت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے۔ لہٰذا میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ سید عطاء اللہ صاحب کھڑے رو رہے تھے اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بھی آنسو جاری تھے۔ بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا۔ ہمارے حضرت رائے پوری بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے رد قادیانیت پر لگایا تھا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائے پوری کی خدمت میں سناتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانویؒ نہایت شفقت سے ملے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں۔ ہمارے سرپرست تو رخصت ہو گئے تو حضرت تھانوی فرمانے لگے "اجی شاہ صاحب کے کیا کہنے میں تو انور شاہ صاحبؒ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں جیسا کہ امام غزالی کے متعلق لکھا ہے۔

تفسیر قولہ تعالیٰ بلیٰ من کسب سیئۃ الآیۃ

قولہ تعالیٰ: بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خٰلدون.

اس کے ذیل میں جب یہود کے قول "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ" بیان کیا اور فرمایا کہ انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا چوری لواطت بھی حرام ہے۔ یہ کبائر ہیں۔ لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور و عصیان ہے۔ العیاذ باللہ اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دی ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا۔ بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا۔ یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس الامر (حقیقت) میں ثابت ہے۔ خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو۔ خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو جحود اور کفر

زندقہ اور الحاد کہتے ہیں اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اسی کو کہتے ہیں " الفاسق لا یخلد فی النار" چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہودی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی عبارات سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس فرقہ نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں شبہ کیا اور کہہ دیا "لن تمسنا النار الا ایاما معدودات" حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا ہے "کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے" "اتخذتم عند اللہ عهدا ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون" کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہودی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماول جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیق بیان سے ان کے اس شبہے کو حل فرما دیا کہ "بلی من کسب سیئة واحاطت به خطیئته" الایۃ کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب "خلود فی النار" کا ہے جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے گا۔ زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے زمانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔
"مراجعت کرو فتح العزیز" کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

واتبعوا ما تتلوا الشیاطین

"واتبعوا ما تتلوا الشیاطین" یعنی انہوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے اب تک۔

"وما کفر سلیمان" یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مشتمل کفر کے ہے۔ وما انزل علی الملکین الخ اس کا عطف "ما تتلوا" پر ہے۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا۔ بلکہ عطف تو مغایرت پر دلالت کرتا ہے محض لفظوں

میں قرآن کے باعث پشیمان ہوتا ہے بے شک وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شرک ہے اور نتیجہ اس کا ضرر ہوتا ہے۔ مثلاً اور یہ طبیعۃ مثلاً (اسغول اس کا لعاب چھتے ہیں اگر اس کو چیز کھا تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل عشق کرتے ہیں کہ کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے)

"حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر" وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا ناجائز استعمال نہ کرنا جس کا نتیجہ برا نکلے اور عقیدت تسخیر کے باعث اس کو کفر فرما دیا گیا۔ اس واسطے کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے پھر اس کو استعمال کرے دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں کہ ہاروت ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا بلکہ حضرت علیؓ کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا دیکھو جو ابن جریرؒ نے ربیع سے نقل کیا ہے اور اس کو ابن کثیرؒ نے صحیح کہا ہے بلکہ تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہدؒ سدیؒ ربیع بن انسؒ حسن بصریؒ قتادہؒ ابوالعالیہؒ زہریؒ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق ومصدوق ومعصوم سے ثابت نہیں اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے کہ اس اجتناب پر ایمان لانا جزو نہ بنے بغیر اجتناب کے اور موضح القرآن میں "یلحدون فی اسمائه" میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے۔ "والذین یلحدون فی اسمائه" الآیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو تاکہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چھوڑو کج راہ۔ کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتائے بندہ وہ کہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہو تو سیانا نہیں کہو اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے اپنے ٹکے کا عمل بار پڑھیں گے۔ یعنی قرب خدا نہ ملے گا۔ وہ مطلب بھلا ہو یا برا۔ یا یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت ماروت سے سیکھتے تھے اور جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا ان دونوں میں خلط ملط کرتے تھے۔ جس طاہر اور غیر طاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر۔ میں یہ ایسا ہوا جیسے قولہ تعالیٰ

یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً پس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا۔ جیسے علم دین پڑھے "لیجاری به العلماء ولیماری به السفهاء" پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے یہ وجہ بھی کی گئی ہے کہ یہاں ما نفیہ ہے۔

کان الناس امة واحدة

"کان الناس امة واحدة" حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ایک ہی راہ ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف نکلے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں۔ پھر کتاب والے کتاب سے نکلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی۔ سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ اب آخری کتاب میں ایسی دوا فرمائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے۔ یہ سب کے بعد کے لئے بہت ہوئی۔

ھدایة کے معنی طریق حق وصواب کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے اختلاف کیا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے اور بعضوں نے ترک کر دیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں "لما اختلفوا فیه من الاسلام" ہے۔ (البحر المحیط)

چنانچہ "وما تفرق الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءتهم البینة وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء."

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

حضرتؒ کی تمنا و شفاعت نبویہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے جامع مسجد دیوبند میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ

"تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ" تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی۔ شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جانثار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا۔ یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔

حضرت ابوسفیانؓ کا ایمان

فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان ہی کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ حتیٰ کہ جنگ احزاب میں جو ابوسفیان آتش عداوت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہی جب ایمان لائے تو جنگ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے۔ فرما رہے تھے "لوگو! یہ موقع روز روز ہاتھ نہیں آتے۔ آج وقت ہے خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت دو۔ خوب جوش دلا رہے تھے تا آنکہ میدان جیت لیا۔

توفی حیات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے

احقر نے عرض کیا کہ حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہے؟

فرمایا ہاں۔ "اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها"

اس میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے۔ موت واقع نہیں ہوئی۔ جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا "هو الذی یتوفکم باللیل" پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پور لودی ضلع جالندھر پنجاب میں حیات مسیح پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے۔ بچے یتیم ہو جاتے ہیں عورت بیوہ ہو جاتی ہے بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے۔ (کبھی مدت العمر کھل کھلا کر نہیں ہنسے)

عید مسلم کی حقیقت

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضا کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں جو نعماء ربانی اور کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل و جود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ اور بہار فانی۔ پھر اس پر کیا

مسرت دائمی سامان جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد غم ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے۔ اسی لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے۔

لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرمد اور ابدی سرمدی مسرت کی مظہر ہے جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہ صمدیت سے وابستہ ہے منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل و احسان سرمدی غیر فانی ہے یہ مسرت و فرحت اور خوشی واقعی عید ہے اور ایسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے:۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا

یعنی خوشی و مسرت درحقیقت خدائے قدوس کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہئے۔

عید الٰہی

حقیقت بیں نظریں اور راز معرفت نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس کہ جس کو عالم امر و قوانین کہنا بہتر ہے بہت کچھ عالم تکوینی کے مظاہر و شواہد پر قائم کی گئی ہے تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے۔ اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے۔ عالم تکوین کی ابتداء اور اس کا منصہ شہود میں آنے سے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو محفوظ رکھنے کی ہدایت و تعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض و سموات اور کائنات عالم کو چھ روز میں پیدا کیا۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السموٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح روز و شمار بھی اسی تکوین عالم سے اخذ کی گئی۔ چھ روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کی سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب عزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا۔ ثم استوی علی العرش

استویٰ علی العرش کی مقامی توجیہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے اس کے معنی کیا ہیں اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفسیروں کی طرف مراجعت ضروری ہے کیونکہ یہ ان ہی امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ "الاستواء معلوم والکیف مجہول" یعنی یہ مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات و تاویلات کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین و فلاسفہ کے زیغ کو دیکھ کر کی ہیں تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اس بحث میں نظری تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد و عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جد و جہد کی ہے۔ مناسب مقام اس کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ رب العالمین نے ارض و سموات کو چھ روز میں پیدا کیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ و شہنشاہیت کے تسلط و غلبہ کا مظاہرہ اور تمام عالم اس کے زیر اقتدار ہونے کا مظہر کیا کیونکہ عرش ہی پر اس کا تسلط اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سموات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت و سطوت کا اظہار کرتا ہے۔

ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض و سماوات کی مدت ستہ ایام چھ روز قرار دی ہے اور مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا۔ پس اگر تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی میں ختم ہو جاتا ہے اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا لہٰذا کوئی صورت ایسی ہونی چاہئے جس سے کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستہ ایام کو باقی رکھا جا سکے اور استواء کے لئے ایک روز فاضل بنایا جا سکے۔ اس اشکال کے پیدا ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین

نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے جس میں تخلیق ارض و سموات ہوئی ہے حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستہ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا ہے۔ بلکہ ایک عرصہ مدید کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور تخلیق ارض و سموات سے متصل جو جمعہ آیا تھا وہی درحقیقت استوا علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ جن حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے ان کے لئے ضروری ہے تو یہ اس حقیقت کی اقرب شناسائی کے لئے کوئی دشواری ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اسی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین و تحقیق ہے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم سبت ہفتہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم استراحت اتوار ہے اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں یوم تعطیل کا دن جمعہ ہے۔

غلطی ابن تیمیہ

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم سبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے۔ اس اشکال کو اس سے اور بھی زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتے کے روز کو کہتے ہیں۔

عروبہ و عرفہ

ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جاہلیت میں دنوں کے نام جدا تھے جو اب ان کے یہاں مستعمل ہیں۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی ان کے واضع ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے۔ اردو زبان میں عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے عید کی صبح یوم

یہود عروبہ کا سمجھتے تھے اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ بہر حال چونکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے ہیں تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو ساتواں اور اتوار کو اس سے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور شمار وہ علمائے اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انہوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلاف تحقیق ہے۔ اس لئے کہ مسند امام شافعی کی روایت میں مذکور ہے کہ استوا علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی۔ لہذا ان دونوں روایتوں کی بناء پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلاشک وشبہ یوم السبت جمعہ ہی کا نام ہے۔ اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ شرف و معزز رہا ہے کیونکہ اسی دن ہی رب العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا ہی نصیب زبردست تھا اور ان ہی کی قسمت یاوری کی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں نے پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امتوں کو اس شرف سے محروم رکھا محدثین نے دو توجیہیں کی ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا۔ پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پا سکا۔ جس کو امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں

کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور بعض رنجشوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارہ میں تنگ کیا کہ وہ خدا کو کہہ کر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں۔ اس لئے وہ اس جنگ وجدال کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے اور بالآخر امت مرحومہ کے حصہ میں یہ شرف آنا تھا سو آ گیا اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

خدائے بزرگ و برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ بطفیل خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ بہت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ اور ہر ایک مسلمان عید الٰہی کے باغ اور اس کی بارگاہ میں شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

ایام ربانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے۔ کیا ان ایام کی مقدار ایام معمولی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین و صوفیائے کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں۔ اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ درگاہ صمدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تفصیل بھی نسیاً منسیا ہے کیونکہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت و سکون کی نسبت ان ہی اجرام و اجسام کی طرف کی جا سکتی ہے جو ان کا محتاج ہو۔ لیکن خالق حرکت و سکون اور مکون زمانہ و زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار۔ تعالیٰ اللہ علواً کبیرا۔ لہذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کاسدہ کی تفہیم کے لئے ہے۔ اس لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہوگئی ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام ایام معمولی کی طرح تھے نہ زیادہ اور نہ کم اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔

یوم ربوبی ایک نکتہ لطیف

اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے کیونکہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گزرے ہیں اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلیٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہوگیا۔ جس کی انتہاء وجود قیامت پر ہوگی اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخر الزماں ساتویں ہزار میں آئے گا اور اس پر ایمان لائیں گے لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخے کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخر الزماں پر ایمان نہ لائے۔ بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ کو اعتبار تھا لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترا تو اس کو ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا اور یہ قوم اس بارے میں قاصر ہی رہی۔

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الٰہی کی ادائے شکر میں اس کا راز مضمر ہے اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فرعون مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً و قہراً سہا کئے۔ لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی توہینوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا اور غلامی کی

لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک منظر کو منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ بہ سلامتی موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اولیٰ میں قلزم سے پار ہو گئے اور خدائی کے جھوٹے مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہو گئی۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اسی کی یادگار کے لئے یہ عاشورہ کی عید ان کے مذہبی ارکان میں داخل کی گئی۔ تاکہ اسی دن میں روزہ رکھ کر بنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں اور اسی روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اولیٰ یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا۔ پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشورہ کا ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اسی دن یہود عاشورہ کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں اور شکر الٰہی بجا لائیں۔ لہٰذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہو سکتا ہے لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود مدینہ میں دو قسم کی جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں

جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ آ کر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا انتظام کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے۔ پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی۔ اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتنا کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی اسی طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے لئے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا۔ جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دارومدار اور اس کی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پر مبنی ہے۔ رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینت من الھدیٰ والقرآن

وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا۔ وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کن اور احکام الٰہیہ کا آخری پیغام ہے رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی۔ پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزوں کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔ لہٰذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے

بعد اسلام نے ایک دن خاص دعوت الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا۔ اور اسی کا نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات و انوار کو حاصل کیا۔ عید کی حقیقی و ابدی مسرت سے حصہ پایا اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی ذات میں جگہ دی اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہلاتا ہے۔

اتمام نعمت اور قرآن عزیز

خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تئیس سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیضیاب کرتا رہا۔ آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمۂ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی اور ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دو بڑی عیدیں تھیں اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہر حال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خاص فضل و انعام کے تشکر و امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر، عید الاضحیٰ، جمعہ، عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی ہے۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اس کی

کی خوشی رنج، سرور، حزن ومسرت سب خدا کے لئے ہے ان کی تمام عمر کی تجربات اور واقعات سے پاک روزی ہیں وہ ان کا ہر ہر جز صرف خدا کے لئے اور حق کی یاد سے معمور ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

حضرت شاہ صاحب کا کلام دیکھو خواجہ حافظ شیرازی کے طرز پر ہے خواجہ حافظ نے لکھا ہے۔

شاہد دل ربائے من می کند از بہانہ ہا　　تیغ و نگاہ و زلف او می زند از زمانہ ہا

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

در ہمہ سیر و گردشے کشف شدہ حقیقتے　　گرچہ شدم بہ رنگ ہم خاک بخود ربانہ ہا

گرچہ بہم فراغتے از ہمہ مرگ ساعتے　　شرح وبیان آں ہمہ قصہ بقصہ تو بتو

راہ طرف حرم سفر ہر چہ بود ہجر اقدر　　آنچہ کہ گفتہ ام زنو قطرہ بہ قطرہ جز بجز

والد بزرگ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے حضرت کا ایک مرثیہ نعتیہ ہے جو قصیدہ لامیہ امام کے آثار میں لکھا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

مرثیہ نعتیہ فارسی

دوش بودم از سپیدی موئے غزال شدم　　تجہ باقی یار در صحرائے مستقبل شدم

از سفر الدام آخر طالب منزل شدم　　گر تو بہ سوختہ شدم قربان در رہ

یہ قصیدہ بہت طویل ہے ہم نے صرف چند مصرعے درج کئے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

محدثانہ تحقیق بابت تراویح و تعامل سلف

ایک بار ۱۳۴۸ھ میں ترمذی شریف کے درس میں حضرت سے سوال کیا کہ حضرت عائشہ کی حدیث آتی ہے یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یوتر بثلاث (الحدیث)

کسی نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں اس کا کیا جواب

بے محل تھا کیونکہ اس حدیث میں ایک تو فی رمضان وغیرہ ہے حالانکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند کرتے تھے وتر پڑھنے سے پہلے پہلے جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہؓ کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیونکہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کے متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ

حدیث یہ ہے۔ فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه (مشکوٰة)

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق نقل سے ہوتی ہے نہ کہ کسی کے عمل کو دیکھ کر۔ جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیینؓ کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تا کہ اختلاف رفع ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں

فائدہ:۔ کہ خلفاء راشدین مہدیین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ بھی حدیث ہے

وكان القارئ يقرء سورة البقرة في ثمان ركعات فاذا قام بها في اثنا عشر ركعة رأى الناس انه قد خفف. رواه مالك

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا اور بھی موطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں اور امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی حضرت ابیؓ ہی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ راوی کہتا ہے۔ حتی خشینا الفلاح اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کہ حتی خشینا الفلاح کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تمام شب پڑھنا چاہئے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔

جب روایات متعارض آ رہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔

(اور حدیث ما انا علیہ و اصحابی صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہئے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اولیاء امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہم کا صاف ارشاد ہے جو مشکوۃ اور ابوداؤد شریف میں مذکور ہے کہ ان کے گہرے علوم تھے اور صاف قلوب تھے پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ کر چھوڑنا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیں صحابہ کرام ہی کے تعامل سے معلوم ہوئی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احبھم فبحبی احبھم فمن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور نے اپنے صحابہ کے اتباع کے متعلق فرمائی ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے اس وعید سے ڈرنا چاہئے۔ خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

فتنہ کے معنی

(۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحبؒ فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

شہید

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید

اس میں بڑی یادداشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مشغول نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی کو یہ فرما رہے تھے کہ دیکھنا مشغول نہ ہونا۔

رفع عمل صالح کے معنی

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں کیونکہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

اذا غلا واشتد

اذا غلا واشتد۔ جو فقہا شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

بدیہی کے معنی

ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے وہ بدیہی ہے جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں۔ سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں اور تم سلم کی عبارت سناتے ہو۔

حلول کے معنی

حلول کے معنی ہیں گھس جانا۔ خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

جسم کے معنی

فرمایا کہ فلاسفۂ یونان نے جسم کے معنی کہے ہیں۔ قابل لابعاد ثلاثہ اور جسم کہتے ہیں جو ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو۔ قابل لابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولیٰ پر صادق نہیں آتی اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے اور وہ تحریر بہت لمبی ہے میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ میری تحریر امام غزالی سے زیادہ محقق ہے۔

علامہ ابن رشد کا علمی مرتبہ

جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتابیں طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیں اور ان کا امام غزالی پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایۃ المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

ضرب الخاتم اور علامہ اقبال

فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ نیوٹن کی چیدہ تصانیف دیکھی ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور مرقاۃ الطارم اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ پھر اقبال نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی۔ اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ضرب الخاتم کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی نہیں سمجھ سکا۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات علامہ اقبال کی زبانی

ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاولپور میں ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا۔ غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے لیا ہے اس

کی اپنی تحقیق نہیں۔ یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے۔ یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبالؒ نے خطبہ صدارت سنایا تھا یہ بھی سنایا تھا۔

دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنۂ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا۔ اس جلسے میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور دکن حیدرآباد سے مولانا حبیب الرحمن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں تمام پروفیسر حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبانی سن کر حیران رہ گئے۔

الفاظ حدیث کی صحیح ترجمانی کا اہتمام

مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا اور یہ حدیث سنی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھیں۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارنپور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھا لیا اور اسٹیشن پر پہنچا دیا اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے میں اس وقت مولانا حشمت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا حشمت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرتؒ کی شہسواری اور شوقِ شکار

ہم اکثر حضرتؒ کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرتؒ کو بٹھاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھچوایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ یہ مصالح استعمال کرتے ہو۔ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

حضرتؒ فلسفہ جدیدہ کے بھی عالم تھے

ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔ جامع الملفوظات بجنوری نے بزمانہ قیام مصر ۱۹۲۸ء میں اسکندریہ سے قاہرہ کا سفر ہوائی جہاز سے کیا تھا تو اس وقت کانوں میں روئی ٹھونسنی پڑتی تھی کیونکہ آواز سخت ہوتی تھی بلکہ ہوائی جہاز سے اتر کر بھی گھنٹہ سوا گھنٹے تک کان گنگناتے رہتے تھے اس آواز کے لئے حضرتؒ نے یہ فرمایا تھا۔

غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب تو آیۃ من آیات اللہ تھے۔

حوالہائے کتب کا بے نظیر استحضار

قادیانی مختار مقدمہ بہاولپور نے کہا کہ آپ حوالے دیں آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالے دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا۔ پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

درس کے دوران ظرافت بھی

آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق ۱۳۳۶ ہجری میں جب حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمائیے غریب پرور۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرہ

ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ

۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیان سے لاہور آ کر کل ہیضے سے چل دیئے۔ خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نخستیں مے کہ اندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا۔

ز دریائے ما موج ارادہ حباب الخلق عادت نام کردند

حضرت بلال اور حدیث زیارۃ نبویہ

حضرت نے ابوداؤد کی پوری حدیث کا متن سنا کر فرمایا کہ یہ حدیث آثار السنن جلد نمبر۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے اور لسان المیزان میں بھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلالؓ شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفا کاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے۔ جب حضرت بلال جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے شریف کا رخ کیا۔ جب مدینے تشریف لائے روضۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا (دو جملوں کا ترجمہ رہ گیا) تو حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلالؓ کو ملے حضرت بلالؓ نے دونوں سے معانقہ فرمایا اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا اور پیار کیا ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا۔ جب اشهد ان لا اله الا الله فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اشهد ان محمدا رسول الله فرمایا تو

تمام عمر میں تین بار [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما انا قلت کی جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے ما انا حملتکم ہے۔ بخاری ص ۹۹۲ ج ۲۔

تقدیر خیر و شر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رھط من الاشعریین استحملہ۔ الحدیث من تعوذ باللہ من درک الشقاء و سوء القضاء و قولہ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ معلوم ہوا کہ بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا ان کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص ۹۷۶ جلد ۲۔

قادیانی کا اعتراض و جواب

قادیانی نے بہاولپور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں قتل نہ کرایا؟؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً جواب دیا کہ شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ ابن صیاد نابالغ تھا۔ نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ یا یہ تھے یہود کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ ۱۲ میں ص ۹۵۹ جلد ۲ پر لکھتے ہیں۔ لانه كان غير بالغ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا کمال تقویٰ

حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال پر جب مئی ۱۹۳۳ء میں دیوبند میں حاضر ہوا تو مولانا لکھنوی صاحب موجود تھے کہ آپ [illegible] بابا کہ اپنی بچی سے کہو کہ ہمارے [illegible] اپنی بچی کے پاؤں سے یہ جوتی نکال دے۔ میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

منشا [illegible] (حضرت شاہ کی بچی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے [illegible] بابا جوتی نہیں ہے [illegible] ص ۳۶۹

مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے۔

قال علی بن سعد بن الزبیر خبرہ ان مولاۃ لہم ذہبت بابن الزبیر الی عمر بن الخطاب فی رجلہا اجراس فقطعہا عمر ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مع کل جرس شیطانا۔

حضرت شاہ صاحب کا تقویٰ دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجہ تھا، مگر حضرت شاہ صاحبؒ بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

تحقیق انور کہ روزوں کی بھی کٹوتی ہوگی

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث آتی ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے وہ حدیث یہ ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینا من لا درہم لہ ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلاۃ وصیام وزکوۃ ویاتی قد شتم ہذا وقذف ہذا واکل مال ہذا وسفک دم ہذا وضرب ہذا فیعطی ہذا من حسناتہ وہذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اخذ من خطایاہم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار۔ [illegible]

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے۔ جس سے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط تھا۔

ایک قادیانی کو برملا جواب

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھ سے کہنے لگا کہ "شاہ صاحب ہمارا بھی تو قرآن پر ایمان ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہ

اسمه" میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ "ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ بھی ہے۔ ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء" یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

مرزا قادیانی کو مسکت

ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی۔ لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی۔ بس میں مسیح ابن مریم ہوں۔ میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجال ہیں۔

(۳۷۲) قصیدہ معراجیہ

(مع ترجمہ حضرت مولانا محمد انورؒ)

تبارک من اسریٰ و اعلیٰ بعبدہ   الی المسجد الاقصیٰ الی الافق الاعلیٰ

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد اقصیٰ تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا۔

فتح الباری جلد ۷ مصری ص ۱۲۶ و فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما عند احمد فلما اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسجد الاقصیٰ قام یصلی فاذا النبیون اجمعون یصلون معہ۔

الی سبع اطباق الی سدرۃ کذا   الی رفرف ابہی الی نزلۃ اخری

ساتوں آسمان تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک۔ خوبصورت رفرف تک اور نزلۃ اخریٰ تک اسے بھی سیر کرائی۔

یسری بہ من حفلۃ ملکیۃ   لیشہد من آیات نعمتہ الکبری

اور حق تعالیٰ نے آپ کے اعزاز میں شاہانہ محفل سجائی تاکہ آپ مشاہدہ کریں باری تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں اور نشانیوں کا۔

زرقانی جلد نمبر ۱ شرح مواہب لدنیہ مصری ص ۵ فی حدیث ابی سعید عند

البيهقي في ذكر الانبياء الى باب من ابواب السماء الدنيا يقال له باب الحفظة و عليه ملك يقال له اسماعيل تحت يده اثنا عشر الف ملك

و في حديث جعفر بن محمد عند البيهقي ايضاً يسكن الهواء لم يصعد الى السماء قط و لم يهبط الى الارض قط الا يوم مات النبي صلى الله عليه وسلم و في حديث ابي سعيد عند البيهقي في الدلائل و بين يديه سبعون الف ملك مع كل ملك جنده مائة الف فتح الباري جلد نمبر ٧ ص ١٣٥ و في رواية لابي سعيد في شرف المصطفى انه اتي بالمعراج من جنة الفردوس و انه منضد باللؤلؤ و عن يمينه ملئكة و عن يساره ملائكة

براق يساوي خطوه مد طرفه   فهيج له و اختير في ذلك المسرى

ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔

وہ آپ کیلئے مقرر کیا گیا اور اس سیر گاہ میں پسند کیا گیا۔

و ابدي له طي الزمان لفاقه   و ويدا عن الاحوال حتاه ما اجري

اور زمانے کو چہرہ آپ کے لئے ظاہر ہوا جس کی رفتار روک دیا

تھوڑی دیر کے لئے (اپنے چکر سے) حتیٰ کہ وہ زمانہ نہ چلا۔

و كانت لجبريل الامين سفارة   الى قاب قوسين ستوى ثم ما تقصي

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سفیر تھے

قاب قوسین تک (ٹھہر گئے) پھر انتہا تک نہیں گئے۔

بخاری شریف جلد ثانی ص ١١٢٠ ثم علا به فوق ذلک بما لا يعلمه الا الله حتى جاء سدرة المنتهى و دنا الجبار رب العزة فتدلى حتى كان منه قاب قوسين او ادنى فاوحى الله اليه فيما يوحي الله خمسين صلوة على امتك كل يوم و ليلة ثم هبط حتى بلغ موسى فاحتبسه موسى فقال يا محمد ماذا عهد اليك ربك قال عهد الي خمسين صلوة

لہ غلطی زمانہ "مستقل" معلوم ہوتا ہے

اذا خلف السبع الطباق وراءه وصادف من اولى لرتبة الاولى

جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔

اور آپ نے پالیا جو کہ آپ کے رتبے کے متعلق تھا جس سے آپ وعدہ کیے گئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے قصیدہ میں عرض فرمایا ہے۔ كذا في النبهانية

بنى خص بالتقديم قدما و آدم بعد في طين وماء
علا ودنا وجاز الى مقام كريم خص فيه بالاصطفاء
بدا قمرا ببدر في نجوم من الاصحاب اهل الاقتداء
وسر بربه جهرا سواه لسر فيه جل عن امتراء

نخبة الاسلام مع عقيدة الاسلام ص ۳۹

وكان عيانا يقظة لايشوبه منام ولا قد كان من عالم الرؤيا

اور یہ عروج بیداری کی حالت میں تھا حالت نیند کی ملی ہوئی نہ تھی نہ تھا خواب کے عالم سے

اور شیخ ابن حجرؒ نے بیداری کی حالت میں معراج کے حاصل ہونے کی تصریح کی ہے شرح مواہب اللدنیہ زرقانی مصری جلد نمبر ۶ ص ۱۱۹ تک بھی بتمامہ نے نقل کیا ہے۔ ص ۳۶۵ ج ۸

شرح المواهب اللدنية للزرقانى العيان بكسر العين المشاهدة

قد التمس الصديق ثم فلم يجد و صحح عن شداد البيهقي كذا

جیسے آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیقؓ نے تو آپ کو نہ پایا۔

اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس سے امام بیہقی نے اسی طرح

یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد ۳ ص ۲۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے۔ اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور ابن کثیر نے جلد ۳ ص ۱۳ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے۔ اور دیکھو شفا قاضی عیاض۔

رأى ربه لما دنا بفؤاده ومنه سرى للعين مازاغ لايطغى

جب آپ قریب گئے تو آپ نے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک سے (زرقانی) ج ۶ ص اور قلب سے رویت سرایت کر گئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی اور ماطغیٰ تھی تو آنکھ نے تجاوز عن الحد کیا اور نہ کجی

ما كذب الفؤاد ما رأى

رأى نوره الذي يراه مومن   وأوحى إليه عند ذلك بما أوحى

اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہاں دیکھ سکتا ہے اس کو اور باری تعالیٰ نے اسی وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔

بحثنا فآل البحث اثبات رؤية   لحضرته صلى عليه كما يرضى

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رویت ثابت کی جائے۔ آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیسے کہ راضی ہو۔

وسلم تسليما كثيرا مباركا   كما بالتحيات العلى وبه حيى

اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں جیسا کہ التحیات للہ والصلوات والطیبات فرما کر آپ نے اپنے رب کو سلام کیا یہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۳۱/۲ میں ابن مالک نے سارا نقل کیا ہے۔

قال ابن ملك روي انه صلى الله عليه وسلم لما عرج به اثنى على الله تعالى بهذه الكلمات فقال الله تعالى السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته فقال عليه السلام السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فقال جبريل اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله وبه يظهر وجه الخطاب وانه على حكاية معراجه عليه السلام في آخر الصلوة التي هي معراج المومنين. ص ۱۱۱ عمدة القاري جلد ۶ مصرى قال الشيخ حافظ الدين النسفي التحيات العبادات القولية والصلوات العبادات الفعلية والطيبات العبادات المالية. عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲۔

کما اختاره الحبر ابن عم نبینا   و احمد من بین الائمة قد قوی

رؤیت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حبر الامۃ
ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے۔ نیز نسیم الریاض جلد نمبر
۳۴ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی ہے۔

ف:۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے۔ مسند احمد اور
زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۱۱۶ جلد ۲

ف:۔ فی الاوسط باسناد قوی عن ابن عباس قال رأی محمد ربه مرتین و
من وجه آخر قال نظر محمد الی ربه جعل الکلام لموسی والخلة
لابراهیم والنظر لمحمد فاذا تقرر ذلک ظهر ان مراد ابن عباس هنا
برؤیة العین المذکورة جمیع ما ذکر صلی الله علیه وسلم وهکذا زرقانی
ج ۲ و ابن کثیر ج نمبر ۳ زرقانی جلد ۲ ص ۳ فتح الباری ج ۸ ص
۴۳۰ مصری عمدة القاری ج ۱۷ ص ۳۰ و فی البخاری ص ۵۵۰ ج
اول عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ص ۵۵۰ فی قوله
تعالیٰ و ما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس قال هی رؤیا عین

فقال اذا ما المروزی استانه   واذا رأی المولی فسبحان من اسری

یعنی آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بنؒ نے جب امام مروزیؒ نے آپ سے بیان کرایا
دریافت کیا۔

اس کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے اپنے مولا کو دیکھا ہے پس پاک ہے وہ
ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص ۴۳۱ مصری بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے۔

فاذا رأیت ربی وقعت له ساجدا فی کتاب السنة عن اسحاق بن
منصور ابن بهرام الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیسابور احمد

الائمة الحفاظ الثقات روى عنه الجماعة سوى ابو داؤد و قال الخطيب
كان فقيهاً عالماً و هو الذي دون المسائل عن احمد مات سنة احدى
و خمسين وماتين زرقانی شرح مواهب لدنیه جلد٦ ص١٩١ مصری۔

رواه   ابو ذر بان   قد رأيته   واني اراه ليس للنفي بل لنبا

اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے
اور انی اراہ یہ نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ کسر نفسی کے لئے ہے امام ثعلبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم رؤية الرب الجليل حقيقة   يقال لها الرؤيا بالسنة الدنيا

ہاں رب جلیل کی رویت ایک ایسی حقیقت ہے
کہ اس کو رؤیا کہا جاتا ہے دنیاوی زبانوں میں۔

(فتح الباری) عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رؤیۃ عین کتاب التعبیر فتح الباری ج ٢ ج
٧ ص ١٣ زرقانی ج ٦ ١١٢ امام ابن کثیر ج ٣ از ص ١١ تا ص ١٣۔

عمدۃ القاری ج ٧ ص ٣٠ فبدبه للاشعار بان الرؤيا بمعنى الرؤية في اللغة

والافمرأى جبرئيل عوادة   وليس بديعاً شكله كان او اوفي

ورنہ یہی حضرت جبرئیل کا دیکھنا تو کئی بار تھا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی خواہ کسی شکل میں دیکھا
ہو بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وذلك في التنزيل من نظم نجمه   اذا ما رعى الراعي و مغزاه قدرفي

اور یہی رؤیت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۃ نجم میں ہے۔
جبکہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کردے۔

وكان ببعض ذكر جبريل فانسرى   الى كله والطول في البحث لذمني

اور بعض طریقوں میں حضرت جبرئیل کا ذکر ہے۔
یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا۔

وكان الى الاقصى سرى ثم بعده   عروجاً بجسم ان من حضرة اخرى

مسجد اقصیٰ تک تو اسراء تھی پھر اس کے بعد

جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک

عروجاً الیٰ ان ظللتہ سحابۃ ویغشی من الانوار اباہ ما یغشیٰ

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا۔

اور انوار الٰہیہ نے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا۔

ویسمع للاقلام ثم صریفہا ویشہد عیناً ما انہ الرب قد سری

اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے یعنی قلموں کے چلنے کی آواز

اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔

ومن عض فیہ من ھنات تفلسف علیٰ جرف ھار یقارف ان یردیٰ

اور جو آدمی فلسفہ کی غلط باتوں کو داڑھوں سے کاٹے

وہ ایسی کھائی پر ہے جو گرا ہی چاہتی ہے۔ قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

کمن کان من اولاد ماجوج فادعیٰ نبوتہ بالغی والبغی والعدویٰ

جیسے کہ وہ آدمی جو یاجوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعویٰ کر دیا۔

اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور تعدی سے

ومن یتبع فی الدین اھواء نفسہ عسیٰ کفرہ فلیعبد اللات والعزیٰ

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے

وہ اپنے کفر میں لات و عزیٰ کو پوجتا پھرے۔

قصیدہ انوریہ مع تشریح حضرت مولانا محمد انوریؒ

درہمہ سیر و سفر ہیچ کشف نشد حقیقتے گرچہ شدم بہ رنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

تشریح:۔ تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی۔ اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا یعنی اس عالم مشاہدہ میں اس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی۔ جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے تو بعینہ اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

گر بدوام فرشتے از پس مرگ ساختے شرح دہم بہر جز قصہ بقصہ ہو بہو

تشریح:۔ اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر و قدر　　آنچہ کہ کشتۂ ای درو حنطہ بہ حنطہ جو ز جو

تشریح:۔ خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں جو کچھ تم نے بویا ہے اسی کو کاٹ لو اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو۔ اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل دان　　نے بعد او یک ز دو جب بجب دو بدو

تشریح:۔ یہ دنیا اور آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دو ان کو کہیں جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے اور کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

رشتۂ ایں جہاں تن جامۂ آں جہاں تن　　رشتہ برشتہ بیچ بیچ تار بتار پو بپو

تشریح:۔ جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعینہ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چونکہ اس جہان کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

ہست جزا ہمو عمل ہم کہ خورد شود مرض　　بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

تشریح:۔ جزا جنس عمل سے ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرة شراً یرہ۔ ووجدوا ما عملوا حاضراً ولا یظلم ربک احداً سورہ کہف۔ جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا۔ جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔ سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا وہی ملے گا۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو جڑ ہے وہی ثمر ہے جو گٹھلی ہے وہی بیج ہے۔ مشہور ہے کہ بیج جب شجر کے ہاتھ چڑھتا ہے اس کا نام پھل ہوتا ہے۔

قبر کہ بود در سوئے جہان دگرے   غیب شود شہود از دیدہ جدیدہ رو برو

تشریح:۔ قبر میں جا کر آپ سب اسرار منکشف ہو جائیں گے۔ جب روح ظاہر ہو جائے گی کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آ جائیں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے۔ یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہونے لگے گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود   زندگی دگر چنو زندہ شدہ مرد بہ مرد

تشریح:۔ وہ جہان بالکل واضح ہو جائے گا اگرچہ بظاہر قبر اسی جہان میں ہوتی ہے اس جہان کی زندگی میں پر واضح ہو جاتی ہے۔

مردن ایں طرف بود زیستن دگر طرف   روزن باز دیدہ تو طبقہ بطبقہ تو بتو

تشریح:۔ اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے۔ عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشن دان سے نظر آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں صاف مذکور ہے۔ مشہور ہے کہ یہ حالت آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے۔ جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

تقریر بابتہ برزخ

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ وان جہنم لمحیطۃ بالکفرین بے شک جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کفار کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے۔ قیامت کے روز یہ زمین کا گولا اڑا دیا جائے گا۔ نیچے سے جہنم نمودار ہو جائے گی۔ اسی سے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور نیچا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ رتل وارتق

تا نہ شکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہ ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند　　　اول آں بنیاد را ویراں کنند

دنیا کے بعد آخرت کا ہونا عقلی طور سے

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں۔ پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی۔ جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے۔ حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہو گی جب یہ جہان فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ لہٰذا قیامت کا آنا برحق ہے۔ وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھ کر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہو گی یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بہاولپور میں ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی۔ پھر میں نے یہ تقریر حضرت شاہ عبدالقادرؒ مولانا رائپوری کی خدمت میں سنائی تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی۔ یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے جبکہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈی ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحبؒ رہے جو ان سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے۔ ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں حل کر کے رکھ دیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے۔ انتقال سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی۔ عموماً عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

حضرتؒ کی وصیت اور اس کا پورا ہونا

بہاولپور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحبؒ سے جو کہ دوم مدرس تھے۔ جامع عباسیہ کے "جب مقدمہ کا فیصلہ ہمارے

حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آ کر آواز دے دینا"۔ ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی۔ جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرتؒ کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولانا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے۔ ویسے بڑے فاضل تھے، علوم متبحر تھے۔

حضرت شاہ صاحب اور شعر

فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا۔ بس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے۔ مقامات حریری کے طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقالے بے نقط تھے۔

حضرتؒ سے حضرت مفتی اعظم کا استفادہ

ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا! حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہئے تھا۔ اس طرح حضرت مفتی صاحب کئی بار تشریف لا کر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں۔ ان کو اجازت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے ہے اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

حضرتؒ نے شاہ اہل اللہ کا مشہور واقعہ سنایا

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر تھے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دیئے۔ وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف لے گیا۔ وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو۔ جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بوڑھا جن بیٹھا ہے اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انہوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بچے کو قتل کر دیا ہے ہمیں قصاص دلوانا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی شخص غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث شریف کو سنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے خوشی ہوئی۔ پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ان صحابیؓ سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آ گئے۔ یہ حدیث ہمیں ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سنائی تھی۔ اس جن کا نام شاہورثؓ تھا۔

حضرت نے ظفر بادشاہ کا مشہور شعر پسند فرمایا

حضرت شاہ صاحبؒ ظفر (یعنی بہادر شاہ دہلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تسمیہ کی عظمت

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے۔ بس کلمہ اللہ کا اس کو متکفل ہے کیونکہ یہ علم ہے اس ذات پاک کا جو مجمع جمیع صفات کمال ہے۔ پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمٰن کا کلمہ متکفل ہوا جس بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے تیسرے پایا جانا فائدہ اس کام کا اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور ہی تھا (بنی اسماعیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا۔

قل ادعوا اللّٰه او ادعوا الرحمن تدعوا فله الاسماء الحسنى

قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جمع دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں۔ پہلے عرب یوں کہتے تھے۔ وما الرحمن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے۔ یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے۔ یہ اس طرف اشارہ ہو گا کہ سب کے سب ادیان ایک ہو گئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ عملی طور پر ثابت فرما دیں گے بزرگان دین نے ان اسماء کو ورد کرنا فرمایا ہے تا کہ ان کی برکت سے دینی و دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

سورۂ فاتحہ

الحمد لله رب العلمين (ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح روایت ہے ابی حنیفہؒ سے (عنایہ میں ہے)

ولو لم يبسمل صاحبها كل ركعة ليسجد اذا يجابها فان اكثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

سورۂ فاتحہ: کہیے ہے یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں تربیت رحمت جزا اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مد نظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت و ثنا کریں ان واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں۔ کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں۔ ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری و باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں کہ میں رحمان و رحیم ہوں اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی غرض ہر ہر جز کی عبادت الگ الگ ہے۔ مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا۔ روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہنا حتیٰ کہ ولا تکن من الغافلین نصیب ہو جائے۔ غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں نہایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے۔ حمدنی عبدی اور الرحمن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنی علی عبدی جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ ایاک نعبد وایاک نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں۔ ھذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ بھی

ے گا جو اس نے سوال کیا۔ حدیث کے شروع میں ہے قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی یہاں پر صلوٰۃ بمعنی سورۂ فاتحہ ہے۔ حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے۔ واذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے واذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد سب اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہئے آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرمائے۔ (استجب)

انعمت علیہم۔ چار قسم کے گروہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں۔ ان کا طریق اختیار کریں۔ صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی۔ تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرما لیتا ہے۔ الذین امنوا وکانوا یتقون اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے۔ دل ان کے اسی شان سے قبول کر لیتے ہیں گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے اور صدیق وہ ہیں کہ قوت فکریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دروغ گوئی سے دور رہتے ہیں۔ امور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں۔ حظ نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ صدیق کی شان یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عز اسمہٗ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور ان کے شبہات معلومات میں راہ نہیں پاتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا لوگوں پر واجب ہے کہ یہ تحقیق جو کہ انبیاء علیہم السلام کے

لائے ہوئے احکام مان لیں۔ انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا۔ معاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیہم گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی۔ اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی تو جب آپ ان کی ہدی پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا کیونکہ آپ کو اولیت باطنا حاصل ہے اور ظاہرا آخریت ہے۔ ورنہ بہم اقتدہ ہوتا اور حدیث کنت نبیا و آدم بین الماء والطین وغیرہ بالخصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں۔ برد انامل والی حدیث بھی اسی کی موید ہے۔ فعلمت علم الاولین والآخرین سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ (الفرقان ج ۲ نمبر ۱۸)

ھدی للمتقین معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے۔ کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے۔ والزمھم کلمۃ التقوی کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً ولو ان اھل القری امنوا واتقوا کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ مثلاً واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ کبھی اخلاص کے معنی دیتا ہے۔ فانھا من تقوی القلوب (از فتح العزیز)

الٓمٓ اور ذلک الکتاب کی تفسیر

الٓمٓ :۔ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے ؟ ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ بس ہم ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے۔ ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان۔ ذلک الکتاب یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ لاریب فیہ اس کے برحق اور اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ تمھیں

ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنا لاؤ۔ یا کم از کم دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ کم از کم ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو عرب العربا ہو۔ مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لا سکا۔ یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

ھدی للمتقین: یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے۔ یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا۔ ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہوگا۔ ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

الذین یومنون بالغیب الآیۃ۔ یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کرلیا۔ یہی ایمان بالغیب ہے۔ تمام ثواب اور عذاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن۔ باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کرلینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے کفر کے معنی مکر جانا منکر ہو جانا یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبہ نکالنا یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلوۃ اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کے فرائض واجبات شرائط سنن و مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں۔ یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

ومما رزقناھم ینفقون جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

"**وفی اموالھم حق السائل والمحروم**" **والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیل حال ہے۔ مومنین اہل کتاب کی ضرورت نہیں کہ اس سے مراد ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ **قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی والنبیون من**

ربهم لانفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون پ ۳ رکوع آخری اور پارہ اول رکوع آخری میں قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراهیم واسمعیل واسحق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربهم. الایۃ بھی آیا ہے اور سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے۔ آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون کل آمن باللہ وملئکته وکتبه ورسله لانفرق بین احد من رسله اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخرت میں کامیاب ہو گئے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذاتی ہے دوسرا وجود حسی۔ تیسرا وجود لفظی وجود ذاتی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجاب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے۔ جب بندہ مومن میں اور اس کے رب تعالی شانہ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو کمشکوة فیها مصباح اور اللہ ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمات الی النور میں فرمایا ہے جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے پھر پہلے تو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شی کے منکشف ہوتے ہیں۔ ہر ایک شئے کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں اور وہ اوامر اور نواہی کے موافق حکم الٰہی پر عامل ہوتا ہے۔ اس حال میں خصائل حمیدہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں وہ اعمال صالحہ او معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یهدی اللہ لنوره من یشاء اور وجود ذاتی ایمان کا دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام تصدیق اجمالی ہے دوم ہر شی کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو ارتباط ان میں ہے اس کو بھی لحاظ رکھنا اور ایمان کا وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا اقرار ہے اور کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

ان الذین کفروا الآیہ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اسی طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو جائے کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی ہونے سے ہی انکار کرے۔ بمعنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے۔ جیسا کہ وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ کہا استدلال دوسروں کا بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھتے نہیں دیتا۔ دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ کا ذکر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں مدرکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں۔ آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کی شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے اور وہی مقام رویت کا ہے اور عقل کا قاعدہ باندھا ہوا ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں۔ ومن الناس یعنی یہ دعویٰ دونوں علموں کا کرتے ہیں۔ علم توحید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے۔ کسی وقت نصیب نہ ہوگا۔ ان کو منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی کئی اقسام ہیں جیسے کہ احادیث میں مروی ہے۔

جزاء عین اعمال ہے حضرت مجددؒ کی تحقیق

قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل یعنی جزا در حقیقت مجزی علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہوں گے۔

فذوقوا ما کنتم تعملون فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ، الآیۃ

دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز خیر و شر　　　آنچہ کہ کشتہ درو حظ بہ حظ جو ز جو

حضرت مجددؒ کی تحقیق

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے دنیا میں تو لباس کمالات علیات کا

پہن لیا۔ آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اسی شکل میں ہوگا۔ معانی مجسد ہو جائیں گے۔

یاایہا الناس اعبدوا۔ الآیۃ تحقیقی تمہید ہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں اول انسان کی پیدائش دوم پیدائش ان کے باپ دادوں کی ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم پیدائش زمین کی چہارم وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوتی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو ایک جا لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں۔ پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے۔ پھر اپنے اصول اقربا ماں باپ وغیرہ سے پھر زمین جو محل انسان کے رہنے کی ہے پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی بارش پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک سہیم نہیں۔ لہٰذا شکر میں اسی کو مخصوص کرو کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک تشبیہ میں اور اس کی صفت کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ۔ الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ الآیۃ

ایمان کی حقیقت

شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گرویدن باور کردن جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی سے ہیں اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جا بجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قلبہ مطمئن بالایمان کتب فی قلوبہم الایمان ولما یدخل الایمان فی قلوبہم اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے اور نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا۔ ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا۔ چنانچہ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا والذین امنوا ولم یہاجروا پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے اور اقرار محض کی

بھی بلا تصدیق درست نہیں ہے۔ و من الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین۔ پس معلوم ہوا کہ اقرار محض تو ایمان کی حکایت ہے۔ اگر محکی عنہ کے مطابق ہوا تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔ تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے۔ ایمان کو بھی تین طرح کا وجود ہے۔ ایک لفظی دوم ذہنی سوم عینی۔ وجود عینی تو اصل ہے باقی وجود اس کے تابع ہیں۔ ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے تمام پردے جیسے شبہات نفس رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح میں یہی تمثیل فرمائی گئی چنانچہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اس کا سبب بیان فرمایا۔ یہ نور انوار محسوسہ کی طرح قوت و استعداد و وسعت میں قبول کرتا ہے۔ چنانچہ آیت واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے حتی کہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع قوی اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں اور بقدر شرح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں مستعد ہو جاتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور وجود لفظی ایمان کا کلمۂ شہادتین ہے۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ

ثم استوی الی السماء خواہ عرش کو پہلے کہو خواہ آسمان کو پہلے کہو۔ سب درست ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ سے تحقیق حقائق عالیہ و نفائس فائقہ

انی جاعل فی الارض خلیفۃ الخ میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے یہ بھی فرما دیا گیا کہ اطاعت بندہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور اس میں حسن و قبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا۔ ذنب اور جبر بھی منکشف کیا گیا اور اسماء و احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے اور تقدیر خیر و شر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی

طرف ہے اور یہ کہ شرف محبوبیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور یہ کہ تجویز خلیفہ پر ملائکہ حضرات نے اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ اور یہ کہ بحث رحمتی غضبی اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں آ گیا۔ انی اعلم ما لا تعلمون جو کچھ کہ دل کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اول اس کا وجود مرتبہ روحی میں ہوتا ہے۔ پھر قلب میں پھر قوی نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بلی من کسب سیئة و احاطت به خطیئته فاولئک اصحاب النار هم فیها خلدون اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول لن تمسنا النار الا ایاما معدودة اور انکار تحریفات دینی بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اختلاف و فساد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا بیان اور یہ کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور رکھتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسے ہی زنا چوری لواطت بھی حرام ہیں۔ کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور اور عصیان ہے۔ نعوذ باللہ۔

اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے کی ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ خداوندی کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو۔ مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو وہ کفر اور زندقہ اور الحاد کہتے ہیں اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید ہوئی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ الفاسق لا یخلد فی النار والکافر خالد فی النار چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہودی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔

(۲) اس فرقے نے اپنی کج فہمی سے فرق عنوان میں اور مضمون میں خلط کیا اور کہہ دیا۔ لن تمسنا النار الا ایاما معدودات حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا

تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے اتخذتم عند اللہ عہدا ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون۔ کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔ پس نص صریح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس بات میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اصول دین میں ہرگز قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ الآیہ کہ گناہ علم وعمل اور خرابی عقیدہ واعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے۔ موجب خلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو ظاہر میں کلمہ گوئی ہو اور دعویٰ بھی دینداری کا رکھتا ہو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ولقد آتینا موسی الکتاب کے تحت تحقیق عجیب

ولقد اتینا موسی الکتاب الآیۃ۔ یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی اور بنی اسرائیل سے عہد وپیمان لئے۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے۔ حضرت یوشع حضرت الیاس حضرت الیسع حضرت شمعون حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت شعیا حضرت ارمیاء۔ حضرت یونس حضرت عزیر حضرت حزقیل حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور ہزاروں پیغمبر تھے۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ انہی کی شریعت کے تابع تھے۔ وآتینا عیسی ابن مریم الآیۃ۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے۔ اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے۔ مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا۔ جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ بتلا دیتے تھے۔ آپ کو بلا باپ پیدا فرمایا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف

لے گئے۔ اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلتہً کرتی تھی۔ اب بھی سائنس یہاں تک ترقی کر گئی ہے لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان کے قائل ہو گئے ہیں۔

ولقد قیل ان المعجزات تقدم   بما یرتقی فیه الخلیفة فی المدی

آپ کا نام ہی روح رکھ۔ روح کی سبک سیر کا (سریع رفتار) کا کس نے اندازہ لگایا ہے۔ روح نام ہے یا تو جبرئیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ فرمایا گیا ہے وروح منه شہادۃ القرآن عقیدۃ اہل اسلام اور تحفۃ الاسلام سیف چشتیائی۔ بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

الیشوع کے معنی اور تحقیق

الیشوع اصل ہے عیسیٰ کی۔ اس کے معنی ہیں مبارک اور مریم بھی عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں خادمہ و عابدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے۔ ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها. کہ کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون. مثلاً زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت شعیا علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کئی بار حملہ تماشہ کیا گیا زہر دیا۔ چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا اس زہر کا اثر مرض وفات میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ سر الشہادتین میں تفصیل سے مذکور ہے۔

یعنی ایسے متعصب ہیں کہ انکی بات سنتے ہی نہیں۔ تعصب حق کے معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے اور کسی کے فریب میں نہ آجائے اور ادھر ادھر توجہ بھی نہ کرے۔ یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

حضرتؒ کی انگریزی سے واقفیت

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے

ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کشمیر میں چھ ماہ انگریزی پڑھی ہے۔ میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھتا۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی۔ آج کل کے بی اے ایم اے سے زیادہ انگریزی سے واقف تھے۔ مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرتؒ کا تقویٰ

ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا۔ حضرت شیخ علی متقیؒ جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں، تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا آمد سن کر بہت سی مستورات آ گئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ گھر کا دروازہ بند کر دو۔ کسی عورت کو مت آنے دو۔ اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

معراج جسمانی کی تحقیق

لاہور معراج جسمانی کے مسئلے میں بیان فرماتے وقت یہ بھی فرمایا کہ بعض روایت کے الفاظ سے ظاہر بین بعض حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ جو استیقظ الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ اتی بالمنذر بن ابی اسید الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین ولد فوضعہ علی فخذہ وابو اسید جالس فلھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشیء بین یدیہ فاخذ ابو اسید ابنہ فاحتمل من فخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستفاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال این الصبی.

وان روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ نیند سے ہوش میں آ گئے بلکہ اپنی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا۔ فاستفاق ای فرغ من اشتغالہ

بجلی کا اسراف

مالیر کوٹلہ کے ایک سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بعد عشاء ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ بہت مجمع علماء کا تھا اس میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ مولانا بدر عالم صاحب اور بہت سے علماء موجود تھے فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی کی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں۔ فقط اتنا

پڑھنا چاہئے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے باقی تو اسراف ہے۔ (غالباً یہی الفاظ تھے)

علامہ عراقی کون تھے؟

ایک دفعہ دو تین بہاولپوری میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں استشرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحوم کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے مجھے علامہ عراقی کا ایک قلمی رسالہ دیا۔ جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے میں نے پوچھا کہ یہ کون عراقی ہیں۔ تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں ان کی کتاب کا نام ہے غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان۔ یہ علامہ عراقی بڑے محقق گزرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے واپس طلب کیا تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو گیا۔ پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے۔

فائدہ: نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ علامہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

حافظ شیرازی بڑے مفسر تھے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حافظ شیرازی کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں شراب کباب کا ذکر ہے تو پھر حافظ شیرازی کو عارف کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔ میں نے سورۂ کہف تک دیکھا ہے۔ بہت اعلیٰ حاشیہ ہے۔ وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں۔ ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے۔ باری تعالیٰ آوارہ لوگوں سے ایسے بلند پایہ کام نہیں لیتا۔ جب انہوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں آپ توبہ کرو استغفار کرو۔

حضرتؒ کے ہاتھ پر غیر مسلموں کا ایمان لانا

جب مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب کو دیوبند سے دعوت دی گئی۔ یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا زائرین ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچا ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھا تو فوراً کود کر زمین پر آیا مجمع کو چیرتا ہوا آیا اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں۔ یہ کہہ کر وہ ایمان لے آیا۔ ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارک میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ سرگودھے والوں نے بھی جب کہ انہوں نا آپ تشریف لائے تھے حضرت سے ملنے کے لئے تو انہوں نے بھی سنایا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خان صاحب کندیاں والوں کے یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے مجملہ ان کے حاجی قمر الدین الکیم رکی بھی تھے۔

جب حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری (بہار) نے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف لے گئے تھے۔ جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا ودوان تھا۔ حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے ودوان ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں۔ پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے۔ یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے بہاولپور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

حضرتؒ کی سیر چشمی اور مال سے بے رغبتی

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے۔ وہاں کے اہل

خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لا کر تمام مدرسین کی دعوت کی پر تکلف کھانا کھلایا اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے۔ مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا۔ اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا حضرت سے استفادہ

حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔

مالیر کوٹلہ میں حضرتؒ کا درسِ حدیث

مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحبؒ مولانا عبدالجبار صاحب مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرا دے تو عرض کر۔ سلیک غطفانی کا واقعہ سنتیں جمعہ کی ادا کرنے کا۔ جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں۔ فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب كيف كان بدالوحي الىٰ رسول الله عليه وسلم کا درس دوں گا۔ اور خود ہی تلاوت کروں گا۔ کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہوگئے۔ مولانا مفتی محمد خلیل صاحب بھی بیٹھے تھے۔ مولانا عبدالغنی صاحب بخاری شریف لائے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں۔ حضرت نے ان کو بخاری شریف شروع کرا دی اور درس حدیث دیا۔ علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے ایک سکتہ کا عالم تھا۔ پھر سلیک کا واقعہ بھی ذکر فرما دیا کہ علماء کی تسلی ہوگئی۔ مولانا عبدالجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے۔ مولانا خیر محمد صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے

سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے۔ افسوس کہ ہم تو دیوبند جا نہ سکے۔ دور ہی سے چھینٹے پڑے۔ حضرتؒ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ مولانا فخر الدین مرحوم حضرتؒ کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

تفسیر سورۂ نجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والنجم اذا ھوی

سمٰوات سے شروع کیا۔ اس لئے کہ مابعد کا کلام آسمان کی خبر اور اسرا سے متعلق ہے۔ سمٰوات العلیٰ تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک یہاں تک کہ فرمایا ان ھو الا وحی یوحیٰ یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور موحی بکسر الحاء کو مبہم کہا کیونکہ اس کا انحصار تعالیٰ ہی میں ہے اور وحی و رسالت حق میں ہے کہ اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے سے زیادہ ابلغ ہوتا ہے۔ مثلاً قول ان کا صورت باکرام القوم پھر فرمایا علمہ شدید القوی پس منتقل ہوئے معلم کی طرف موحی کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا۔ موحی اور معلم پھر اوصاف دو ذکر کئے جو معلم وحی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتے تھے پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت تکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی کیونکہ جب کہا جائے کہ یاتیہ الملک تو ذہن میں کھٹکتا ہے کہ آنے کی کیا صورت ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور دوسری مبارک ہے۔ ذو مرۃ ہے اس جیسے سے خیر ہی کا احتمال ہے ورنہ وہ نزدیک ہوتا ہے اور وہ فلک آتا ہے لہٰذا اس کے اوصاف ذکر فرمائے۔ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذو مرۃ یعنی جمیل المنظر حسن الصورۃ ہے۔ جلالت شان والا ہے۔ اچھی صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل الخلق ہے اور ذی امانت اور مکانت والا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی وحی نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے جیسے اس کی نظیر سورۃ تکویر میں ہے بیان فرمایا کہ وہ عظیم قدرت والا جمال المنظر ہے یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فتدلی کی تفسیر

قولہ فتدلی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اپنے مکان سے تجاوز نہیں کیا۔ یہاں

تعلق بھی قائم رہا۔ جیسے بجلی کی تدفین ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے۔ جیسے نور عظیم منعطف فی الجو ہوتا ہے کہ چھوٹے سے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظر یوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے۔ منفصل نہیں ہوا۔ گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبرئیل امین کی بشری شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا جیسا کہ سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چڑھے۔ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ تو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دنو رب محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گر پڑے پس سبحان رب الجبروت والملکوت والعظمۃ کہتے ہی رہے حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو وحی کرتا تھا وہ کر لیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی ہی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ (یاقوت اور زبرجد اور موتی کے) میں نے خیال کیا کہ جبرئیل کی دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلے نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے ان کو مختلف صورتوں میں دیکھا تھا اور اکثر دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں دیکھا کرتا تھا اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے۔ قولہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ تفسیر طبری میں ہے۔ فاوحی اللہ الی ما اوحی اس کے قریب مسلم شریف میں ہے اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں۔ کیونکہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے اور رسول تو موحی ہو نہیں سکتے بلکہ مرسل ہی موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء یہاں بھی متخالف نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے۔ بعض بعض سے ملا ہوا ہے جس کی انتہا الی اللہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے مضمون کا جیسا کہ ان ہو الا وحی یوحیٰ میں احتیاج ہوا یا اعادہ ما استوقف عنہ جیسا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں ہے۔

قولہ تعالیٰ ما کذب الفواد

پھر فرمایا ما کذب الفواد ما رای اس کو ماقبل سے جدا کر دیا اور عطف نہیں ڈالا۔

کیونکہ یہ شامل ہے رویۃ باری تعالیٰ کو بھی اور رویۃ جبرئیل کو اصلی صورت میں یہ دونوں قبل ازیں حاصل تھے اور یہ شامل ہے ان تمام نشانیوں کو جو لیلۃ الاسراء میں دیکھیں جیسے کہ فرماتے ہیں۔ لقد رای من آیات ربه الکبری اور بنی اسرائیل میں ہے لنریه من آیاتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی اریناک

الا فتنة للناس سو فتنہ بمعنی آزمائش کا نام ہے۔ جیسے سورہ نجم میں فرمایا۔ افتمارونه علی مایری یعنی تو ما کذب الفؤاد ماراٰی ای ما کذب الفؤاد عبدنا ماراٰی ای هذا العبد یا تو فؤاد سے یا آنکھوں سے اور کذب متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صدقت فلانا الحدیث و کذبته احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے۔ یعنی ما قال کذبا ای هذه المقولة بل قال ما وقع بعد عیانا فی الاسراء بالنسبة الی رؤیة الله تعالی.

اور یہاں پر رویۃ فؤاد کی ہو اور مابعد میں رویۃ بصر کی ہو تو یہ کوئی نظم قرآنی میں تفکیک کا باعث نہیں کیونکہ رویۃ امر واحد ہے اور فرق جو ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے۔ آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رویتیں ثابت ہیں۔ رویۃ اللہ تعالیٰ کی بھی فؤاد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بخاری میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھا دیا جانا آتا ہے۔

قوله تعالیٰ افتمارونه علی مایری

پھر فرمایا افتمارونه علی مایری اور نہ کہا فیہ یعنی جس نے رسالت کی کہ یہاں اور رویت کی ہے۔ اس کو کسی نے ذکر فرمایا اور علی مایری فرمایا تو فرمایا فیما یری کیونکہ ان کو نفس رویۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصاً مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فؤاد سے رواہ طبرانی فی الاوسط رجاله رجال الصحیح مسند دارمی میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا قلب وکیع له اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان۔ وکیع یعنی سخت شدید

یعنی مضبوط پھر فرمایا ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے۔

رؤیت بصری حق تعالیٰ جل مجدہ

لیکن رؤیت جبرئیل یہ تو ظاہر تھا ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سو اس کے قرب کے باعث ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ یطلع اللہ علیٰ اہل الجنۃ لیقول ہل رضیتم سدرۃ المنتہیٰ اس کا کوئی تعلق باقی سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا طبری نے فرمایا۔ جیسے رایت الہلال من المسجد قولہ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ یعنی انوار اور تجلیات۔

نسائی شریف میں ہے۔ ثم اتیت سدرۃ المنتہیٰ فغشیتنی ضبابۃ فخررت لہ ساجداً اور یہی محل من القیام ہے۔ پھر فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا۔ پھر خلاصہ بیان فرمایا۔ لقد رأی من اٰیات ربہ الکبریٰ یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے۔ حدیث ابی ذرؓ میں ہے۔ رایت نوراً او نور انی اراہ اس کے معنی ایک ہی ہیں۔ ای ھو نور من این رأیتہ اور مروزی نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رأیت ربی پھر مسند کی حدیث میں ہے رایت ربی عزوجل (اس کی سند قوی ہے)

مولانا شریف اللہ کابلی کے حالات

ایک مولانا شریف اللہ صاحب کابل کے تھے۔ حضرت رائپوری شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ننگے بدن رہتے تھے۔ فقط تہ بند رکھتے تھے۔ دارالحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جا رہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے۔ پھر شیخ الہند اپنے پاس لے آئے۔ دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے۔ جو ۱۳۲۸ھ میں ہوا۔ وہ رائپوری بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا ثابت ہے یا نہیں؟ مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے منع فرما دیا تھا کہ

کوئی ان سے ملنا چاہتے۔ فرمایا یہ صاحب مدرس ہیں ان کو مت چھیڑو۔

من عرف نفسہ کا مطلب

وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے۔ ہمارے زمانے میں بھی تشریف دیوبند لائے تھے۔ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کے اشعار معرفت

ہے آہ سحرگاہی تقویم خودی مشکل   یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالۂ پیکانی کی آنکھوں کو جیسے گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے اسکی بھی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنار جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے فرماتے ہیں۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی   کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

شام جس کی آشنائے نالۂ یارب نہیں   جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا ساز دل شکست غم سے ہے ناآشنا   جو سدا مست شراب عیش و عشرت ہی رہا
ظلمت غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے   زندگی کا راز اس کی آنکھوں سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے۔ یہ حالت صحابہ کی بھی تھی۔ حضرت

شاہ صاحبؒ کو اکثر دیکھا گیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اکثر تسبیح ہی پڑھتے تھے۔

امیر خسروؒ کے اشعار پر رقت

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسروؒ کے یہ اشعار پڑھے۔

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز　　درد ہا دادی و درمانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔ فرمایا کہ یہ شعر امیر خسروؒ کے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی۔ کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا۔ بس رفیق فرماتے تھے۔ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ پر حضور دائمی کا غلبہ

حضرت شاہ صاحبؒ کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے۔ بلکہ سکڑ کر سوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کر سکتا ہے۔ حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کابلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے۔ ایک اسماء اللہ کا تحقق ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق یہ جزو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن اس سے وزن علم حضرت صدیقہؓ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصوف سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم قرآن پاک تھے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ کا تعلق بالحدیث

حضرت شاہ صاحبؒ محض مدرس حدیث ہی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث

شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا۔ حدیث کا تعلق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تعلق بھی نصیب تھا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

حمد کے ساتھ نعت پیغمبر بھی چاہئے

ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۳ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ ملتان سے لائل پور تشریف لائے۔ ایک مکان پر ان کی دعوت چائے کی تھی۔ احقر بھی مدعو تھا۔ احقر بھی حاضر ہوا۔ ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

قبولہ حمد ما ہرگز نخواہد داور یکتا ز نعت پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ پھڑک گئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول نہ کی جائے۔

ذکر اللہ مفرداً بھی ذکر ہی ہے

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ تھے۔ خود ہی فرمایا تھا کہ میں نے ملا حسن اور ترمذی شریف کا کچھ حصہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے۔ سبق پڑھاتے وقت کبھی سے کہیں نکل جاتے تھے۔ اور میں تو غیر مقلد ہو جاتا اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا۔ جب حاضر ہوا تو ترمذی شریف میں فاتحہ خلف الامام کی ہی بحث ہو رہی تھی۔ جب حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو قلب مطمئن ہو گیا کہ ہمارے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔

ایک دفعہ جہری مسجد دہلی میں میں نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب اسم ذات اللہ تعالیٰ کا ذکر درمیانہ جہر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حجرے کے اندر بیٹھے تھے اور دروازہ پر پردہ لٹک رہا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاہ صاحب صوفی بھی ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا کریم بخش مرحوم پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور حضرت سے مناظرہ کر رہے تھے کہ آپ خلاف

سنت ذکر کراتے ہیں۔ مفرد ذکر اللہ تو بدعت ہے۔ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا (تا کہ میں جواب دوں) تو میں نے عرض کیا کہ مسلم شریف میں حدیث صحیح موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص بھی باقی رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی۔ کیا حضور علیہ السلام نے بدعت کا سبق دیا تھا؟ اور ترمذی شریف میں بھی یہی حدیث (ص ۴۴/۲ باب اشراط الساعۃ میں) موجود ہے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ نے درس ترمذی میں فرمایا تھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا مفرد نام بھی ذکر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ علماء امت کی تحقیق میں دنیا کی روح لا الہ الا اللہ میں ہے جب روح نہ رہے گی تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ اور قرآن مجید میں بھی ایسا ہی ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم الآیۃ۔

حافظ ابن تیمیہ کا رد

یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ نے دعویٰ کیا کہ اللہ مفرد ذکر نہیں ہے اور مذکورہ دلائل میں تاویل سے کام لیا ہے (العرف الشذی ص ۵۱۳)

آگے حضرت مولانا محمد انوری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی ذکر اسم ذات مفرد کرتے تھے اور اپنے مریدین و متوسلین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں قادریہ کا طریق ذکر فرمایا ہے کہ ان کے یہاں پہلے آٹھ تسبیح پانچ اللہ اللہ اسم ذات کی اور تین لا الہ الا اللہ نفی و اثبات کی ہیں۔ کیا یہ بدعت ہے؟ نیز حضرت بلالؓ احد احد کا نعرہ لگاتے تھے جب امیہ بن خلف ان کو زد و کوب کرتا تھا۔ (ص ۱۱۳ ابن ماجہ) کیا یہ بھی بدعت تھا۔؟؟

پھر جب حضرتؒ جالندھر تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ مدرسہ خیر المدارس میں جا کر کتابیں لا کر مجھے مسئلہ دکھلائے۔ چنانچہ میں گیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے تفسیر عزیزی لایا جس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے نہایت شرح و بسط سے اس مسئلہ کو لکھا ہے اس کی عبارت حضرت کو سنائی۔

نیز الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے ولذکر اللہ اکبر کی

شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اسم ذات اللہ کا ذکر دوسری تمام اسماء الٰہیہ کے ذکر سے اکبر و اعظم ہے۔ وہ بھی پڑھ کر سنایا تو حضرت اقدس رائے پوری بہت مطمئن و خوش ہوئے۔

(ملفوظات حضرت رائے پوری ص ۵۳)

(نوٹ) یہ ملفوظ گرامی اس لئے بھی اہم ہے کہ اس میں ذکر اسم ذات مفرد کی پوری تحقیق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کا تفرد کا رد بھی ہے۔ اس زمانہ میں سلفی ذہنی حضرات ان کے تفردات کے قائل و معتقد ہیں اور اپنی جماعت کے بھی بعض علماء کرام ان سے غلط فہمی کی وجہ سے یا اپنے دلائل سامنے نہ ہونے کے باعث متاثر ہو جاتے ہیں جیسے اس واقعہ میں مولانا کریم بخش صاحب کا ذکر ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش واجب الاحترام ہوتی ہے

بہاولپور کے مشہور قادیانیوں کے مقدمہ کے ایام میں حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا" اے محمد یہ جگہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ حدیث گیارہ کتب حدیث سے نکال کر دی تھی۔

مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبداللہ بن لہیعہ کی طرف دیکھا کہ جواب دے تو قاضی صاحب موصوف نے پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے اس پر میں نے ابن مسعود سے کہا کہ فقط آپ ہی محدث نہیں ہیں دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں۔ (ص ۲۰)

حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کا تفرد

ان دونوں حضرات کے نزدیک اماکن و مآثر میں کوئی تقدس نہیں ہے۔ اور علامہ ابن القیم نے تو زاد المعاد میں شب معراج میں حضور علیہ السلام کے نزول و نماز بیت اللحم کا بھی قطعی انکار کر دیا ہے بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس بارے میں ہرگز کوئی حدیث صحیح نہیں ہے جبکہ اوپر حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے سے ذکر ہوا کہ گیارہ کتب حدیث میں یہ صحیح حدیث موجود ہے جن میں سنن نسائی بھی ہے جو صحاح ستہ میں سے اعلیٰ درجہ کی صحیح کتاب مانی جاتی ہے۔

ہم اس بارے میں کئی جگہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنے مختار مسلک کے خلاف احادیث کی صحت سے بالکل انکار کر دیتے ہیں۔ انوار الباری جلد ۱۱ میں بھی اس کی تفصیلات لائق مطالعہ ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی نے بھی علاوہ دیگر تنقیدات کے لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں ابن مطہر حلی کا رد کرتے ہوئے احادیث جیدہ کا بہت حصہ گرا دیا ہے اور رد کی شدت میں یہ بھی تقریر کی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تنقیص شان بھی کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی فتاویٰ عزیزی ص ۸/۲ میں منہاج السنہ کے بعض مواضع کا مطالعہ کر کے سخت توحش کا اظہار کیا ہے جس میں تفریط حق اہل بیت بھی ہے اور تحقیر صوفیہ بھی۔

اتفاق سے رسالہ دارالعلوم دسمبر ۸۸ء نظر سے گزرا جس میں "المنتقیٰ" (للذہبی) خلاصہ منہاج السنہ پر تبصرہ وتعارف شائع ہوا ہے۔ جہاں تک ابن المطہر رافضی کی ہفوات کا تعلق ہے علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق وتنقید قابل تحسین ہے لیکن رافضی مذکور کی ضد میں آ کر جو حضرت علیؓ کی تنقیص وہ کر گئے ہیں وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ جس کا نمونہ اس مضمون کے ص ۴۷ میں بھی موجود ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی زیادہ اس معاملہ میں سخت تھے۔ کیونکہ انہوں نے علامہ کی قلمی تالیفات کا بھی مطالعہ کیا تھا اور وہ علامہ ابن تیمیہ کے لئے شیخ الاسلام کا لقب بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو بذل المجہود میں علامہ کو شیخ الاسلام لکھنے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور حضرتؒ کی "الشہاب" تو احقاق حق وابطال باطل کا بے نظیر علمی و تحقیقی شاہکار ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ سب سے بہتر اقتاح فیصلہ تو ابن حجر اور علامہ ذہبی وغیرہ کا ہی ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے علمی نوادر سے استفادہ کیا جائے اور ان کے تفردات خلاف جمہور سے صرف نظر کی جائے (جو کثیر تعداد میں غیر معمولی اصولی وفروعی ہیں) اور اسی طریقہ کو ہمارے علماء نے بھی پسند کیا ہے۔ واللہ الموفق۔

معاملات ما بین اللہ وبین العبد کی حقیقت

حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ ان معاملات کو دیانت کہتے ہیں جو صاحب دیانت ہے وہ متدین کہلاتا ہے اور باقاعدگی سے جب بندہ ذاکر ہو جاتا ہے تو باری تعالیٰ اپنا تعارف کراتے ہیں

مثلاً رقت کا پیدا ہونا، اچھے خواب دیکھنا، آخرت کی فکر لگ جانا وغیرہ سب کا حاصل ایک ہی ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کو "انما الاعمال بالنیات" سے شروع فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ جو بات وہ پیغمبر برحق فرمائیں گے اس میں اخلاص ہی اخلاص ہے۔ لہٰذا امت کو بھی پہلے نیت صاف کر لینی چاہئے کہ ظاہر و باطن ایک ہو جائے، متحد و متفق ہو جائے۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تحقیق سن کر مسرت کا اظہار فرمایا اور خود بھی یہ فرمایا کہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا، اس میں اعمال ظاہری (شریعت) اعمال باطنی (طریقت) اور معاملات ما بین اللہ و بین العبد (حقیقت) سب ہی آ گئے۔ (ص ۳۲)

حضرت انوریؒ نے لکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت کہیں نہیں جستجو کی خواہ کتنا ہی بڑا علامہ کیوں نہ ہو۔ ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط اور شرح صدر کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

سفر حج فرض کے لئے کراہت بغیر محرم کی تحقیق

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممانعت سفر بلا محرم کی تمام احادیث عام اسفار حاجات سے متعلق ہیں۔ سفر حج فرض سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فتنہ کا گمان نہ ہو اور دوسری حج کو جانے والی ثقہ عورتوں کا بھی ساتھ ہونے سے اطمینان ہو تو بغیر محرم کے بھی فریضۂ حج ادا کر سکتی ہے اور دوسرے اسفار میں بھی فتنہ پر مدار ہے۔ اگر تین دن سے کم کے سفر میں خوف فتنہ ہو تو وہ بھی بغیر محرم کے جائز نہ ہوگا۔ میرے نزدیک حنفی مذہب کی بھی یہی تحقیق ہے اگرچہ کسی نے اس کی صراحت نہیں کی۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ علماء نے مسئلہ سفر حج کو بھی احادیث ممانعت سفر بغیر محرم کے تحت ذکر کر دیا ہے اور امام بخاری وغیرہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔

(واضح ہو کہ امام ترمذیؒ ممانعت سفر کی حدیث لاتسافر المرأة کو آخر کتاب میں ابواب الرضاع میں لائے ہیں۔ کتاب الحج میں بھی نہیں لائے اور امام بخاریؒ ابواب سفر میں لائے (ص ۱۳۸) پھر کتاب الحج میں بھی لائے ہیں۔ (ص ۲۵۰) جہاں ترغیب ہے حج نفل کی بھی اور امام مالکؒ نے بھی امام احمد کی طرح حدیث ممانعت کو سفر حج پر اثر انداز نہیں سمجھا ہے۔ اور غالباً دوسرے

محدثین نے بھی جو کتاب الحج میں لائے ہیں اس حدیث ممانعت کو (امام مالک و امام احمد و شافعی کی طرح سے) حج تطوع اور دوسرے عام اسفار پر محمول کیا ہے۔ ایسی صورت میں امام اعظمؒ کا مسلک بھی ضرور دیگر ائمہ مجتہدین کے موافق ہی ہوگا۔ اور یہی رائے ہمارے حضرت شاہ صاحب کی بھی ہے بلکہ حضرتؒ نے نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ مجتہدین و اکابر امت کی طرح حج فرض کو نص قرآنی کے تحت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے صرف استطاعت سبیل اور زاد و راہ پر مساوی طور سے محمول کیا اور دوسری قیود محرم وغیرہ کو ثانوی درجہ میں رکھ یا حج نفل وغیرہ سے متعلق کیا۔ حضرتؒ نے سرے سے ہی احادیث ممانعت سفر بلا محرم کو حج فرض سے غیر متعلق قرار دیا اور ابواب حج کے تحت ان کے ذکر کو بھی بے محل فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق و تفصیل اس لئے بھی کی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی تحقیق مذکور کو محض شخصی خیال نہ کیا جائے خاص طور سے جبکہ حضرتؒ کو بہ کثرت احادیث سے اس فیصلے کے لئے شرح صدر حاصل ہو گیا تھا اور حضرتؒ نے خود ہی درس بخاری میں دونوں جگہ (اور دوسرے وقت بھی) یہی فرمایا کہ "میرے نزدیک "مذہب" کی بھی یہی تحقیق ہے یعنی فقہاء حنفیہ کے تشدد پر خیال نہ کیا جائے کہ انہوں نے حج فرض کو بھی حدیث ممانعت کے تحت کر دیا ہے جبکہ امام اعظمؒ کا خود یہ مسلک نہیں ہو سکتا" وغیرہ وغیرہ (العرف الشذی ص ۳۶۰)

فیض الباری ص ۱۴۱/۳ میں بھی اجمالی طور سے یہی فرمایا اور فیض الباری ص ۲۰۹/۴ میں تفصیل سے فرمایا کہ بشرط اعتماد و وثوق ہے۔ امن ہونے کی صورت میں سفر حج فرض بغیر معیت محرم بھی درست ہے اور میرے پاس اس کے لئے احادیث کثیرہ کا ذخیرہ ہے اور فقہ حنفی میں مسائل یہ صورت متفرع ہوئے ہیں (بعض احادیث کی طرف حاشیہ فیض الباری میں اشارہ بھی کیا گیا ہے) مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے شوہر حضرت ابو العاصؓ کو مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی کے ساتھ حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں اور انہوں نے غیر محرم کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک بھی ثقہ و مامون ایک یا چند عورتوں کے ساتھ سفر حج جائز ہے اور امام احمدؒ سے جو

ممانعت منقول ہے وہ نفلی حج کے لئے ہے۔ امام احمدؒ نے یہی فرمایا کہ ممانعت سفر بغیر محرم کی احادیث غیر سفر فرض کے ساتھ خاص ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بدایۃ المجتہد لابن رشد، انوار المحمود ص ۲۲ مسالک، بذل، اعلاء السنن وغیرہ)

”حج فرض کے لئے محرم کی شرط ضروری نہیں“

لمحۂ فکریہ

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا کہ امام احمدؒ نے بھی احادیث ممانعت کو سفر حج فرض سے غیر متعلق فرمایا اور وہ بعینہٖ وہی رائے ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے اختیار فرمائی ہے اور امام مالکؒ نے بھی موطأ میں ”لتخرج فی جماعۃ من النساء“ فرمایا کہ جس عورت نے حج فرض ادا نہ کیا ہو اور محرم میسر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ثقہ عورتوں کے ساتھ حج ادا کرے اور خدا کا فریضہ ترک نہ کرے۔

امام شافعیؒ بھی ثقہ عورت رفیق سفر ہو تو بغیر محرم یا زوج کے حج فرض کا جواز فرماتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ حج فرض کے لئے سب کی رائیں متفق ہیں اور حج نفل یا دوسرے غیر مفروض سفروں کے لئے عدم جواز پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

حضرات مفتیان دور حاضر کو ان دور کی مشکلات حج کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ نہایت غیر معمولی مساعی کے بعد تو کہیں حج پر جانے کی منظوری حاصل ہوتی ہے اور حکومت سعودیہ کو بھی حج کے مصارف بڑھانے سے کام ہے۔ نہ حج کے مالی اخراجات وغیرہ مجبوریوں کا کچھ بھی خیال نہیں۔ پابندیاں بھی برابر بڑھائی جارہی ہیں۔ اگر کسی عورت کے پاس ایک حج کی رقم ہو تو محرم کو ساتھ لے جانے کے لئے بھی اتنی ہی رقم اور چاہئے یعنی بیس ہزار کی جگہ مثلاً چالیس ہزار روپے ہوں کیونکہ ساتھ جانے والے کے تمام مصارف بھی حج کو جانے والی کے ذمہ ہیں۔ اس لئے اگر اس امر سے متعلق فیصلہ کرنا ہو تو یہی عمل ”شرط احتیاط“ بھی مناسب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (بجنوری)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
علامہ اقبال رحمہ اللہ

حیات

محدثِ کشمیری رحمہ اللہ

(المعروف نقش دوام)

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے گرانقدر ملفوظات
سوانح علمی و عملی شاہکار... سیاسی افکار دینی نظریات
اور تحقیقات و تفردات کا ایک بسیط جائزہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
☎061-540513-519240

مشكلات القرآن

لإمام العصر محمد أنور شاه الكشميري

١٢٩٢هـ — ١٣٥٢هـ

مع مقدمة

يتيمة البيان لمشكلات القرآن

التي تحتوي على ترجمة إمام العصر [illegible]
[illegible]
[illegible]

بقلم

[illegible]

محمد يوسف البنوري

[illegible]

إدارة تأليفات أشرفية
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون 540513-519240